

مقدماتِ نعمانی

گراں قدر علمی و تحقیقی مقدمات کا مجموعہ

رشحاتِ قلم:

محقق العصر شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی قدس سرہ

ترتیب:

شوکت علی

ایڈمن اسلامک بکس سٹی ویب سائٹ

www.islamicbookscity.com

فہرست

نمبر شمار	نام	صفحہ
1	مقدمہ مسند امام اعظمؒ	4
2	مقدمہ کتاب الآثار	24
3	مقدمہ موطا امام محمدؒ	49
4	مقدمہ مسند حضرت علیؓ	68
5	مقدمہ بلوغ المرام - حیات حافظ ابن حجرؒ	96
6	مقدمہ تفسیر ابن کثیر - حیات ابن کثیرؒ	110
7	مقدمہ سبیل الرشاد	122
8	مقدمہ تذکرہ علمائے ہند	147
9	مقدمہ حالات بزرگان دین	154
10	مقدمہ پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ	165
11	مقدمہ شرح الکافیہ فی التصوف	170

181	مقدمه اصول البزدوى	12
194	مقدمه الحزب الاعظم	13
202	مقدمه تبليض الصحيفه في مناقب الامام ابى حنيفه [ؒ]	14
284	مقدمه "مقدمه كتاب التعليم"	15
371	مقدمه دراسات اللبيب	16

مقدمہ
موطامسندِ امامِ اعظمؒ

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

مسند امام عظیم

ان

مولانا محمد عبدالرشید نحانی

امام عظیم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو علم حدیث میں جو رتبہ حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت
سمان کی مسندیں لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں میں روایت حدیث کو جو ترقی ہوئی، دنیا میں
اس کی نظیر موجود نہیں۔ صحاح، سنن، مستخرجات، جوامع، مسانید، معاجیم، اجزاء، طرق، وغیرہ مختلف
عنوانات قائم ہوئے اور ہر عنوان کے تحت اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے لیکن ان
کسی ایک ہی شخص کی روایات کو ایک مستقل مجموعہ میں علیحدہ قلمبند کرنے کا رواج زیادہ نہیں ہو سکا۔ محدثین اور
حفاظ میں بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں کہ جن کی حدیثیں مستقل تصانیف میں جداگانہ مدون کی گئیں۔ جہاں تک
ہم کو معلوم ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) ایک ایسے شخص ہیں جن کی احادیث و روایات کے ساتھ معمول سے
زیادہ اعلیٰ کیا گیا نہایت کثرت سے ان کی مسندیں لکھی گئیں۔ اور ان ائمہ دقت اور حفاظ حدیث نے لکھیں
جو خود اس قابل تھے کہ ان کی مسندیں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کا
ہمسفر ہو سکتا ہے تو صرف امام مالک (رحمہ اللہ) ہیں۔

امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کی احادیث و روایات کو جن محدثین نے مستقل طور پر علیحدہ تصنیفات
میں مدون کیا۔ ان میں سے جن حضرات کے متعلق ہم تحقیق کر سکے، حسب ذیل ہیں۔

(۱) حافظ محمد بن مخلد بن حفص موری | ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور عطار کی نسبت سے شہرت ہے
دور بغداد کے آخری سرے پر شرقی جانب میں شہر کے بالائی مقام پر

ایک محلہ تھا۔ یہ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ ۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الآخرہ ۳۳۱ھ میں اٹھانوے

سالہ و باخ رہے کہ یہ سب مسندیں کتاب الآثار کے علاوہ ہیں جو علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کی مشہور تصنیف ہے۔ اس کتاب کا
علم حدیث میں کیا پایہ ہے اور اس کے راوی کس شان کے ائمہ ہیں۔ اور اس کے نسخے کن حضرات سے مروی ہیں ان سب امور پر ہم مقدمہ
کتاب الآثار میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں جو ابھی حال میں کتاب الآثار ترجمہ کے ساتھ محمد سعید ایدہ سنر نے شائع کیا ہے۔

سال کی عمر میں وفات پائی۔ فن حدیث کی تحصیل یعقوب دورق، زبیر بن بکار، حسن بن عرفہ اور امام مسلم بن حجاج وغیرہ سے کی، اور ان سے دارقطنی، ابن عقدا اور ابن المظفر جیسے اکابر حفاظ نے اس فن کو حاصل کیا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الامام المفید الثقة مسند بغداد آگے چل کر لکھتے ہیں :-

كان معروفاً بالثقة والصلاح و... ثقافت میں، نیکی میں اور طلب حدیث کے لئے الاجتهاد بالطلب۔ جدوجہد کرنے میں مشہور ہیں۔

محدث دارقطنی سے ایک بار ان کے بارے میں سوال ہوا تو فرماتے لگے ثقة مامون، تذکرۃ الحفاظ میں ان کے والد کا نام مخلد کی بجائے احمد غلط چھپ گیا ہے۔ اس کی تصحیح کر لی جائے۔ حافظ ابن الجوزی کی المنتظم فی تاریخ الملک والامم اور یاقوت حموی کی معجم البلدان اور رجال کی دوسری کتابوں میں ان کے والد کا نام مخلد ہی مذکور ہے۔ عاتل بن مخلد نے امام ابو حنیفہ کی روایات کو ایک مستقل تالیف میں علیحدہ جمع کیا ہے جس کا ذکر محدث خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں مندرجہ کیا ہے۔ چنانچہ محمد بن الحسن بن الوزع ابو داؤد البجالی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :-

روى عنه محمد بن مخلد الداودي في جمعه ان سے محمد بن مخلد دوری نے اپنی کتاب جمع حدیث حلیث ابی حنیفہ تاریخ بغداد ج ۲ - طبع مصر ابی حنیفہ میں روایت کی ہے

(۲) حافظ عصر ابن عقدا ابو العباس احمد بن محمد بن سعید الکوفی، عقدا ان کے والد کا لقب تھا جو ایک نہایت صالح شخص تھے اور بخوبی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ

ان الفاظ میں شروع کیا ہے ابن عقدا حافظ العصر والمحدث البصیر ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ الیہ المنتہی فی قوۃ الحفظ وکثرة الحدیث وصنعت وجمع والفاء فی الایوب والمزاجم۔ قوت حافظہ اور کثرت حدیث کی ان پر انتہا ہو گئی۔ انہوں نے ابواب و تراجم دونوں عنوانوں کے تحت تصنیف و تالیف کی اور حدیثیں جمع کیں۔

حافظ ابن الجوزی، المنتظم میں لکھتے ہیں کہ :-

”یہ خود اکابر حفاظ میں سے تھے۔ اور ان سے اکابر حفاظ ابو بکر بن الجعابی، عبد اللہ بن ہدی، طبرانی، ابن المظفر، دارقطنی، اور ابن شاہین نے حدیثیں روایت کی ہیں۔“

حافظ ابن عقدا نے ماہ ذی قعدہ ۳۱۲ھ میں وفات پائی۔ ان کا سال ولادت ۲۶۹ھ ہے۔ حافظ عبد اللہ محمود عینی شارح بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ :-

ان مسند ابی حنیفہ لابن عقدا یحتوی صرف ابن عقدا کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے وحده علی ما یزید علی الف حدیث۔ زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

لہ ملاحظہ ہو تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب از محدث محمد زاہد کوثری ص ۱۵۶ طبع مصر ۱۴۱۲ھ

(۳) حافظ ابوالقاسم | عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی المتوفی ۳۳۵ھ۔ یہ فن حدیث میں امام نسائی اور امام طحاوی کے شاگرد ہیں۔ مصر میں عہدہ قضاہ پر فائز رہے۔

امام ابو حنیفہ کے مناقب میں بھی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ یہ سند ابی حنیفہ بھی اس کتاب کا ایک جزو ہے اس کا قلمی نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے۔ اور مجلس احیاء المعارف النجانیہ حیدرآباد دکن نے وہاں سے اس کا عکس بھی حاصل کر لیا ہے۔ سنا ہے کہ مجلس مذکور کا ارادہ اس نادر تحفہ کو عام کر دینے کا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ جلد یا بدیر یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

(۴) حافظ اشنانی | قاضی ابوالحسن عمر بن الحسن بن علی المتوفی ۳۳۹ھ حافظ طلحہ بن محمد ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کان من جلالة اصحاب الحديث المجودين احدا

المحافظ وقد حدثت حديثا كثيرا وحمل الناس عنه قديما وحديثا۔ یعنی "یہ بڑے پایہ کے جلیل القدر محدثین اور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ انہوں نے نہایت کثرت سے حدیثیں بیان کیں۔ اور لوگوں نے قديما وحديثا ہر زمانے میں ان سے روایتیں کیں" اور حافظ ابوعلی نے جو دارقطنی اور حاکم کے شیخ تھے ان کو ثقہ کہا ہے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی جو سند لکھی ہے، محدث خوارزمی نے اس سے جامع الترمذ میں حدیث نقل کی ہے۔ المتوفی ۳۴۰ھ، ان کے متعلق زیادہ تفصیل آگے آئے گی۔

(۵) امام عبداللہ بن عدی | ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی المعروف بابن القطان صاحب کتاب الکامل فی الجرح والتعديل۔ ۳۶۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۶۵ھ

میں قضا کی فن جرح وتعديل میں ان کا بڑا شہرہ ہے۔ حدیث میں امام نسائی، اور ابویعلیٰ موصلی کے شاگرد ہیں۔ ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبی نے السہم المصیب فی کبد الخطیب میں لکھا ہے کہ حافظ ابن عدی نے اپنی کتاب مسند ابی حنیفہ کے دیباچہ میں امام عماد وح کے مناقب بھی لکھے ہیں۔

(۶) حافظ محمد بن لمظفر | ابوالحسن البغدادی، ۳۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۸۶ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا جبکہ ان کی عمر چودہ سال کی تھی۔ طلب حدیث میں

مصر و شام اور جزیرہ و عراق کو پے سپر کیا۔ امام محمد بن جریر طبری بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ دارقطنی، ابن شاہین، یرقانی، اور ابو نعیم اصفہانی وغیرہ بڑے بڑے اکابر محدثین نے ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ دارقطنی نے ان سے ہزاروں حدیثیں سنی ہیں۔ ودان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور کبھی ان کی موجودگی میں ہمارے سے نہیں بیٹھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے الحفاظ الامام الثقة همدان العراق۔ آگے چل کر تصریح کی ہے کہ :-

جمع والف وعن مطابق هذا الفن انہوں نے حدیثیں جمع کیں، کتابیں تالیف کیں اور اس فن کے ہتھوں سے تجاوز نہیں کیا۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی میں امام نسائی کا ترجمہ دیکھو۔ ۲۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور طبع دیوبند۔ ص ۵۱۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ :-
 ”انہوں نے جو مسند ابی حنیفہ لکھی ہے، وہ حافظ ابو بکر بن المقرئ کی مسند ابی حنیفہ کے برابر ہے، جس میں
 صرف امام ابو حنیفہ کی مرفوع حدیثیں درج ہیں۔ اور وہ امام حارثی کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔“
 حافظ ابن المظفر کا انتقال ۳۷۹ھ میں ہوا ہے۔

(۸) حافظ طلحہ | بن محمد بن جعفر الشاہد ابو القاسم، ۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۰ھ میں وفات
 پائی۔ مشہور محدث ہیں۔ علامہ خوارزمی لکھتے ہیں۔ کان مقدم العدل
 والثقات الاثبات، حافظ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام فی زیارة خیر الانام میں ان کی مسند سے
 ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ وفی مسند الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ تصنیف ابی القاسم
 طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد العدل حارثی الخ۔ محدث خوارزمی نے ان کی مسند کے متعلق
 لکھا ہے کہ وہ حروف مجمل پر مرتب ہے۔

(۹) حافظ ابن المقرئ | ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی الخازن مشہور بابن المقرئ الاصفہانی، بڑے
 مشہور مصنف اور اکابر حفاظ میں سے ہیں، فن حدیث میں امام
 طحاوی کے شاگرد ہیں، اور ان کی مشہور تصنیف شرح معانی الآثار کے ان سے راوی ہیں۔ حافظ ذہبی نے
 تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ابن المقرئ محدث اصیبہان الامام
 الرجال الحفاظ الثقة۔ ابو نعیم اصفہانی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں محدث کبیر صاحب
 مسانید سمع ما لا یحصى کثرة (بڑے محدث ہیں اور مسند حدیثوں کے عالم ہیں، اور اتنی کثرت سے
 حدیث کا سماع کیا ہے کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا)۔ خود ابن المقرئ کا بیان ہے کہ میں نے چار مرتبہ
 طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا ہے۔ ماہ شوال ۳۸۱ھ میں چھیا نوے سال کی عمر میں ان کا
 انتقال ہوا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ :-

وقد صدقت مسند ابی حنیفہ۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند تصنیف کی ہے،
 اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ ”ان کی تصنیف حارثی
 کی تصنیف سے چھوٹی ہے۔ اور صرف امام ابو حنیفہ کی مرفوع روایات پر مشتمل ہے۔“ حافظ سخاوی
 نے الاعلان بالتاریخ لمن ذم التاريخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا نے ابن
 المقرئ کی مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ حافظ قاسم نے اس
 مسند کی اسناد پر ابواب فقہیہ پر بھی مرتب کیا ہے۔

(۱۰) حافظ ابن شاہین | ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان البغدادی الواعظ المعروف بابن شاہین
 ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ بڑے
 صاحب تصانیف تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے تین سو تیس کتابیں لکھی ہیں جن میں تفسیر کبیر کے
 ۵۰ ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۵۵۔ طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۱۵ھ۔ الاعلان بالتاریخ ص ۱۱۰

ایک ہزار مسند کے تیرہ سو، تاریخ کے ڈیڑھ سو، اور زہد کے سو جزو ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے۔ ابن شاہین الحافظ المفید المکثر محدث العراق صاحب التصانیف، انہوں نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند لکھی ہے، اس کا ذکر محدث کوثری نے تانیب الخطیب میں کیا ہے۔ راقم الحروف نے مولانا ابوالوفا افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن سے اس سلسلہ میں مراجعت کی، تو مولانا مدوح نے اپنے مکتوب گرامی مؤرخہ دار رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ میں تحریر فرمایا کہ :-

”مسند امام کے متعلق میں نے حضرت مولانا کوثری صاحب سے دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ ایک نائی عالم نے ایک جزم میں خطیب کی ان کتابوں کو جمع کیا ہے، کہ جس وقت ان کا دمشق ورود ہوا تھا، تو ان کے ساتھ تھیں، منجملہ ان کے مسند امام للدارقطنی، ولابن شاہین، ولخطیب ہر سہ کتابیں تھیں، وہ جزم کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ اس کا نام ہے تسمیۃ ماوردیہ الخطیب دمشق للدارقطنی (فہرست جدیدہ ۳۹۹ قسم الفہارس) اس میں مذکور ہے کہ (۴۷۴) کتابیں ان کے ہمراہ تھیں، منجملہ ان کے (۶۴) خود ان کی تصانیف تھیں۔ یہ سب عمدہ کتابیں حدیث و تاریخ کی تھیں“ ۱۴۲۸ھ

(۱۱) حافظ دارقطنی | ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن ہمدانی البغدادی، مشہور محدث ہیں ان کی کتاب السنن طبع ہو گئی ہے۔ ۳۲۷ھ میں پیدا ہوئے اور ذی قعدہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ دارقطنی نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند لکھی ہے اس کے متعلق ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدث خطیب بغدادی کے پاس اس کا نسخہ موجود تھا۔

(۱۲) حافظ ابوالنعمان اصفہانی | احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق المہرانی الصوفی، بڑے مشہور محدث اور مصنف ہیں۔ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے صفر سنی ہی میں سارے دنیا کے مشائخ حدیث سے روایت حدیث کی اجازت مل چکی تھی۔ حافظ دہلی نے لکھا ہے کہ تھبאלہ من لقی الکباد مالہ یقیم لحافظ (بڑے بڑے لوگوں سے جس قدر ان کو

۱۴ ملاحظہ ہو تانیب ص ۱۵۶) بعد کو مولانا ابوالوفا افغانی بڑے نے ۲ ربیع الثانی ۳۸۵ھ کو جو مکتوب راقم کے نام ارسال فرمایا اس میں مولانا کوثری علیہ الرحمہ کے انتقال پر غلایا اظہار افسوس کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

”حقیقت میں مولانا کوثری کی وفات سے ہم سب غم ہو گئے۔ ایسی ہستیاں قرون میں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے، اور ان کی کتابیں دنیا میں غرق نہ ہو جاتیں تو اتنا لکھتے کہ مطالعہ کرنے والے عاجز ہوتے، اس بیمار ہی میں انہوں نے اتنا لکھا ہے۔

ہاں یاد آئے کہ اخیر تحریر ان کی جو کہ شیخ رضوان کے قلم سے، رشوال ۱۴۲۸ھ کو وصول ہوئی اس میں آپ کے ایک استفسار کا جواب مکرر ہے، اور دو مسائل و مسائل دیے گئے ہیں۔ اس میں یہاں بعینہ نقل کرتا ہوں، الخطیب حیث ثما انتقل من بعد ادا لی دمشق حمل معہ کتبنا، فہمیں لکھا (باقی برصط)

ملاقات میسر ہوئی، کسی حافظ حدیث کو نہ ہو سکی۔ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابو نعیم الحافظ الکبیر حدثنا العصر۔ ابو نعیم نے محرم ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابو نعیم کی مسند ابی حنیفہ کا عکس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ نے حاصل کر لیا ہے اور مجلس کا ارادہ اس کو طبع کر اکر شائع کرنے کا ہے۔ مولانا ابوالوفا افغانی مدظلہ اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ میں راقم کو لکھتے ہیں کہ:-

”ابو نعیم نے چھوٹی سی مسند امام صاحب کی لکھی مگر بہت عمدہ لکھی، بڑی تحقیق کی، متابعات ذکر کئے، تفرد کو بتایا۔ روایہ کے اولام کو بھی بتایا، مگر کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور وہ عمدہ نسخہ نہیں۔ ترک از سہونا سخ اور غلط کتابت اس میں بہت ہیں۔ کہیں کہیں بیاضات بھی ہیں۔“

ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی القدسی المعروف بابن القیسری
۴۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ماہ ربیع الاول ۵۰۷ھ

(۱۳) حافظ ابن القیسری

کو وفات پائی۔ بہت بڑے حافظ حدیث گذرے ہیں۔ طلب حدیث میں اتنے پھرے کہ درجہ یشاب سے خون آنے لگا۔ یہ برہنہ یا بغیر سواری کے سفر کرنے کا نتیجہ تھا۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا بڑا مبسوط ترجمہ لکھا ہے۔ جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے۔ محمد بن طاہر بن علی الحافظ العالم المکثر الجوال۔ حافظ ابن شیرویہ کے تبارک ہمدان میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:- کان ثقة حافظاً عالماً بالصحیح والسقیم حسن المعرفۃ بالرجال والمتون، کثیر التصانیف، یعنی یہ ثقہ تھے، حافظ حدیث تھے

(بقیہ حاشیہ) احد المالکیہ من اصحابہ، وھذا الفہرس محفوظ بظاہریۃ دمشق ومن جملة ما حمله الی دمشق مسند ابی حنیفہ للدارقطنی، ومسند ابی حنیفہ لابن شاہین، واما مسند ابی حنیفہ للخطیب فسبق قلم علی ان احادیث ابی حنیفہ عند الخطیب فی تاریخہ، والفقیہ والمتفقہ لا تنقل عن صغار المسانید واسم الفہرس مستعمل فی الفہرس الجدید للظاہریۃ (یعنی خطیب جب بغداد سے دمشق منتقل ہوئے۔ تو اپنے ساتھ بہت سی کتابیں لائے، جن کی ان کے تلامذہ میں سے ایک مالکی عالم نے فرست بنائی، یہ فرست دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں محفوظ ہے، خطیب جن کتابوں کو دمشق لے کر آئے، ان میں مسند ابی حنیفہ مؤلفہ دارقطنی اور مسند ابی حنیفہ مؤلفہ ابن شاہین بھی تھیں۔ لیکن خطیب کی مسند ابی حنیفہ کا ذکر سبقت قلم کا نتیجہ ہے (یعنی جلدی میں قلم ہے) نکل گیا جو صحیح نہیں ہے) تاہم خطیب کے یہاں ابی حنیفہ کی جو احادیث ان کی تاریخ اور الفقیہ والمتفقہ میں مذکور ہیں، وہ بھی چھوٹی مسندوں سے کم نہیں۔ اور اس فرست کا نام ظاہریہ کی جدید فرست میں درج ہے۔ اس کے قبل جو انہوں نے لکھ دیا تھا۔ اس میں خطیب کی مسند کے متعلق سبق قلم کا ذکر نہیں کیا تھا۔

صحیح و غیر صحیح کے عالم تھے، رجال و متون حدیث کی بڑی معرفت رکھتے تھے۔ کثیر التصانیف تھے انہوں نے اطراف احادیث ابی حنیفہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا ذکر انکی مشہور تصنیف الجمع بین رجال الصیغین کے آخر میں جو ان کا مفصل تذکرہ چھپا ہے، اس میں موجود ہے۔ ”اطراف“ پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان میں متن حدیث کے ابتدائی ٹکڑے کو مع سند کے بیان کرتے ہیں۔ اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ کی مختلف مسانید سے ان کی حدیثوں کے اطراف کو لے کر جمع کر دیا ہے۔

(۱۴) حافظ ابن خسر | ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسر و البخی نزل بغداد، المتوفی ۵۲۲ھ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں۔ فن حدیث میں حافظ ابن عساکر کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔

حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔ محدث مکثر۔ حافظ ابن النجار نے تاریخ بغداد پر جو ذیل لکھا ہے اس میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ ابو عبد اللہ السمسار الحنفی مفید اہل بغداد فی وقتہ سمع الکثیر۔ پھر ان کے شیوخ کی نام بنام تفصیل دے کر لکھتے ہیں۔ وبالغ فی الطلب حتی سمع من طبقة دون هؤلاء و کتب الکثیر من الکتب لنفسه ولغيره، وکان مفید اللخر بقاء وجمع مسند ابی حنیفہ (اور انہوں نے طلب حدیث میں بڑی کوشش کی۔ حتی کہ ان شیوخ مذکورین سے جو نیچے کا طبقہ تھا، اس نے بھی حدیثیں سنیں، اور بہت سی کتابیں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے لکھیں۔ باہر سے آنے والوں کو افادہ علی فرماتے۔ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند بھی تالیف کی، ثقاہت میں بھی ممتاز تھے ابن النجار کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں۔ فقیہ اہل العراق ببغداد فی وقتہ۔ ان کی مسند، امام حارثی اور حافظ ابن المقرئ کی مسند سے زیادہ ضخیم ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، تبجیل المنقہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

وفی کتابہ زیادات علی ما فی کتابی الحارثی وابن المقرئ۔ ان کی کتاب میں حارثی، اور ابن المقرئ دونوں کی کتابوں سے زیادہ روایتیں ہیں۔

حافظ شمس الدین ابوالحسن محمد بن علی حسینی المتوفی ۶۵۰ھ نے صحاح ستہ، موطا، مسند شافعی، مسند احمد اور مسند ابی حنیفہ کے رجال کے حالات میں ایک بڑی مبسوط کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے۔ التذکرہ برجال البشیر، اس سلسلہ میں حافظ حسینی نے امام ابو حنیفہ کی تمام مسانید میں جس مسند کا انتخاب کیا، وہ حافظ ابن خسر کی مسند ہے :-

۱۵ الجواهر المصنئیہ اور جامع المسانید میں ان کا تذکرہ دیکھو :-
۱۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن :-

(۱۵) مسند الدنیا

قاضی ابوبکر محمد بن عبد الباقی بن محمد الانصاری الجلبی البزار المعروف بقاضی المرستان۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں شیخ الاسلام

ابو القاسم انہیل اصفہانی کے تذکرہ میں ۵۳۵ھ کی وفیات کے ذیل میں ان کا ذکر ان ہی لفظوں میں کیا ہے۔ طبقات الختالہ میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔ یہ بڑے مشہور محدث تھے۔ تیرا نوے سال کی عمر تک ان کے حواس میں ذرا تغیر نہیں ہوا تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی لہو و لعب میں گزاری ہو۔ بہت سے علوم کے جامع تھے۔ ان کا سال ولادت ۲۲۲ھ ہے۔ اور چورانوے سال کی عمر میں رجب ۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ ابن خسر کے تذکرہ میں اس امر کے ماننے سے انکار کیا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند تالیف کی ہے۔ حالانکہ خود ان کے نامور شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی۔ قاضی صاحب موصوف سے ان کی مسند کو بسند ذیل روایت کرتے ہیں :-

عن التلمیذ عن المیدونی عن النجیب عن ابن الجوزی عن جامع المسند قاضی المرستان۔ اور حافظ عبد القادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں نصر بن سیار بن صاعد کے تذکرہ میں حافظ سمعانی سے نقل کیا ہے کہ :-

”میں نے نصر سے امام ابو حنیفہ کی کتاب الاحادیث کا سماع کیا جس کو عبد اللہ بن محمد انصاری نے جمع کیا ہے۔ نصر اس کتاب کی روایت اپنے دادا صاعد سے کرتے ہیں۔ اور صاعد خود قاضی صاحب موصوف سے ہے۔“

محدث خوارزمی نے بھی جامع المسانید میں اس کتاب کی متعدد سندیں اپنے سے لے کر قاضی مرستان تک ذکر کی ہیں :

ثقة الدین ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الشافعی نہایت مشہور مصنف اور نامور محدث ہیں۔ ۲۹۹ھ میں

(۱۶) حافظ ابن عساکر

پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے۔ ابن عساکر الامام حافظ الکبیر محدث الشام فخر الاثمۃ۔ صاحب التصانیف والکتب۔ تیرہ سو شیوخ سے علم حدیث کی تحصیل کی جن میں انسی سے زیادہ محدث خواتین بھی داخل ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کا تذکرہ نہایت

۱ ملاحظہ ہو مقدمہ فصب الراية از محدث کوثری :

۲ الجواہر المضیہ کی اصل عبارت یہ ہے :- سمعت منه الترمذی بروایتہ عن القاضی ابی عامر الجراح عن المحبونی عنہ، و کتاب الاحادیث التي رواها ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جمع عبد اللہ بن محمد الانصاری لجدہ القاضی صاعد بروایتہ عنہ :

بسط کے ساتھ کیا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے امام ابو حنیفہ کی جو مسند تالیف کی ہے، اس کا ذکر محدث کوثری اور ڈاکٹر کرد علی نے کیا ہے؟

(۱۶) محدث عیسیٰ الحنفی المصنفی

برآمد محدثین متاخرین میں سے ہیں۔ ۸۰۸ھ میں رحلت فرمائی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے

انسان العین فی مشارح البحرین میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، فرماتے ہیں:-

”یکے از علماء متقنین بود، و وفے استاد جمہور اہل حرین است، و یکے از

اوعیہ حدیث“

محدث عیسیٰ باوجودیکہ دور آخر کی پیداوار ہیں۔ اور ان کا زمانہ بہت ہی بعد کا ہے تاہم جس شان کی انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند تالیف کی۔ اور جن شروط کا اس میں اہتمام کیا۔ وہ خود شاہ صاحب موصوف ہی کی زبانی سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:-

مسندے برائے امام ابو حنیفہ ۱

تالیف کردہ در آنجا عنقہ متصلہ و کم

کردہ در حدیث، از آنجا بطلان

زعم کسانی کہ گویند سلسلہ حدیث

امروزہ متصل بخاندہ واضح ترے

گردد“ ۲

انہوں نے امام ابو حنیفہ کی ایک ایسی مسند

تالیف کی ہے، کہ جس میں اپنے سے لیکر

امام موصوف تک حدیث کے اتصال

سند کو بیان کیا ہے، اور یہاں سے

ان لوگوں کے دعویٰ کا باطل ہونا خوب

ظاہر ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث

کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے؟

یہ ان مشاہیر المحدثین کا ذکر تھا، کہ جن میں سے ہر ایک نے امام ابو حنیفہ کی احادیث کو مستقل تصانیف میں اپنی اسانید کے ساتھ جمع کیا۔ بعد کو قاضی القضاۃ محدث ابو المود محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۵۵۰ھ نے جامع مسانید الامام الاعظم میں امام ابو حنیفہ کی مسانید کے پندرہ نسخوں کو یکجا جمع کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ جامع مسانید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:-

”میں نے شام میں بعض جاہلوں کو یہ کہتے سنا، کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند

نہیں، اور وہ صرف معدود سے چند حدیثیں کے راوی ہیں، اس پر مجھ کو

حمیت مذہبی کا جوش ہوا، اور میں نے یہ چاہا، کہ امام محدوح کی ان پندرہ مسانید کو

۱ ملاحظہ ہو مقدمہ تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام الاشعری لابن عساکر، از محدث کوثری و مقدمہ، تارخ دمشق لابن عساکر از ڈاکٹر کرد علی؟

۲ انسان العین طبع دہلی ص ۶

۳ حافظ عبد القادر قسری نے الجواہر الخیر میں، اور مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی علی نے الفوائد اللبیبہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے؟

جنہیں نامور علماء محدثین نے مرتب کیا ہے، یکجا جمع کر دوں۔ یہ مسانید حسب ذیل ہیں :-

(۱) مسند امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔

(۲) مسند امام حافظ ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

(۳) مسند امام حافظ ابو الحسین محمد بن مظفر۔

(۴) مسند امام حافظ ابو نعیم اصفہانی۔

(۵) مسند امام ابو بکر محمد بن عبد الباقي انصاری۔

(۶) مسند حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی۔

(۷) مسند امام حسن بن زیاد لؤلؤی۔

(۸) مسند حافظ عمر بن الحسن اشنانی۔

(۹) مسند حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن خالد بن خلی الکلاعی۔

(۱۰) مسند امام حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو طنجی۔

(۱۱) مسند امام ابو یوسف قاضی جونخہ ابی یوسف سے موسوم ہے۔

(۱۲) مسند امام محمد بن الحسن الشیبانی۔ یہ بھی نسخہ محمد سے موسوم ہے۔

(۱۳) مسند امام حماد بن ابی حنیفہ۔

(۱۴) مسند امام محمد جو الآثار سے موسوم ہے۔

(۱۵) مسند امام حافظ ابو القاسم عبد اللہ بن ابی القوام السعیدی۔

محدث خوارزمی نے امام حماد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے حدیث کے جن مجموعوں کی امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے، ان کو بھی مسندی کے نام سے ذکر کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب کتاب الآثار کے نسخے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابو بکر کلاعی کی مسند بھی کوئی علیحدہ کتاب نہیں، بلکہ وہی کتاب الآثار کا نسخہ ہے، جس کو وہ اپنے جرحہ بن خالد وہبی المتوفی قبل ۱۹۰ھ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ خود محدث خوارزمی نے بھی جامع مسانید کے آخری باب میں جہاں ابو بکر کلاعی کا تذکرہ لکھا ہے۔ تصریح کر دی ہے کہ ”گو یہ مسند احمد بن محمد بن خالد بن خلی کی طرف منسوب ہے لیکن اس کے جامع محمد بن خالد وہبی ہیں، جو براہ راست اس کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ لہذا اس مسند کا انتساب ابو بکر کلاعی کی طرف محض روایت کے لحاظ سے ہے، جمع و تدوین

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارا مقالہ کتاب الآثار امام ابو حنیفہ جو کتاب الآثار بروایت امام محمد کے اردو ترجمہ کے ساتھ اس کے مقدمہ کے طور پر محمد سعید انڈسٹریز کراچی نے شائع کیا ہے۔

کے لحاظ سے نہیں "خوارزمی کی جامع مسانید کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی بستان الحدیث میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

مسند امام اعظم کہ بالفعل مشہور است
تالیف قاضی القضاۃ ابوالمؤید محمد بن
محمود بن محمد الخوارزمی است کہ در سنہ
شش صد و ہفتاد و چہار از راجع
ساختہ، مسانید امام اعظم کہ علماء سابق
پرداختہ بودند درین مسند جمع کردہ بزعم
خود ہیچ چیز را از مرویات امام اعظم
ترک نہ کردہ و قبل از دے ہر چند
سانید بسیار برائے مرویات امام
اعظم ساختہ بودند، چنانچہ خود در خطبہ
این مسند نام آنہا و مصنفین آنہا
سند خود بال مصنفین بیان نمودہ، اما
بیشتر راجع و مشہور دو مسند بود و
تا حال موجود و مستداول است، اول
مسند حافظ الحدیث عبداللہ بن
محمد بن یعقوب الحارثی، دوم مسند
حافظ الوقت حسین بن محمد بن خسرو
رحمۃ اللہ علیہ، چنانچہ اجازت این
ہر سہ مسند بر اقم الحروف نیز از
شوخ خود و سیدہ

کو بھی اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے

لیکن یہ صحیح نہیں کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کی جملہ مرویات کو اس مسند میں جمع کر دیا ہے،
کیونکہ امام مجددی کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار ہے، چنانچہ امام حسن بن زیاد لؤلؤی
فرماتے ہیں، کہ :-

كان ابو حنیفۃ یروی اربعۃ امام ابو حنیفہ چار ہزار حدیثیں روایت

۱۰ یہ صحیح نہیں، کیونکہ محدث خوارزمی کی وفات اس سے ۱۸۱ سال قبل ۳۵۵ھ میں ہو چکی
تھی

الکاف، حدیث الفین، لخصه و کیا کرتے تھے، دو ہزار حجاج سے اور دو ہزار

الفین لساثر المشیخة لہ

بقیہ شیوخ سے

اور خوارزمی کی جامع مسانید میں اس سے آدمی حدیثیں بھی موجود نہیں، بلکہ جیسا کہ مولانا ابوالوفا
افغانی نے کتاب الآثار امام ابو یوسف کے مقدمہ میں صراحت کی ہے۔

بل لیرید قوعہ جمیع آثار خوارزمی نے ان مسندوں کی سب حدیثوں کو

المسانید الشی قال انه جدمها بھی نہیں لیا۔ جن کے جمع کرنے کے متعلق

کما قد تدرت وقابلتہ علی کتاب انہوں نے کہا تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب

الآثار للإمام محمد اور سند عارفی کا نتیجہ کر

العارفی کے اور ان سے مقابلہ کر کے پتہ چلایا ہے

اور اپنے مکتوب گرامی میں جو راقم کے نام ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ کو لکھا ہے، فرماتے ہیں:

”امام حسن (بن زیاد) کی کتاب الآثار کی تو ابن خسرو نے اپنی مسند میں پگھلا

محفوظ کر لیا ہے۔ اور جامع المسانید نے بھی، جیسے محمد بن خالد و ہی کی کتاب

الآثار کو کٹا دی ہے محفوظ کر لیا ہے اپنی تخریج سے، اور جامع المسانید میں خوارزمی

نے آٹھ دس مسندوں کی حفاظت تو کی۔ مگر افسوس کہ کتاب الآثار للامام ابی

یوسف اور مسند ابی نعیم اصفہانی، اور مسند ابن عدی اور مسند حافظ ابن ابی

العوام کی حفاظت نہیں کی۔ نہ معلوم اس کے کیا اسباب تھے، سندیں تو

سب کی ابتداء میں ذکر کیں، مگر کتاب میں آثار امام ابی یوسف کا تو کہیں بھی

حوالہ نہیں، باقی مسانید کا کہیں کہیں برائے نام حوالہ ہے، اکثر جگہ متروک، اس لئے

جامع ناقص کتاب ہے، باب المشائخ تو بالکل ناقص ہے، اور اس میں غلطیاں

بھی ہیں۔ اگر مسند ابی نعیم کو بالاستیعاب ذکر کرتے، تو آج ہمیں بڑی سہولت

اس کی تصحیح میں ہوتی۔“

تاہم خوارزمی کی جامع المسانید میں چونکہ امام ابو حنیفہ کی متعدد مسانید کی بیشتر روایتیں موجود ہیں

اس لئے متاخرین میں اس کتاب کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا

حنفی المتوفی ۸۴۹ھ نے اس پر ایک نہایت ضخیم شرح دو جلدوں میں لکھی۔ علامہ سید مرتضیٰ

زبیدی نے عقود الجواهر المنیۃ میں حافظ قاسم کی اس شرح سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے، حافظ

جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام ہے

التعلیقۃ المنیۃ علی مسند ابی حنیفہ متعدد محدثین نے جامع المسانید کا اختصار بھی کیا ہے، چنانچہ

لہ مناقب الامام الاعظم از صدر الامامہ موفق بن احمد مکی، ج ۱- ص ۹۶۔ طبع دائرۃ المعارف

حیدرآباد، دکن

امام شرف الدین اسماعیل بن علی بن دولہ الاوغانی المکی المتوفی ۸۹۲ھ کے اختصار کا نام ہے۔ اختیار اعتماد المسانید فی اختصار اسماء بعض رجال الاسانید۔ اس کتاب کی ابتداء میں امام ابو حنیفہ کے مناقب بھی بیان کئے ہیں۔ امام ابو البقار احمد بن ابی الضیاء محمد القشیری المکی نے اس کا جو مختصر لکھا ہے، اس کا نام المستند فی مختصر المسند ہے اس میں مکررات کو اور ان اسانید کو حذف کر دیا ہے کہ جو مصنف کتاب سے لیکر امام ابو حنیفہ تک مذکور تھیں تیسرے مختصر شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم حنفی نے لکھا ہے۔ کشف الظنون میں اس کے ایک اور اختصار کا بھی ذکر ہے، لیکن اس کے مؤلف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ جامع المسانید میں صحاح ستہ سے جو روایتیں زائد تھیں، ان کو علامہ حافظ الدین محمد بن محمد کردری المعروف بالبزازی المتوفی ۸۲۷ھ نے زوائد مسند ابی حنیفہ کے نام سے الگ جمع کیا۔ صاحب کشف الظنون نے محدث ابو حفص زین الدین عمر بن احمد الشامع الحلبی الشافعی المتوفی ۹۳۶ھ کی ایک تصنیف، لفظ المرجان من مسند ابی حنیفہ النعمان کا بھی ذکر کیا ہے جو غالباً مسند خوارزمی ہی کا التقاط و ملخص ہے، بعد کے دور میں علامہ محدث سید مرتضیٰ زبیدی حنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ نے جامع مسانید سے امام عظیم کی ان احادیث احکام کا انتخاب کیا۔ کہ جن کی روایت میں مصنفین صحاح ستہ بھی امام صاحب کے شریک ہیں، یہ بڑے کام کی کتاب ہے۔ جو باریک ٹائپ کی دو جلدوں میں مہر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں مؤلف نے ہر باب میں پہلے امام عظیم کی روایت جس منہ میں وہ مروی ہے۔ اس کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ پھر صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں جن الفاظ کے ساتھ وہ روایت آئی ہے، ان کو نقل کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ہے۔ عقود الجواهر المنیفة فی ادلة مذہب الامام ابی حنیفہ فیما وافق فیہ الائمة الستہ وبعضہم۔ اس کی ترتیب ابواب فقہ پر ہے، پہلے اعتقادات کا بیان ہے اور پھر عملیات کا۔

خوارزمی کی جامع المسانید عرصہ ہو کہ مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ کے تقریباً پانچ سو شاگردوں کی وہ روایات درج ہیں جو انہوں نے براہ راست امام ممدوح سے سنی ہیں۔

افسوس ہے کہ جامع مسانید کے علاوہ امام ابو حنیفہ کی اور مسندیں جو اکابر محدثین نے مستقل طور پر مرتب کی تھیں اور جن کا ذکر سابق میں گزر چکا ہے۔ ان میں سے اب تک کوئی کتاب طبع نہ ہو سکی۔ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن میں ان مسانید میں سے حسب ذیل چار مسندوں کے عکس موجود ہیں :-

(۱) مسند ابن ابی العوام، (۲) مسند حارثی، (۳) مسند ابی نعیم اصفہانی (۴) مسند ابن خشر

۱۰ ملاحظہ ہو جامع المسانید کا باب چہم

مجلس مذکور کا ارادہ ان تمام مسانید کو طبع کرنا شروع کرنے کا ہے، دعا ہے کہ حق تعالیٰ شاہ
اس کام کو جلد سرانجام فرمائے۔

اس وقت جس کتاب کا ترجمہ مسند امام عظیم کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ درحقیقت
امام عبداللہ حارثی کی تالیف ہے۔ جس کا اختصار علامہ حصکفی نے کیا ہے، اور ملا عابد سندھ نے
اس کی ابواب فقہیہ پر ترتیب کی ہے۔

امام حارثی | میں ان کو "اصحاب الوجہ" میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں
فقہاء حنفیہ کا مرجع تھے۔ "اصحاب الوجہ" کا ترجمہ "جہتہ فی المذہب" اور "جہتہ مطلق" منتسب کے

درمیان ہے۔ فقہ کی تحصیل آپ نے امام ابو حفص صغیر سے کی تھی۔ اور انہوں نے اپنے والد ماجد
امام ابو حفص کبیر سے جو امام محمدؒ کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ طلب حدیث میں امام حارثی نے

خراسان، عراق اور حجاز کو پے سپر کیا تھا، اور بہت سے شیوخ وقت سے اس فن کی تحصیل کی
تھی۔ حافظ سمعانی، کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ رحل الی خراسان والعراق والحجاز

وادرك الشيوخ، علم حدیث میں ان کی وسعت نظر اور معرفت فن کا بڑے بڑے محدثین نے
اعتراف کیا ہے۔ حافظ خلیلی فرماتے ہیں۔ یعرف بالاستاذ له معرفة بهذا الشأن،

(استاذ مشہور ہیں، اور اس فن کی انہیں معرفت حاصل ہے)۔ اور حافظ سمعانی لکھتے ہیں۔ کان
شیخا مکثرا من الحدیث (بڑے کثیر الحدیث شیخ تھے)، فن رجال کے مشہور امام حافظ

شبس الدین ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن اصغیر کے ترجمہ میں بعض من و فیات ۳۲۰ ان کا
ذکر ان شاندار الفاظ میں کیا ہے :-

وفیہا مات عالم ما وراء النہر وحدثہ	اور اسی سال میں ما وراء النہر کے عالم اور محدث
الامام العلامة ابو محمد عبد اللہ	امام علامہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن
بن محمد بن یعقوب بن الحارث	یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری
الحارثی البخاری الملقب بالاستاذ	نے کہ جو "الاستاذ" کے لقب سے
جمع مسند ابی حذیفہ	ملقب ہیں۔ اور جنہوں نے امام ابو حذیفہ
الامام وله اثنان وثمانون	کی مسند کو جمع کیا ہے، بیاسی سال کی
سنة	عمر میں وفات پائی

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ میں ان کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔ بڑے بڑے حفاظ
حدیث، جیسے حافظ ابن مندہ، حافظ ابن عقیقہ، اور حافظ ابوبکر حبان بن حدیث میں ان کے
شاگرد تھے۔

حافظ حارثی کی مسند کی شان کی ہے، اس کے متعلق محدث خوارزمی، جامع مسانید میں رقمطراز ہیں :-

ومن طالع مسنده الذی
جمعه للإمام ابی حنیفة
علم تبعہ فی علم الحدیث
واحاطتہ بمعرفة الطق
والمستون :-
اور جو شخص بھی ان کی اس مسند کا مطالعہ
کرے گا، کہ جس میں انہوں نے امام ابو حنیفہ
کی روایات کو جمع کیا ہے، وہ علم حدیث
میں ان کے تبحر اور طرق اسانید و متون
پر ان کی نظر کی ہمہ گیری کا قائل
ہو جائے گا :-

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ :-

وقد اعتنى الحافظ ابو محمد
الحارثی وكان بهذا الشلافة
بحدیث ابی حنیفة وجمعه
فی جملة ورتبه علی شیوخ
ابی حنیفة :-
حافظ ابو محمد حارثی نے جو ۳۰۰ کے ہر تھے
امام ابو حنیفہ کی احادیث سے اعتنا کیا
اور ان کو ایک جلد میں جمع کر دیا۔ انہوں
نے ان حدیثوں کی ترتیب امام ابو حنیفہ
کے شیوخ پر رکھی ہے (یعنی امام صاحب
کے ہر شیخ کی جملہ حدیثیں یکجا کر دی ہیں) :-

امام حارثی کی مسند کا اختصار حسب ذیل حضرات نے کیا ہے، اس اختصار میں امام ابو حنیفہ
سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو حدیث کی اسناد تھی، اس کو تو بعینہ ذکر کیا گیا ہے، لیکن
حارثی سے لے کر امام صاحب تک جو اسانید تھیں، ان کو حذف کر دیا ہے :-

(۱) امام علامہ قاضی صدر الدین موسیٰ بن زکریا الحصفی، ان کی ولادت ۵۸۰ھ یا ۵۸۱ھ میں
ہوئی ہے۔ اور سنہ وفات ۶۴۰ھ ہے، مشہور محدث تھے۔ قاہرہ اور حلب میں حدیث کا
درس دیا۔ حافظ دمیاطی کو فن حدیث میں ان سے تلمذ ہے۔ دمیاطی نے اپنی معجم میں ان کا تذکرہ
بھی لکھا ہے۔ حافظ عبد القادر شیشی بھی بیک واسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ ان کا اختصار مسند
ابی حنیفہ للحصفی کے نام سے مشہور ہے۔ محدث ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے اسی کی شرح
لکھی ہے، جس کا نام ہے "مسند الامام مولانا ابو الوفا افغانی بدقیوضہ"
اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۲۲ رذی قعدہ ۱۳۵۰ھ میں راقم کو لکھتے ہیں، کہ :-

"مسند امام الحصفی، مسند حارثی ہی کا خلاصہ ہے، لیکن چونکہ انہوں نے التزام
کیا ہے، کہ امام حماد نے جس حدیث کو امام صاحب سے روایت کیا ہے اس
روایت کو ضرور اپنی مسند میں لائیں گے۔ اس لئے ایسی حدیثیں جن کی روایت
حارثی نے نہیں کی ہو، ان کو ابن خضر سے لے لیا ہے اور وہ معدودے چند ہیں۔"

(۲) امام علامہ صدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عباد الخلالی الحنفی المتوفی ۶۵۲ھ، بڑے محدث تھے۔ صحیح مسلم کی شرح لکھی۔ حدیث میں جمال الدین حصیری کے شاگرد ہیں، انہوں نے امام ابو حنیفہ کی مسند کا جو اختصار کیا ہے۔ اس کا نام مقصد المسند ہے، صاحب کشف الظنون نے اس کو جامع المسانید کا اختصار بتایا ہے، جو بظاہر صحیح نہیں، ان کی وفات کے وقت خواندگی بقید حیات موجود تھے، اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ جامع مسانید کا نہیں بلکہ مسند حارثی کا اختصار ہے۔

(۳) قاضی القضاۃ محمد بن احمد بن مسعود القنوی الرشتی المعروف بابن السراج المتوفی ۷۷۷ھ بڑے مشہور مصنف ہیں۔ بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ الفوائد البہیہ میں ان کا نام محمود بن احمد لکھا ہے۔ ان کا مختصر تیلدیس^(۳۲) ابواب پر مشتمل ہے، اور فقہی ترتیب پر اس کا نام المستند فی احادیث المسند ہے، بعد کو خود انہوں نے اس کی شرح بھی لکھی۔ جس کا نام المستند فی شرح المستند ہے۔

(۴) راقم الحروف کے پاس بھی مسند امام ابو حنیفہؒ کا ایک قلمی نسخہ ہے، جس کو احمد بن ابراہیم نامی ایک عالم نے ۱۲۳۷ھ میں جمع کیا ہے۔ اس نسخہ کو قاری محمد صدیق افغانی نے مصر کے کتب خانہ خدیوہ سے نقل کیا ہے۔ مولانا ابوالوفا افغانی کو راقم الحروف نے جب یہ نسخہ دکھلایا۔ تو مولانا نے فرمایا۔ کہ یہ مسند ابن خسرہ اور مسند حارثی کا اختصار ہے، پہلے اس میں ابن خسرہ سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور بعد کو حارثی سے، یہ نسخہ ایک سو بانو سے صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کاپی پرنسپل سے لکھا ہوا ہے۔

حافظ قاسم قطلوبغا نے امام حارثی کی اصل مسند کو ابواب پر مرتب کر دیا تھا۔ بعد کے دور میں خاتمہ الحفاظ ملا محمد عابد سندھی المتوفی ۱۲۵۷ھ نے مسند حصکفی کو بھی جو مسند حارثی کی تخصیص ہے، اور اسی کے تتبع میں معجم شیوخ پر مرتب ہے۔ ابواب فقہیہ پر مرتب کیا یہی کتاب آج کل مسند امام عظیم کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ عرصہ ہوا۔ کہ مولانا حبیب الرحمن بن مولانا احمد علی سہارنپوری محدث نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اور جا بجا اس میں مختصر تشریحی اضافے بھی تھے۔ یہ ترجمہ ۱۳۰۸ھ میں چھپا ہے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ پھر دوبارہ یہ کتاب مع اردو ترجمہ اور مفصل شرح کے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو رہی ہے، جو ہمارے اردو دان طبقہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ شرح اور ترجمہ ہمارے مخدوم زادے مولانا سعد حسن خاں بن استاذ مرحوم مولانا حمید حسن خاں محدث ٹونکی، ہتھم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم کا مرہون منت ہے، جو ایک مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ترجمہ کی خوبی

راقم الحروف نے علم حدیث کی تحصیل مولانا ہی کی خدمت میں دو سال کے قریب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رہ کر کی ہے۔ رحمہ اللہ نقل و درستی عنہ رضی اللہ عنہ

اور شرح کی افادیت کے لئے مترجم کا نام کافی ضمانت ہے۔ اصل عربی متن پر خود مرتب نے ایک نہایت جامع اور ضخیم شرح تصنیف کی ہے جس کا نام ہے المواہب اللطیفۃ فی الحرم المکی علی مسند ابی حنیفہ للامام الحنفی، علامہ محمد عابد سندھی، یہ شرح دو بڑی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے کتب خانہ بیروت و جھنڈو ضلع حیدر آباد سندھ، اور کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں راقم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں۔ بلابالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح بخاری کے بعد شرح حدیث میں اس شان کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ متابعات و شواہد، تخریج احادیث، ایضاح مشکل، رفع مرسل، وصل منقطع، بیان خلاقیات، نثر ضمیمہ ہر موضوع پر اتنا ذخیرہ اس میں موجود ہے کہ بایں و شاید، ان کے بعد مولانا محمد حسن سنہلی محدث المتوفی ۱۳۰۵ھ نے اس پر ایک نہایت جامع اور مبسوط شرح تصنیف کی جو ۱۲۰۰ھ میں اصح المطابع لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ محدث سنہلی کی شرح اپنی جامعیت و افادیت کے لحاظ سے اپنے مشہور معاصر فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی فرنگی محل کی شرح موطا امام محمد سے جس کا نام التعلیق المجد علی موطا الامام محمد ہے، بدرجہا برتری ہوئی ہے۔

مسند امام عظیم میں مسند ابی حنیفہ کا علمی مقام | محدث محمد بن جعفر کتانی مالکی الرسالة المستطرفہ لبيان مشهور كتب السنة المشرفة میں جو کتب حدیث کے حالات میں ان کی ایک بے مثل تصنیف ہے۔ صحاح ستہ، مسند ابی حنیفہ، موطا مالک، مسند شافعی اور مسند احمد کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہیں :-

فهذه كتب الائمة الاربعة
وباضافتها الى الستة الاولى
تکمل الكتب العشرة التي هي
اصول الاسلام وعليها مصاد
الدين (ص ۱۶ - طبع بیروت ۱۳۲۱ھ)

یہ ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں، اور ان کو پہلے
کی چھ کتابوں کے ساتھ ملائے سے وہ
دس کتابیں پوری ہو جاتی ہیں کہ جو اسلام
کی بنیادی کتابیں ہیں، اور جن پر دین کا
دار و مدار ہے۔

اور حافظ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی، الذکرہ رجال العشرہ کے مقدمہ میں (جو ان دسوں کتابوں کے رجال کے حالات میں ایک مبسوط کتاب ہے اور جس سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تعجیل النفعہ بزوائد رجال الائمة الاربعہ مرتب کی ہے جو ائمہ اربعہ کی مذکورہ تصانیف کے رجال کے حالات ہیں ان کی مشہور تصنیف ہے) فرماتے ہیں :-

مسند الشافعی موضوع لادلتہ
علی ما صح عنده من مرویاتہ
و كذلك مسند ابی حنیفہ

مسند امام شافعی ان ادلہ پر مشتمل ہے کہ جو
امام محدث کی مرویات ہیں ان کے نزدیک
صحیح ہیں۔ اور یہی حال مسند امام ابو حنیفہ کا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی قسۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں مسند ابی حنیفہ کو حنفیوں کی اہمات کتب میں شمار کیا ہے۔ اور تصریح کی ہے کہ:-

مسند ابی حنیفہ و آثار امام محمد فقہ حنفی کی بنا مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔

حافظ عینی کی تصریح ابھی آپ کی نظر سے گزری، جس میں انہوں نے اس امر کا صاف اعتراف کیا کہ مسند امام شافعی کی طرح امام ابو حنیفہ کی مسند بھی امام محمد روح کے ان ادلہ پر مشتمل ہے جو امام کی مرویات میں ان کے نزدیک صحیح تھے۔ یہ حینی حنفی نہیں۔ شافعی ہیں، اور ان کا شمار معمولی محدثین میں نہیں بلکہ حفاظ وقت و ناقرین فن میں ہے۔ اب ایک دوسرے عارف وقت علامہ دہر شافعی المذہب امام کی رائے مسند امام ابو حنیفہ کی نسبت ملاحظہ فرمائیے، جن کا نام نامی عبدالوہاب شعرانی ہے۔ وہ اپنی مشہور کتاب المیزان الکبیر میں فرماتے ہیں:-

وقد من الله تعالى على بمطالعة مسانيد الامام ابى حنيفة والاشلاثة من نسخة صحيحة عليها خطوط الحفاظ اخرهم الحفاظ الدامياطي، فرأيتة لا يروى حديثا الا عن خيار التابعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون بشهادة رسول الله صلى الله عليه وسلم كالا سود وعلقمة وعطاء وهباهد ومكحول والحسن البصري واضرابهم رضي الله عنهم اجمعين فكل الرواة الذين هم بيته وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم عدول

مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کی تین مسندوں کا ان کے صحیح نسخوں سے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی، ان نسخوں پر حفاظ حدیث کے قلم کی تحریریں تھیں، جن میں آخری شخص حافظ دمیاطی ہیں۔ مطالعہ پر میں نے دیکھا، کہ امام محمد روح صرف ان تابعین کرام سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، کہ جو اپنے وقت کے برگزیدہ ترین، عادل اور ثقہ حضرات تھے، اور جو حدیث نبوی کی تصریح کے مطابق خیر القرون کے لوگ تھے، جیسے کہ اسود، علقمہ، عطاء، ہبہاد، مکحول اور حسن بصری جیسے حضرات ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ سو تمام وہ روایات جو امام ابو حنیفہ اور ان حضرات صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں، سب کے سب عادل

لہ ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۸۵۔ مطبوعہ جمعیۃ تبائی دہلی۔ لہ ایضاً ص ۱۷۱۔ لہ ان کی جلالت شان معلوم کرنی ہو، تو حافظ ابن خلد، اور حافظ سیوطی نے طبقات الحفاظ ذہبی پر جو ذیل لکھے ہیں، ان میں ان کا تذکرہ دیکھو۔ یذیل، دمشق سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

ثقات اعلام اخبار لیس فہم
 کذاب ولا متہم بکذب و
 ناهیک یا اخی بعد الہ من
 ارتضاہم الامام ابو حنیفہ
 رضی اللہ عنہ لان یاخذ
 عنہم احکام دینہ مع
 شدۃ تورعہ و تحرزہ و
 شفقتہ علی الامۃ
 المحمدیہ + رج ۱ ص ۶۲
 طبع مصر - سکتۃ السنۃ

اس کے بعد آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ :-

کل حدیث وجدناہ فی مسانید
 الامام الثلاثۃ فہو صحیح رج ۱ ص ۱۵۱

یہ بھی واضح رہے کہ اس بحث سے پہلے امام شجرانی یہ تصریح کر چکے ہیں، کہ :-

انی لما جب عن الامام ابی
 حنیفہ وغیرہ بالصدور
 احسان الظن کما یفعل
 ذلک غیری وانما اجیب
 عنہ بعد التتبع والفحص
 (ج ۱ - ص ۶۳) *

ثقة، نیک نام اور برگزیدہ ہیں، ان میں
 کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو کذاب ہو، یا
 اس پر کذب کی تہمت لگائی گئی ہو، اور
 میرے بھائی ان کی عدالت کے لئے تمہیں
 یہ کافی ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ
 نے باوجود شدت ورع و احتیاط اور
 امت محمدیہ کا خاص خیال رکھنے کے
 ان حضرات کو اس غرض کے لئے منتخب
 فرمایا ہے، کہ ان سے اپنے دینی احکام کو
 حاصل کریں

امام عظیمؒ کی تینوں مسندوں میں ہم نے
 جو بھی حدیث پائی، وہ صحیح ہے

یہ بھی واضح رہے کہ اس بحث سے پہلے امام شجرانی یہ تصریح کر چکے ہیں، کہ :-

”میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے متعلق محض
 وسعت صدر اور حسن ظن کی بنا پر
 کوئی جواب دہی نہیں کروں گا، جیسا کہ
 میرے علاوہ دوسرے لوگ کرتے ہیں، بلکہ
 جو کچھ جواب دوں گا، وہ تتبع اور تلاش
 کے بعد دوں گا“

امام شجرانی کے اس بیان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسانید امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں
 انہوں نے جس رائے کا اظہار کیا ہے، وہ پوری تحقیق اور جانچ پرستال کے بعد کیا ہے۔ واللہ اعلم *

مقدمہ
کتاب الآثار

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ کتاب الآثار

از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

کسی کتاب کی اہمیت اور عظمتِ شان کا اندازہ لگانے کے لئے حسب ذیل امور پر نظر ڈالنا ضروری ہے :

- (۱) مصنف کا فضل و کمال۔
- (۲) صحت کا التزام۔
- (۳) حسن ترتیب اور موضوع سے متعلق تمام اہم مباحث کا استیعاب۔
- (۴) قبولیتِ عام اور شہرت۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ان تمام اوصاف کے لحاظ سے ”کتاب الآثار“ فقہ یعنی علم سنن و احکام کی جملہ تصانیف سے فائق ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے

مصنف کا فضل و کمال | اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ کتاب الآثار کے سوا آج ہمارے پاس سنن کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں کہ جس کے مصنف کو تابعیت کا شرف حاصل ہو اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ اس عہد کے تمام نامور ائمہ میں ممتاز ہیں چنانچہ علامہ ابن حجرؒ کی شارح مشکوٰۃ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے فتاویٰ سے ناقل ہیں :

انه ادرك جماعة من الصحابة امام ابو حنیفہؒ نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا جو کوفہ کا نواب الکوفہ بعد مولدہ بہا سنے میں تھے جبکہ سب سے پہلے وہاں پیدا ہوئے، ثمانین فہوم من طبقة التابعین لہذا وہ تابعین کے طبقہ میں ہیں۔۔۔۔۔

ولم يثبت ذلك لاحد من ائمة الامصار المعاصرين له كالأوزاعي بالشام والحادي بالبصرة والثوري بالكوفة ومالك بالمدينة المشرفة والليث بن سعد بمصر

اور یہ بات ان کے معاصر ائمہ امصار میں کسی کی نسبت جیسے کہ اوزاعی کی نسبت جو شام میں تھے اور حماد بن سلمہ اور حماد بن زید کی نسبت جو بصرہ میں تھے اور سفیان ثوری کی نسبت جو کوفہ میں تھے اور مالک کی نسبت جو مدینہ شریف میں تھے اور لیث بن سعد کی نسبت جو مصر میں تھے، ثابت نہیں ہوئی۔

(الخيرات الحسان فصل سادس - از علاء ابن حجر مکی)

امام مہدوح کی جلالتِ قدر کے لئے اس سے زیادہ کیا درکار ہے کہ وہ امت میں امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے اجتہادی مسائل پر اسلامی دنیا کی دو تہائی آبادی بارہ سو برس برابر عمل کرتی چلی آرہی ہے، تمام اکابر ائمہ آپ کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ ابن مبارک کا بیان ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے اور جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو امام موصوف نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں (اور میں ان کو پہچان چکا تھا) فرمانے لگے:

هذا ابو حنيفة النعمان لو قال هذه الاسطوانة من ذهب لخرجت كما قال لقد وفق له الفقه حتى ما عليه فيه كثير مؤنة

یہ ابو حنیفہ نعمان ہیں جو اگر یہ کہہ دیں کہ یہ سنتوں سونے کا ہے تو ویسا ہی نکل آئے۔ ان کو فقہ میں ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اس فن میں انہیں ذرا مشقت نہیں ہوتی

امام شافعی فرماتے ہیں الناس عيال على ابي حنيفة في الفقه (لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے محتاج ہیں) ابو بکر مروزی کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے سنا لم يصح عندنا ان ابا حنيفة قال القرآن مخلوق۔

ہمارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں کہ ابو حنیفہ نے قرآن کو مخلوق کہا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ اے ابو عبد اللہ (یہ امام احمد کی کینیت ہے) ان کا تو علم

۱۔ مناقب ابی حنیفہ از محدث صمیری۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہے

۲۔ مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص ۱۹ طبع مصر

میں بڑا مقام ہے فرمانے لگے

سبحان الله هو من العلم والورع سبحان الله وہ تو علم، ورع، زہد اور عالم آخرت
وايثار الدار الآخرة بمحل لا يدركه کو اختیار کرنے میں اس مقام پر فائز ہیں کہ جہاں
احد کسی کی رسائی نہیں

امام سفیان بن عیینہ شہادت دیتے کہ ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃؒ
(میری آنکھوں نے ابو حنیفہؒ کی مثل نہیں دیکھا) وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ العلماء ابن عباس
فی زمانہ والشعبی فی زمانہ و ابو حنیفۃ فی زمانہ (علماء تو یہ تھے ابن عباس
رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ میں، شعبیؒ اپنے زمانہ میں اور ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں) عبدالرحمن بن
ہدی جو فن رجال کے مشہور امام ہیں فرماتے ہیں :

كنت نقلاً للحديث فرأيتُ سفیان میں حدیث کا بڑا ناقل تھا سو میں نے دیکھا کہ سفیان ثوری
الثوری امیر المؤمنین فی العلماء وسفیانؒ تو علماء میں امیر المؤمنین ہیں اور سفیان بن عیینہ
بن عیینہ امیر العلماء وشعبۃ عیار الحدیث امیر العلماء اور شعبہ حدیث کی کسوٹی ہیں اور عبد اللہ
وعبد اللہ بن المبارک صراف الحدیث و بن مبارک اس کے صراف اور یحییٰ بن سعید قاضی العلماء
یحییٰ بن سعید قاضی العلماء و ابو حنیفۃؒ ہیں اور ابو حنیفہ قاضی قضاۃ العلماء اور جو شخص تمہیں
قاضی قضاۃ العلماء ومن قال للکسوی اس کے سوا کچھ اور بتائے تو اس کی بات کو نبی سلیم کے
هذا فارمه فی کناسۃ بنی سلیمؐ گھورے پر پھینک دو۔

شیخ الاسلام یزید بن ہارون کا قول ہے

کان ابو حنیفۃ تقیاً فقیہاً زہیداً امام ابو حنیفہ متقی، پاکیزہ صفات، زاہد

۱۔ مناقب ابی حنیفہؒ از ذہبی ص ۲۷ - ۲۸ ایضاً ص ۱۱ - ۱۲ مناقب صیری - ۳ مناقب الامام الاعظم
از صدر اللامہ مکی جلد ۲ ص ۲۵ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

علماً صدوق اللسان احفظ اهل عالم، زبان کے سچے اور اپنے اہل زمانہ میں
زمانہ سمعت کل من اد رکتہ من اہل سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ میں نے ان کے
زمانہ انہ ماروی افقہ منہ معاصرین میں سے جتنے لوگوں کو پایا سب کو یہی
کہتے سنا کہ ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا گیا

یہ بھی انہی کا بیان ہے کہ لم أر ا عقل ولا افضل ولا أروع من ابی حنیفہؒ
(میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ عاقل، ان سے افضل اور ان سے زیادہ پاکباز نہیں دیکھا)
امام الجرح والتعديل یحیی بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ
انہ والله لأعلم هذه الامۃ بما والله عن الله ورسوله
رسول سے جو کچھ وار دہوا ہے اس کے سب سے
بڑے عالم ہیں۔

سید الحفاظ یحیی بن معین سے ایک بار ان کے شاگرد احمد بن محمد البغدادی نے ابو حنیفہ
کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ فرمانے لگے عدل ثقة مائتہ بمن عدلہ
ابن المبارک و وکیعؒ (سراپا عدالت ہیں، ثقہ ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا
گمان ہے جس کی ابن مبارک اور وکیع نے توثیق کی ہے)۔
امام عبد اللہ بن مبارک کہا کرتے تھے لولا ان الله تدارکنی بابی حنیفہ وسفیاً
لکنْتُ بدعیاً (اگر اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ میرا تدارک نہ کیا ہوتا تو
میں بدعتی ہوتا)

شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن مقرئ، امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کرتے تو ان
۱۰ مناقب صیری۔ ۲ مناقب ذہبی ص ۲۶ - ۳ مقدمہ کتاب التعلیم از مسعود بن شیبہ ہندی
بحوالہ تاریخ امام طحاوی، اس کتاب کا قلمی نسخہ مجلس علی کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔
۴ مناقب الامام الاعظم از علامہ کردی ج ۱ ص ۹ طبع دارۃ المعارف۔
۵ مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص ۱۵

ان الفاظ میں کیا کرتے حدیث ابو حنیفہ شاہ مردان^۱۔ ائمہ اعلام کی ان شہادتوں سے جو صحیح ترین ماخذ سے منقول ہیں آپ ابو حنیفہ کی جلالت علمی کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امت محمدیہ میں ان کا مقام کیا ہے، امام اہل بلخ خلیف بن ایوب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ

صار العلم من الله تعالى الى محمد . الله تعالى من علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا
صلی اللہ علیہ وسلم ثم صار الى اصحابہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو۔ صحابہ کے بعد تابعین کو۔
ثم صار الى التابعین ثم صار الى ابی حنیفہ پھر تابعین سے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب
واصحابہ فمن شاء فليرض ومن شاء کو ملا۔ اس پر چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض۔
فليست خط^۲۔

صحت کا التزام | پہلے اس پر غور کیجئے کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کیا پایہ ہے
شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کان اعلم اهل عصره بالحديث^۳۔ وہ اپنے معاصرین
میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ شیخ الاسلام یزید بن ہارون المتوفی ۲۶۰ھ (جن کے
بارے میں علی بن المدینی کہا کرتے کہ میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا) اور سید الحفاظ
یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ (جن کے بارے میں ابن المدینی کا قول ہے کہ ان سے
بڑھ کر رجال کا عالم میری نظر سے نہیں گزرا) کی تصریحات اس سلسلہ میں ابھی آپ کی نظر سے
گزریں، پھر اس امر کو نظر میں رکھتے کہ امام ابو حنیفہ کی نظر انتخاب نے چالیس ہزار احادیث کے

۱ مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۲ ص ۳۲ : لے تاریخ بغداد از محدث خطیب بغدادی، ترجمہ
امام ابو حنیفہ لے اصول الفقہ از امام سرخسی جلد ۱ ص ۲۵ طبع مصر ۱۳۴۷ھ لے یہ چالیس ہزار
متون احادیث کی تعداد نہیں اسانید کی ہے اور اس تعداد میں صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاویٰ بھی
داخل ہیں کیونکہ سلف کی اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ امام ابو حنیفہ
کے زمانہ میں احادیث کے طرق و اسانید کی تعداد چالیس پچاس ہزار سے متجاوز نہ تھی بعد کو بخاری و مسلم کے عہد میں
یہی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی، کیونکہ جب ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا تو
اب محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس حدیث کی دس اسنادیں اور دس طریقے ہو گئے۔ چنانچہ اگر آپ
”کتاب الآثار“ اور ”موطا“ کی احادیث کی تخریج بقیہ کتب احادیث سے کرنے بیٹھیں تو ایک ایک روایت
کے دسیوں بیسیوں بلکہ سینکڑوں طریقے اور اسنادیں مل جائیں گی۔

مجموعہ سے چن کر اس کتاب کو مرتب کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد مکی، امام الائمہ بحر بن محمد زرنجری المتوفی ۷۵۲ھ کے حوالے سے جو بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں ناقل ہیں
وانتخب ابو حنیفہ رحمہ اللہ الآثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب
من اربعین الف حدیث ۱۰ چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے مسند ابی حنیفہ میں بسند متصل یحییٰ بن نصر بن حاجب کی زبانی نقل کیا ہے کہ

دخلت علی ابی حنیفہ فی بیت ملوء میں ابو حنیفہ کے یہاں ایسے مکان میں داخل
کتباً فقلت ما هذه قال هذه احادیث ہوا کہ جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا میں نے دریافت
كلها وما حدثت به الا اليسير کیا کہ یہ کیا کتابیں ہیں فرمایا یہ سب حدیثیں ہیں
الذی ینتفع به اور میں نے ان میں سے صرف تھوڑی سی حدیثیں
بیان کی ہیں جن سے استفادہ ہو۔

پھر یہ دیکھئے کہ بڑے بڑے محدثین نے امام ابو حنیفہ کی اس احتیاط کا کن لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابو محمد عبد اللہ حارثی بسند متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں، نقل کرتے ہیں کہ

اخبرنا القاسم بن عباد سمعت یوسف جیسی احتیاط امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے حدیث
الصفار یقول سمعت وکیعاً یقول لقد میں پائی گئی، کسی دوسرے نہیں پائی گئی۔
وجد الوریع عن ابی حنیفہ فی الحدیث
مالہ یوجد عن غیرہ ۱۰

اسی طرح علی بن جد جوہری سے جو حدیث کے بہت بڑے حافظ اور امام بخاری و ابوداؤد کے شیخ ہیں نقل کیا ہے کہ

قال القاسم بن عباد فی حدیثہ قال امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) جب حدیث بیان

۱۰ مناقب امام الاعظم جلد ۱ ص ۹۵ ۱۱ عقود الجواهر المنیقة جلد ۳ طبع مصر۔

۱۲ مناقب صدر الائمہ جلد ۱ ص ۱۹

علی بن الجعد ابو حنیفہ اذا جاء
بالحدیث جاء به مثل الدرہ۔
کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہیں۔

اور امام یحییٰ بن معین جن پر فنِ جرح و تعدیل کا دار و مدار ہے فرماتے ہیں
کان ابو حنیفہ ثقة لا یحدث بالحدیث ابو حنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو یاد ہوتی ہے
الا بما یحفظہ ولا یحدث بما لا یحفظ وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی
اس کو بیان نہیں کرتے

امام عبداللہ بن مبارک جن کی جلالتِ شان پر سارے محدثین کا اتفاق ہے، انہوں نے
امام ابو حنیفہ کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں کتاب الآثار کا ذکر اس طرح کیا ہے ۵
روی اشارہ فاجاب فیہا کطیرات الصقور من المینفۃ
انہوں نے آثار کو روایت کیا تو اس عترت سے رواں ہونے جیسے بلندی سے شکاری پرندے اڑتے ہیں۔
فلم یکن بالعراق لہ نظیر ولا بالمشرقین ولا بکوفۃ
سو نہ تو عراق میں ان کی نظیر تھی، نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفہ میں
اسی طرح امام اہل سمرقند ابو مقاتل سمرقندی اپنی ایک نظم میں جو انہوں نے امام ممدوح کی
منقبت میں لکھا ہے فرماتے ہیں ۵

روی الآثار عن نبیل ثقات غزار العلم مشیخۃ حصیفۃ
انہوں نے الآثار کو ان نبلاء ثقات سے روایت کیا ہے جو بڑے وسیعِ علم اور بکے مشائخ تھے۔
اب خود سوچ لیجئے کہ کتاب الآثار کی روایات صحت کے کس اعلیٰ معیار پر ہیں۔
حسن ترتیب و استیعابِ مباحث | تاریخ و رجال کی کتابوں میں علم حدیث کے متعلق صحابہ و
تابعین کے بہت سے نوشتوں اور صحیفوں کا ذکر ملتا ہے جو اس کثرت سے تھے کہ محدث ابو نعیم

۱۔ جامع مسانید الامام الاعظم از محدث خوارزمی ج ۳ ص ۳۸ طبع دائرۃ المعارف۔ ۲۔ تاریخ بغداد
تہذیب التہذیب از حافظ ابن حجر اور طبقات الحفاظ امام سیوطی میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو، سیوطی کی
طبقات الحفاظ کا قلمی نسخہ مدرس نظامیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔
۳۔ مناقب صدر الائمہ جلد ۲ ص ۱۹۰ ۴۔ مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ جلد ۲ ص ۱۹۱۔ ۵۔ ان صحیفوں
میں سے مشہور تابعی ہمام بن منبہ کا صحیفہ جو ۷۵۰ھ سے پہلے کی تالیف ہے اردو ترجمہ کے ساتھ گزشتہ
سال ہی حیدرآباد دکن سے شائع ہوا ہے۔

اصفہانی کی روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کا مکان ان سے بھرا ہوا تھا۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ کوفہ میں علم حدیث کا جس قدر تحریری سرمایہ تھا وہ سب امام مہرچ نے اپنے پاس جمع کر لیا تھا۔ تاہم نہیں کہا جاسکتا کہ دوسرے بلاد اسلامیہ میں اور کس قدر ذخیرہ موجود ہوگا لیکن اس کثرت کے باوجود ابھی تک حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے تھے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جس قدر حدیثیں ان کو یاد تھیں انہیں قلم بند کر لیا تھا۔ تمام امت میں امام ابو حنیفہ کو اس بار میں شرفِ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے علم شریعت کو باقاعدہ ابواب پر مرتب فرمایا اور اس خوبی و خوش اسلوبی سے مرتب فرمایا کہ آج تک سنن و احکام کی تمام کتابیں انہی کی فقہی ترتیب کے مطابق مدون و مرتب ہوتی چلی آرہی ہیں۔ سب سے پہلے امام مالکؒ نے موطا کی ترتیب میں امام ابو حنیفہؒ کا تتبع کیا اور بعد کو تمام ائمہ نے اسی طریقہ کو اختیار کر لیا۔ حسن قبول اسی کا نام ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

این سعادت بزورِ بازو نیست
تاناہ بخشد خدائے بخشنده
علامہ سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں

من مناقب ابی حنیفۃ التی الفہرہ بھا نہ
اول من دقن علم الشریعۃ و رتبہ
ابو ابی اثم تبعہ مالک بن انس فی
ترتیب الموطا ولم یسبق ابی حنیفۃ احد
تبیین الصغیرۃ فی مناقب ابی حنیفۃؒ
امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے
جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ ہیؒ
پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا
اور اس کی ابواب پر ترتیب کی۔ پھر امام مالک
بن انس نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی
کی اور اس امر میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو اولیت
حاصل نہیں ہے۔

امام ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی رحمہ اللہ نے جن کا شمار متقدمین فقہاء میں ہے اس سلسلے میں
اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ

فاذا کان اللہ تعالیٰ قد ضمن لنبیہ صلی اللہ
علیہ وسلم حفظ الشریعۃ وکان ابو حنیفۃؒ
جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی شریعت کے
متعلق حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ

اول من دونها فيبعد ان يكون پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو مدون فرمایا
 الله تعاقد ضمنها ثم يكون اول من تو اب یہ بعید ہے کہ اللہ تعاقد تو اس کی حفاظت
 دونها على خطأ کی ضمانت لیں اور پھر اس کا پہلا مدون ہی غلط
 تدوین کر دے۔

قبولیت عام اور شہرت قبول عام اور شہرت دوام کا یہ حال ہے کہ امت مرحومہ
 کا سوادِ اعظم جس کی تعداد کا اندازہ دو ثلث اہل اسلام کیا جاتا ہے فقہ میں جس مذہب کا پیرو
 ہے وہ مذہب حنفی ہے۔ اور اس مذہب کے مسائل فقہ کی بنا اسی کتاب الآثار کی احادیث
 و روایات پر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "قرة العینین فی تفضیل الشیخین" میں
 "کتاب الآثار" کو حنفیوں کی اہمات کتب میں شمار کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ
 "مسند ابی حنیفہ و آثار محمد بنائے فقہ حنفیہ است" (فقہ حنفی کی بنا مسند ابی حنیفہ
 و آثار محمد پر ہے)

امام ابو حنیفہ کی تصانیف سے امام مالک کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں بصرہ
 مذکور ہے۔ قاضی ابوالعباس محمد بن عبد اللہ ابن ابی العوام اپنی کتاب "اخبار ابی حنیفہ" میں
 بسند ناقل ہیں۔

حدثني يوسف بن احمد المكي امام شافعي فرماتے ہیں کہ عبد العزیز در اوردی
 ثنا محمد بن حازم الفقيه ثنا محمد کا بیان ہے کہ امام مالک بن انس، امام
 بن علي الصائغ بمكة ثنا ابراهيم ابو حنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے اور ان
 بن محمد عن الشافعي عن عبد العزيز نفع اندوز ہوتے تھے

الدر اوردی قال كان مالك بن انس ينظر في كتب ابی حنیفہ و ينتفع بها

۱۔ مناقب الامام الاعظم از صدر الامر ۲ ص ۱۳۴ ۳۔ کتاب مذکور ص ۱۸۵ طبع مجتبائی دہلی
 ۴۔ ایضاً ص ۱۔ ۵۔ تعلیقات الاشواق فی فضائل الثلاثة الفقہاء از محدث کوثری ص ۱۴
 طبع مصر

خود امام شافعیؒ نے تصریح کی ہے کہ
 من لم ينظر في كتب أبي حنيفة
 لم يتبحر في الفقه^۱
 جو شخص امام ابو حنیفہ کی تصانیف کو نہیں
 دیکھے گا فقہ میں متبحر نہیں ہوگا۔

ابو مسلم مستملى نے ایک بار شیخ الاسلام یزید بن ہارون سے بغداد میں سوال کیا کہ
 یا ابا خالد ما تقول فی ابی حنیفۃ
 والنظر فی کتبہ
 اے ابو خالد ابو حنیفہ اور ان کی تصانیف
 کے مطالعہ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں

شیخ الاسلام نے جواب دیا
 انظر وانیہا ان کنتم تریدون ان تفقهوا^۲
 اگر تم فقیہ بننا چاہتے ہو تو ان کا مطالعہ کیا کرو
 ایک اور موقع پر جب یزید بن ہارون حدیث کا درس دے رہے تھے طلباء کو خطاب
 کر کے کہنے لگے

ہمتکم السماع والجمع لو کان
 ہمتکم العلم لطلبتم تفسیر
 الحدیث ومعانیہ ونظرتم فی
 کتب ابی حنیفۃ واقوالہ
 فیفسر لکم الحدیث^۳
 تمہارا تو مقصد بس حدیث کا سنا اور جمع کر لینا
 ہے اگر علم تم لوگوں کا مقصد ہوتا تو حدیث کی تفسیر
 اور اس کے معانی کی تلاش رکھتے اور ابو حنیفہ کی
 تصانیف اور ان کے اقوال میں غور کرتے تب
 حدیث کی تشریح تم پر کھلتی۔

اور حافظ عبد اللہ بن داؤد خرمی
 من اراد ان یخرج من ذل العی
 والجهل ویجد لذۃ الفقه فلینظر
 فی کتب ابی حنیفۃ^۴
 جو شخص چاہتا ہے کہ نابینائی اور جہالت کی
 ذلت سے نکلے اور فقہ کی لذت سے آشنا ہو اس کو
 چاہئے کہ ابو حنیفہؒ کی کتابیں دیکھے۔

۱۔ "مناقب ابی حنیفہ" از صیمری - ۲۔ "تاریخ بغداد" از خطیب -

۳۔ "مناقب عبد اللہ" ج ۲ ص ۴۸

۴۔ مناقب صیمری

حافظ ابو یعلیٰ خلیلی نے کتاب الارشاد میں امام مرزئی کے ترجمہ میں جو امام شافعی کے
اجل تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں لکھا ہے کہ امام طحاوی مرزئی کے بھانجے تھے، ایک بار
محمد بن احمد شروطی نے ان سے دریافت کیا کہ

لمخالفت خالك واخترت
مذهب ابی حنیفہ

آپ نے اپنے ماموں کے خلاف ابو حنیفہ کا مذہب
کیوں اختیار کیا۔

امام طحاوی نے فرمایا

لانی كنت اری خالی میدیم
النظر فی کتب ابی حنیفہ
فلذلك انتقلت الیہ

اس لئے کہ میں اپنے ماموں کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ
ہمیشہ ابو حنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے
تھے لہذا میں نے بھی انہیں کے مذہب کو
اختیار کر لیا

(تاریخ ابن خلکان، ترجمہ امام طحاوی)

یہ تھیں ائمہ فقہ و حدیث کی تصریحات اور یہ تھا ان کا طرز عمل امام ابو حنیفہ کی تصنیف
کے بارے میں۔ اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالئے کہ کتاب الآثار کی تصنیف نے اس فن کی
تدوین پر کیا اثر ڈالا۔ روایات کی تبویب اور حسن ترتیب کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ نے جو طریقہ
اختیار کیا تھا بعد کے تمام مؤلفین نے اسی کو قائم رکھا۔ موطا کی ترتیب اسی کو سامنے رکھ کر کی
گئی اسی طرح روایات کے انتخاب اور ان کی صحت کے بارے میں امام ابو حنیفہ نے جو معیار
قائم کیا تھا بعد کے ارباب صحاح نے باوجود اختلاف ذوق کے اس کا پورا پورا خیال رکھا۔ روایت
سے احتجاج کے باب میں امام ابو حنیفہ نے اپنا طرز عمل یہ بتلایا ہے

انی اخذ بکتاب اللہ اذا وجدته
وما لمرأجده فیہ اخذت بسنة
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
والأثار الصحاح عنہ التی

میں مسئلہ کو جب کتاب اللہ میں پاتا ہوں تو
وہاں سے لیتا ہوں اور جو وہاں نہ ملے تو حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور آپ کی ان
صحیح احادیث سے لیتا ہوں کہ جو ثقات کے

فشت فی ایدی الثقات ۱۰ - ہاتھوں شائع ہو چکی ہیں۔

اور امام سفیان ثوری نے آپ کے اس طرز عمل کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے
یاخذ بما صح عندہ من الاحادیث جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور جن کو
التي كان يحملها الثقة وبالأخر ثقات روایت کرتے چلے آتے ہیں اور جو آنحضرت
من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہوتا ہے، اسی سے
لیتے ہیں۔

”کتاب الآثار“ میں امام ابو حنیفہ نے ان ہی آثار صحاح کو جن کی اشاعت ثقات
کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جمع کر دیا ہے۔ امام ممدوح نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے آخری افعال و ہدایات کو منہار اول اور آثار صحابہ و تابعین کو منہار ثانی قرار دیا ہے۔
غور کیجئے بعینہ یہی طرز امام صاحب کے تتبع میں امام مالک نے موطا میں اختیار فرمایا ہے جو بقول
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ”اصل و ام صحیحین است“۔ اس اعتبار سے کتاب الآثار صحیحین
کی ”ام الام“ ہوئی۔ شاہ صاحب موصوف نے ”عجالة نافعہ“ میں یہ بھی لکھا ہے

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در بسط و کثرت صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہر چند کہ بسط و کثرت
احادیث وہ چند موطا باشند لیکن طریق روایت احادیث کے اعتبار سے موطا سے دس گنی ہیں لیکن
احادیث و تمیز رجال و راہ اعتبار استنباط روایت حدیث کا طریقہ رجال کی تمیز اور اعتبار
از موطا آموختہ اند۔ ۱۱

ادھر فقہاء محدثین کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ترتیب مضامین تو درکنار اپنی تصنیفات کے
نام تک تجویز کرنے میں اس کی ہم آہنگی کی، چنانچہ امام تلخی نے اپنی کتاب کا نام ”صحیح الآثار“ اور امام طحاوی
نے ”معانی الآثار“ اور ”مشکل الآثار“ اور امام طبری نے ”تہذیب الآثار“ رکھا۔
بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ”کتاب الآثار“ سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب ابواب

۱۲ مناقب صیری۔ ۱۳ الانتصار فی فضائل الائمة الثلاثة الفقہاء از حافظ ابن عبدالبر طبع مصر
۱۴ عجالة نافعہ طبع مجتبائی دہلی

پر مرتب نہ تھی۔ کتاب الآثار تصنیف ہوئی تو حدیث کی تبویب کا رواج ہوا۔ اور چونکہ اس میں تبویب کے ساتھ ساتھ صحیح روایات کے درج کرنے کا التزام تھا اس لئے بعد کو ابواب پر تصنیف کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ جہاں تک ہو سکے صحیح روایات درج کتاب کی جائیں۔ چنانچہ حافظ سیوطی "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں

ان المصنف علی الابواب انما یورد اصح ابواب پر تصنیف کرنے والا اس مضمون کی صحیح تر روایت مافیہ لیصلح للاحتجاج کو لاتا ہے جو استدلال کے لائق ہو۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حسن ترتیب، جودت تالیف، صحت روایات اور ان کے انتخاب کے بارے میں کتاب الآثار نے بعد کی تصنیفات پر کتنا عمدہ اثر ڈالا ہے۔

کتاب الآثار کے نسخے

موطا، صحیح بخاری، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور دیگر کتب حدیث کی طرح کتاب الآثار کے بھی متعدد نسخے ہیں جن میں روایات کی تعداد کے لحاظ سے بھی فرق ہے اور ابواب کی تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے بھی۔ چنانچہ بعض نسخوں میں بہت سی روایات ایسی ملتی ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اسی طرح کسی نسخے میں کوئی روایت کہیں مذکور ہے اور کسی میں کہیں، اس قسم کا اختلاف کتب مذکورہ میں بھی پایا جاتا ہے اور ایسا ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ کے تمام شاگردوں نے کتاب الآثار کو ایک ہی وقت میں امام موصوف سے حاصل نہیں کیا تھا۔ بلکہ مختلف شاگردوں نے مختلف اوقات میں اس کا سماع کیا تھا۔ اس زمانے دستور تھا کہ استاد اپنے حفظ سے احادیث کا املا کرتا اور شاگرد اس کو لکھ لیا کرتے۔ اس اختلاف اشخاص اور اختلاف اوقات کی بنا پر ناگزیر تھا کہ روایات کی تعداد اور ابواب کی تقدیم و تاخیر میں کسی قدر اختلاف ضرور ہو۔ علاوہ ازیں نظر ثانی کے وقت اکثر اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ امام عبداللہ بن مبارک جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں فرماتے ہیں

کتبت کتب ابی حنیفہ غیر مروتہ کان یقع فیہا زیادات فاکتبھا۔ میں نے امام ابو حنیفہ کی تصانیف کو کئی بار نقل کیا کیونکہ ان میں اضافے ہوتے رہتے تھے اور مجھے انہیں لکھنا پڑتا۔

لہ "تدریب الراوی" ص ۵۶ طبع مصر۔ ۵۷ مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۷۱

محدثین نے کتاب الآثار کے جن نسخوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں
 (۱) کتاب الآثار بروایت امام زفر بن الہذیل المتوفی ۳۵۸ھ
 ان کے نسخہ کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا المتوفی ۷۵۲ھ نے اپنی مشہور کتاب "الاکمال
 فی رفع الاریاب عن المؤلف والمختلف من السماء والکئی والانساب" کے باب الحصینی والجصینی
 میں کیا ہے۔ چنانچہ محدث احمد بن بکر جصینی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں

احمد بن بکر بن سیف ابوبکر الجصینی احمد بن بکر بن سیف ابوبکر جصینی ثقہ ہیں۔ اہل نظر
 ثقہ یحیل میل اهل النظر روى عن یعنی فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور
 ابی وہب عن زفر بن الہذیل عن امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام
 ابی حنیفہ "کتاب الآثار" زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابو وہب سے
 روایت کرتے ہیں۔

امام زفر کے اس نسخہ کا ذکر حافظ ابوسعید سمعانی شافعی نے کتاب الانساب میں اور حافظ
 عبدالقادر قرشی حنفی نے "الجواهر المضية فی طبقات الحنفیہ" میں بھی کیا ہے۔

واضح رہے کہ امام زفر سے کتاب الآثار کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے۔
 ایک یہی ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی۔ دوسرے شداد بن حکیم بلخی جن کے نسخے سے جامع مسانید
 الامام الاعظم للخوازمی میں "مسند حافظ ابن خسر و بلخی" وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول
 ہیں اور تیسرے حکم بن ایوب، پہلے دو نسخوں کا ذکر محدث حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی مشہور کتاب
 "معرفۃ علوم الحدیث" میں بایں الفاظ کیا ہے :

نسخة لزفر بن الہذیل الجعفی تفرد زفر بن ہذیل جعفی کا ایک نسخہ ہے جس کو ان سے
 بہا عنہ شداد بن حکیم البلخی ونسخة صرف شداد بن حکیم بلخی روایت کرتے ہیں اور زفر
 ایضاً لزفر بن الہذیل الجعفی تفرد بہا ہی کا ایک نسخہ اور ہے جس کو ان سے صرف ابو وہب
 ابو وہب محمد بن مزاحم مروزی عنہ محمد بن مزاحم مروزی روایت کرتے ہیں

۱۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ ریاست ٹونک اور کتب خانہ حیدر آباد دکن میں ہماری نظر سے گزرے ہیں
 ۲۔ ملاحظہ ہو کتاب الانساب نسبت الجصینی یہ کتاب لیڈن (ہالینڈ یورپ) میں چھپی ہے۔
 ۳۔ الجواهر المضية میں احمد بن بکر کا تذکرہ دیکھو۔ ۱۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۶۴ طبع دار الکتب المصریہ

امام زفر کے تیسرے نسخے کا ذکر حافظ ابو الشیخ بن حبان نے اپنی کتاب "طبقات للمحدثین" باصبہان والوار دین علیہا "میں احمد بن رستہ کے ترجمہ میں کیا ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت درج ذیل ہے:

احمد بن رستہ بن بنت محمد المغيرة احمد بن رستہ جو محمد بن المغیرہ کے نواسے ہیں ان کے کان عندہ السنن عن محمد بن الحکم پاس سنن "تھی جس کو وہ اپنے نانا محمد بن حکم بن بن ایوب عن زفر عن ابی حنیفہ ایوب سے زفر سے اور وہ اس کو امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے تھے

حافظ ابو الشیخ نے یہاں کتاب الآثار کو السنن کے نام سے ذکر کیا ہے اور چونکہ وہ اس کتاب میں ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی روایت سے ایک دو حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں اس لئے اپنے معمول کے مطابق اس نسخہ سے بھی دو حدیثیں درج کی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابو نعیم اصفہانی نے بھی "تاریخ اصبہان" میں اس نسخہ کی روایتیں نقل کی ہیں۔ امام طبرانی کی "معجم الصغیر" میں بھی اس نسخہ کی ایک روایت موجود ہے۔

(۲) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف المتوفی ۱۸۲ھ

اس نسخہ کا ذکر حافظ عبدالقادر قرشی نے "الجوہر المصنیہ فی طبقات الحنفیہ" میں کیا ہے چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسف کے ترجمہ میں قمر ازہیں

روی "کتاب الآثار" عن یہ اپنے والد کی سند سے امام ابو حنیفہ سے ابیہ عن ابی حنیفہ وہو مجلد "کتاب الآثار" کی روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا ابوالوفا افغانی "مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن" کو کہ انہوں نے بڑی تلاش اور کوشش سے اس نسخہ کو فراہم کر کے تصحیح و تحشیہ لے اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔ لے یہ کتاب اب یورپ میں میں طبع ہو چکی ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں دیکھا ہے لے ملاحظہ ہو ص ۳ طبع انصاری دہلی

کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر ۱۳۵۵ھ میں مصر سے طبع کرا کر شائع کیا۔
امام ابو یوسف سے بھی کتاب الآثار کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں ایک
یہی ان کے صاحبزادے امام یوسف مذکور اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو، محدث خوارزمی نے
عمرہ کی روایت کو "جامع المسانید" میں نسخہ ابی یوسف سے موسوم کیا ہے اور اس کتاب کے باب
ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسف تک نقل کر دی ہے۔

(۳) کتاب الآثار بروایت امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ ✓
ان کا نسخہ "کتاب الآثار" کے تمام نسخوں میں متداول ترین، مشہور ترین اور مقبول ترین ہے
اور اسی کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تجیل المنفعة بزوائد الأئمة الأربعة" کے مقدمہ میں
یہ لکھا ہے کہ

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ حدیث میں امام ابو حنیفہ کی جو مستقل کتاب موجود
انہا ہو کتاب الآثار التي ہوہ کتاب الآثار ہے جس کو امام محمد بن حسن
رواھا محمد بن الحسن عنہ۔ نے ان سے روایت کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس نسخے میں جن راویوں سے حدیثیں مروی ہیں ان کے
حالات میں دواہم کتابیں بھی ہیں پہلی تصنیف جو مستقل طور پر رجال کتاب الآثار
سے متعلق ہے، اس کا نام "الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار" ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ میرے پاس
بھی موجود ہے، دوسری کتاب یہی تجیل المنفعة ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان
رواۃ حدیث کا تذکرہ لکھا ہے کہ جن سے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام
احمد بن حنبل نے اپنی تصانیف میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ مگر صحاح ستہ میں ان کے سلسلہ سے
کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی ذیل میں انہوں نے "تجیل المنفعة" میں کتاب الآثار
امام محمد کے زوائد رجال کو بھی جمع کر دیا ہے۔ محدث سخاوی نے "الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ"
میں لکھا ہے کہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۴۹ھ نے بھی رجال کتاب الآثار
سے کتاب مذکور ص ۱۱ طبع دمشق ۱۳۲۹ھ

امام محمد پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ ملاکات چلی نے کشف الظنون من اسامی الکتاب والفتون "میں کتاب الآثار" امام محمد پر امام طحاوی کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے اور شمس الامم سرخسی نے بھی مبسوط میں کتاب الآثار کے متعلق خود امام محمد کی شرح کا حوالہ دیا ہے۔^۱ اور علامہ تقی الدین احمد بن علی مقریزی نے "العقود فی تاریخ العمود" میں حافظ قاسم بن قطلوبغا کی تصنیفات میں ان کی ایک کتاب التعلیق علی کتاب الآثار کا بھی ذکر کیا ہے جو رجال کتاب الآثار کے علاوہ ہے۔ اسی طرح علامہ مراوی نے بھی "سداک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" میں شیخ ابو الفضل نور الدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی المتوفی ۳۷۰ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح کتاب الآثار امام محمد کا ذکر کیا ہے، خود ہم نے اس کے رجال پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا ہے۔ حال میں مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری نے بھی اس پر دو ضخیم جلدوں میں ایک مبسوط و محققانہ شرح لکھی ہے جس کے بارے میں مولانا ابوالوفا افغانی نے شرحاً حسنالمیر^۲ مثلاً (ایسی عمدہ شرح کہ جس کی نظیر دیکھنے میں نہیں آتی) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

امام محمد سے بھی اس نسخہ کو ان کے متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ مطبوعہ نسخہ امام ابو حفص کبیر اور امام ابوسلیمان جوزجانی کا روایت کردہ ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ امام ممدوح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمرو بھی ان سے اس کتاب کی روایت کرتے ہیں۔ اور محدث خوارزمی نے جامع المسانید میں اسی نسخہ کو امام محمد سے موسوم کیا ہے۔ غالباً اس نسخہ میں فتاویٰ تابعین کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ صرف احادیث ہی درج ہیں اور شاید اسی بناء پر اس کو مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو مبسوط سرخسی جلد ۱ ص ۳۲۲ھ اس کی اصل عبارت یہ ہے
فقد ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الآثار لہ الخ۔ ۲۔ الضوء اللامع فواعیان القرن التاسع للبخاری
میں حافظ قاسم کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ۳۔ مقدمہ کتاب الآثار امام ابویوسف۔ از مولانا افغانی دانت کاتھم

امام ابو حفص کبیر اور امام ابوسلمان جوزجانی چونکہ فقہ حنفی کے ارکانِ نقل ہیں اس لئے
کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں ان ہی حضرات کی روایت کو زیادہ فروغ ہوا۔ کاتب الحروف بھی
کتاب الآثار امام محمد کو امام ابو حفص کبیر کے طریق سے روایت کرتا ہے جس کی سند درج ذیل ہے۔

اجازنی الشیخ الفقیہ العالم المحدث مولانا ابوالوفا الافغانی ادامہ
اللہ بالعرز والکرامۃ قال اجازنی الشیخ عبد القادر بن الشیخ محمد الحواری
الزبیری المدنی مدیر مکتبۃ شیخ الاسلام عارف حکمت بمدينة النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر اللہ المحرم سنۃ ۱۳۷۲ھ عن الشیخ علی ظاہر الوتری عن الشیخ
عبد الغنی الدہلوی عن الشیخ محمد عابد السندی عن عمہ الشیخ محمد حسین
بن محمد مراد الانصاری قال اجازنی الشیخ عبد الخالق بن علی المزجاجی قال
قرأت علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی عن الشیخ احمد بن محمد النخعی عن
الشیخ محمد بن علاء الدین البابی عن ابی النجاسالم بن محمد السنهوری عن
النجم محمد بن احمد بن علی الغیطی عن شیخ الاسلام زکریا الانصاری عن
الحافظ احمد بن علی بن حجر الصقلانی انا بها ابو عبد اللہ الجریری
محمد بن علی بن صلاح انا القوام امیر کاتب بن امیر عمر بن غازی الاقانی
انا البرہان احمد بن اسعد بن محمد البخاری والحسام حسین بن علی السغناقی
قالا انا فخر الحرمین حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری انا الامام محمد
بن عبد الستار الکردری انا عمر بن عبد الکریم الوریسکی انا عبد الرحمن بن
محمد الکرمانی انا ابوبکر بن الحسن الارصابندی انا ابو عبد اللہ الزوزنی انا
ابوزید الدبوسی انا ابو جعفر الاستروشنی وابو علی الحسن بن خضر النسفی انا
ابوبکر محمد بن الفضل انا ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی
انا ابو عبد اللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انا ابی انا الامام محمد بن الحسن الشیبانی

(۴) کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد لؤلؤی المتوفی ۲۰۴ھ

اس نسخہ کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانی نے "لسان المیزان" میں کیا ہے۔ چنانچہ

محدث محمد بن ابراہیم حبیش بغوی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی محمد بن ابراہیم بن حبیش بغوی، محمد بن شجاع
روی عن محمد بن شجاع التلجی عن الحسن تلجی سے وہ امام حسن بن زیاد سے اور وہ
بن زیاد عن ابی حنیفہ "کتاب الآثار" امام ابو حنیفہ سے "کتاب الآثار" کو روایت
کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیم کی "اعلام الموقعین" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ان کے
بھی ہمیش نظر تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

قال الحسن بن زیاد اللؤلؤی ثنا ابو حنیفۃ قال کنا عند محارب بن
دثار وکان متکئا فاستوی جالسا ثم قال سمعت ابن عمر یقول سمعت رسول اللہ

ﷺ واضح رہے کہ لسان المیزان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اس طرح مذکور ہے :

محمد بن ابراہیم بن حسن البغوی روی عن محمد بن نجیح البلخی

عن الحسن بن زیاد عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ "کتاب الآثار"

لیکن طباعت کے اندر اس میں سخت تصحیف ہو گئی ہے۔ حبیش البغوی کی بجائے حسن البغوی
غلط چھپ گیا۔ اسی طرح شجاع التلجی کی جگہ نجیح البلخی محض غلط ہے اور عن الحسن بن زیاد عن
ابی حنیفۃ کے درمیان عن محمد بن الحسن کا اضافہ اگر اصل منقول عنہ میں بھی موجود ہے تو یقیناً غلط ہے
بہر حال مطبع کے مصححین نے یہاں تصحیح کا اہتمام بالکل نہیں کیا۔ قلمی نوشتوں کے پڑھنے میں اسما کی غلطی تو بالکل
معمولی بات ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ نہایت بدخط تھے خود ہم نے
حافظ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا "اتحاد المرہ" کا نسخہ دیکھا ہے فی الواقع ان کے نوشتہ کا صحیح پڑھ لینا ہر شخص
کا کام نہیں ہے۔ محمد بن ابراہیم بن حبیش بغوی اور امام محمد بن شجاع تلجی دونوں بڑے مشہور و معروف
محدث گزرے ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی نے ان دو حضرات کا مفصل تذکرہ تاریخ بغداد میں لکھا ہے
اور چونکہ یہ دونوں حنفی ہیں اس لئے وہ اپنی عادت کے مطابق ان دونوں کے خلاف تعصب کا اظہار کئے بغیر
نہ کر سکے۔

صلی اللہ علیہ وسلم لیا تین علی الناس یومہ کتیب فیہ الولدان وتضع
الحوامل ما فی بطونہما۔ الحدیث

محدث علی بن عبد المحسن دو الی حبلی نے اپنے "ثبت" میں اس نسخہ سے ساٹھ
حدیثیں نقل کی ہیں جن کو محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری حنفی نے اپنی مشہور تصنیف
"الامتناع بسیرۃ الامامین الحسن بن زیاد وصاحبہ محمد بن شجاع" میں تمام وکمال نقل
کر دیلے۔

محدث خوارزمی نے "جامع مسانید" میں اس نسخہ کو "مسند ابی حنیفہ لحسن بن زیاد"
سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لؤلوی تک
نقل کر دی ہے۔ خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو "مسند ابی حنیفہ" ہی کے نام سے
روایت کرتے ہیں۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا۔ اس
نسخہ کی اسانید و اجازات کو محدث علی بن عبد المحسن الدو الی حبلی نے اپنے "ثبت"
میں اور حافظ ابن طولون حنفی نے "الفہرست الاوسط" میں اور حافظ محمد بن یوسف
دمشقی شافعی مصنف "سیرۃ شامیہ" نے "عقود الجمان" میں اور محدث ابو خلوتی حنفی
نے اپنے "ثبت" میں اور خاتمہ الحفاظ ملا محمد عابد سندھی نے "حصر الشارد فی
اسانید الشیخ محمد عابد" میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور علامہ محدث محمد زاہد
کوثری نے ان سب کو "الامتناع" میں نقل کر دیا ہے۔ جو ۱۳۶۷ھ میں مصر میں چھپ کر
شائع ہو چکی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ خود حضرت امام کے صاحبزادے الامام بن الامام حماد
بن ابی حنیفہ المتوفی ۱۷۱ھ اور مشہور محدث مجرب بن خالد الوہبی المتوفی قبل ۱۹۷ھ کی روایت
سے بھی کتاب الآثار کے نسخے مروی ہیں۔ چنانچہ جامع مسانید" میں محدث خوارزمی نے
ان دونوں نسخوں سے حدیثوں کی روایت کی ہے۔ اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں

اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تکفیل کر دی ہے۔ خوارزمی نے ان دونوں نسخوں کا ذکر بھی ”مسند ابی حنیفہ“ ہی کے نام سے کیا ہے

یہ ملحوظ خاطر رہے کہ چونکہ محدث خوارزمی نے ان نسخوں کو ”مسند“ کہا ہے اس لئے بعد کے اکثر مصنفین بھی ان کو مسند ہی کے نام سے ذکر کرنے لگے۔ متقدمین کا دستور ہے کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے ذکر کر دیا کرتے ہیں مثلاً دارمی کی تصنیف کو ”مسند دارمی“ بھی کہتے ہیں اور سنن دارمی بھی۔ ترمذی کی کتاب کو سنن بھی کہتے ہیں اور جامع بھی اسی طرح کتاب الآثار کے ان نسخوں کو کبھی علماء نے ”مسند“ کے نام سے ذکر کیا ہے اور کبھی سنن کے نام سے اور کبھی کتاب الآثار کے نام سے اور کبھی صرف نسخہ ہی لکھ دیا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے مجموعہ حدیث کا اصل نام جس کو خود امام ممدوح نے مرتب فرمایا تھا ”کتاب الآثار“ ہی ہے۔ ملک العلماء امام علاء الدین کاشانی نے بھی ”بدائع الصنائع“ میں اس کا ذکر ”آثار ابی حنیفہ“ ہی کے نام سے کیا ہے۔

شیخ محمد سعید سنبل نے لکھا ہے کہ چونکہ کتاب الآثار امام محمد میں تابعین سے زیادہ روایتیں منقول ہیں۔ اس بنا پر خود انہوں نے اس کا نام ”الآثار“ رکھا ہے۔ لیکن شیخ صاحب کو شاید یہ معلوم نہ ہیں کہ تابعی کے قول کو ”اثر“ سے تعبیر کرنا متاخرین کی اصطلاح ہے متقدمین کے یہاں اثر کا اطلاق موقوف مرفوع سب پر ہوتا تھا۔ خود امام محمد نے بھی کتاب الآثار ”اور موطا“ میں اس لفظ کو اس کے عام معنی ہی میں استعمال کیا ہے۔ ہاں اس کتاب کے جن نسخوں کو علماء نے ”مسند“ سے موسوم کیا ہے وہ اسی بنا پر کیا ہے کہ ان نسخوں میں مرفوع حدیثیں زیادہ ہیں۔ اور چونکہ کتاب الآثار کا مرفوع احادیث احکام یعنی سنن ہیں اس بنا پر بعض محدثین نے اس نام سے بھی اس کا ذکر کر دیا ہے

مذکورہ بالا چھ حضرات کے علاوہ جن کے ذریعہ سے کتاب الآثار کا سلسلہ امت میں باقی رہا کتب تاریخ میں اور جن محدثین کے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ سے اس کتاب کا سماع کیا ہے وہ یہ ہیں :

۱۔ امام عبد اللہ بن المبارک - جن کی تصریح سابق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ "میں نے ابو حنیفہ کی کتابوں کو کئی دفعہ لکھا ہے اور محدث خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں حمید بن شیح بخاری کی زبانی نقل کیا ہے۔

سمعت عبد اللہ بن المبارک یقول میں نے عبد اللہ بن مبارک کو یہ کہتے سنا کہ امام کتب عن ابی حنیفہ اربعاًۃ حدیث ابو حنیفہ سے میں نے چار سو حدیثیں لکھی ہیں۔

۲۔ امام حفص بن غیاث - ان سے حافظ عارثی نے بسند نقل کیا ہے کہ سمعت من ابی حنیفہ کتبہ واثارہ میں نے امام ابو حنیفہ سے ان کی کتابوں کو اور ان کے آثار کو سنا ہے۔

۳۔ شیخ الاسلام عبد اللہ بن یزید مرقی - ان کے بارے میں علامہ کردی لکھتے ہیں

سمع من الامام تسعاًۃ حدیث انہوں نے امام ابو حنیفہ سے نو سو حدیثیں سنی ہیں۔

۴۔ امام وکیع بن الجراح - ان کے متعلق حافظ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں

سید الحفاظ یحییٰ بن معین سے نقل ہیں کہ

ما رأیت احداً اقدم علی وکیع وکان میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ جسے وکیع

یفتی برأی ابی حنیفہ وکان یحفظ حدیث پر مقدم کروں اور وہ ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ

کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفہ حدیثاً دیتے تھے اور ان کی حدیثیں ساری انہیں حفظ تھیں

کثیراً اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بہت حدیثیں سنی تھیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۷۔ ۲۔ مناقب الامام الاعظم از امام کردی جلد ۲ صفحہ ۲۳۱۔ ۳۔ جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴ طبع مصر۔

۵۔ حماد بن زید۔ یہی حافظ ابن عبد البر الانتقام فی فضائل الائمة الثلاثة الفقہاء میں

رقم طراز ہیں

وروی حماد بن زید عن ابی حنیفہ حماد بن زید نے امام ابو حنیفہ سے بہت سی حدیثیں
احادیث کثیرہ^{۱۷} روایت کی ہیں

۶۔ خالد الواسطی۔ ان کے بارے میں بھی ابن عبد البر نے الانتقام میں یہی تصریح کی ہے
وروی عن خالد الواسطی احادیث کثیرہ^{۱۸} (واضح رہے کہ حافظ ابن عبد البر کے نزدیک احادیث
کثیرہ کی تعداد کم از کم اتنی ہے جتنی کہ موطا کی روایات ہیں۔ کیونکہ انہوں نے امام محمد کے تذکرہ میں بھی یہی
الفاظ لکھے ہیں کتب عن مالک کثیرا من حدیثہ^{۱۹} حالانکہ امام محمد نے امام مالک سے پوری موطا کا سماع کیا ہے)
۷۔ اسد بن عمرو۔ محمد صیمری نے ابو نعیم فضل بن وکین سے بسند ان کے متعلق

تصریح نقل کی ہے

اول من کتب کتب ابی حنیفہ اسد اسد بن عمرو پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ
بن عمرو^{۲۰} کی کتابوں کو لکھا ہے

یہ وہ تیرہ ارکان نقل ہیں کہ جن میں سے ہر ایک علم فقہ و حدیث کا آفتاب و ماہتاب ہے۔ یاد رہے
بجز موطا امام مالک کے اور کسی کتاب کے راوی اس قدر جلالت علمی کچھ حامل نہیں ہیں یہ بھی خیال رہے
کہ یہ صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے اس کتاب کو سنا ہے ورنہ امام
مدوح سے روایت حدیث کا سلسلہ تو اتنا وسیع ہے کہ بقول حافظ ذہبی

روی عنہ من المحدثین والفقہاء عدۃ^{۲۱} ان سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی تعداد
لا یحصون^{۲۲} نے حدیثیں روایت کی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا

واللہ اعلم وعلمہ اتم

^{۱۷} الانتقام ص ۱۳ طبع مصر۔ ص ۱۷ ایضاً ص ۱۳

^{۱۸} یعنی انہوں نے امام مالک سے ان کی بہت سی حدیثیں لکھی ہیں (الانتقام ص ۱۴)

^{۱۹} الجواب للرضیۃ ترجمہ اسد بن عمرو

^{۲۰} مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص ۱۷

مقدمہ
موطا امام محمدؒ

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَا أَنَا كَرُّ الرَّسُولِ فَخَذُّوهُ وَمَا أَنَا كَرُّ عَنِّهِ فَإِنَّهُ هُوَ
رَسُولُ اللَّهِ حَقٌّ كَمَا كُودِيں اس كوله لواء جس سے منع كريں اس سباز آجاؤ

مَوْطَا الْأَمَامِ مُحَمَّدٍ مُسْتَبْرَأُ

ایک ہزار سے زائد احادیث نبوی کا گراں بہا و بے نظیر مجموعہ
جسکو

حضرت امام مالک رحمہ اللہ دس ہزار احادیث نبوی سے منتخب فرمایا
بدروایت :- حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ و فوائد :- خواجہ عبدالوحید صاحب

مکتبہ سعید
ایڈیٹر مسٹر تاج محمد
قرآن محل ، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ موطا امام محمد

از

جناب مولانا محمد عبد الرشید صاحب نعمانی

فقہ و احکام کی کتابوں میں جو اہمیت موطا کو حاصل کو حاصل ہے محتاج بیان نہیں، حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔
 ان للموطا الوقعی فی النفوس دما جاد فی الفکوب
 بلاشبہ موطا کی دلوں میں جو وقعت ہے اور قلوب میں جو
 اہمیت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔
 تاہم ارباب نظر کا اس میں اختلاف ہے کہ موطا کا صحیح مقام کیسے ہے حضرت امام شافعی کی رائے حسب ذیل ہے۔
 ما علی ظہر الامراض کتاب بعد کتاب اللہ اصح
 روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مالک کی کتاب
 من کتاب مالک لہ
 سے صحیح تر نہیں ہے۔

اور حافظ ابو زرعہ ازہری المتوفی ۳۶۲ھ جو فن جرح و تعدیل کے مشہور امام ہیں یہ فرماتے ہیں۔
 لو حلف مہمل بطلاق علی احادیث مالک فی
 اگر کوئی شخص حلف کرے کہ موطا میں امام مالک کی ہر
 اسوۃ اصلاح لہم یحدث لہ
 حدیثیں ہیں تو صحیح نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہی تو ایسی مورد
 میں طلاق واقع نہ ہو

شاہ جلیل العزیز محدث دہلوی ہستان الحدیث میں امام ابو زرعہ کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔
 وایں وثوق و اعتماد برکتی پوزنیست
 اور یہ وثوق و اعتماد دوسری کتابوں پر نہیں ہے
 بعد کے علماء میں حافظ مغرب علامہ یوسف بن عبد البر قرطبی مالکی المتوفی ۴۶۸ھ کی یہ تقریر ہے۔
 الموطا لا یشیل لہ کتاب فوقہ بعد کتاب اللہ
 کتاب اللہ کے بعد نہ موطا کے مثل کوئی کتاب ہے اور نہ
 فرجیل ۵۵
 ایک دوسری عالم حافظ ابو بکر بن العربی المتوفی ۵۴۵ھ یہ لکھتے ہیں

ان کتاب الجعفی ہوا اصل الثانی فی ہذا
 بعضی د امام بخاری کی کتاب میں اصل ثانی ہے اور موطا
 الباب والسطح والاصل واللیاب وعلینا
 اصل اول اور خیر ہے اور ان ہی دونوں پر سب نے بنا

لہ مقدمہ التلیق الحمد علی موطا الامام محمد، ان مولانا محمد عبد الحق کلہ ذی قرنی علی، بعد السیر النبلا از امام ذہبی ۵۴۵ھ مقدمہ تنویر
 الحواکس شرح موطا از بیوطی، ۳۵۴ھ ترین الاماک بنا قریا لام مالک ابی یوسف ۲۴۰ھ طبع غیر یہ سفر ۳۲۵ھ ۳۲۵ھ بتان الہدیین ۵
 طبع محوری الامور ۵۵ مقدمہ التلیق فی سند حدیث الموطا ورسالہ از حافظ ابن عبد البر ۱۲۰ھ

بمقام البیہ کالتشوی والتومذی لہ
رکھی ہے جیسے کہ فقیری و امام مسلم اور نزدیکی ہیں۔
ہمارے دیار کے متاخرین محدثین میں شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بھی اسی
خیال کا اظہار کیا ہے چنانچہ شاہ عبد العزیز، عجازنا فہم میں لکھتے ہیں۔

موطا کو یا اصل دام صحیحین است..... صحیح بخاری
موطا کو یا صحیحین کی اصل اور جڑ ہے..... اور صحیح بخاری
صحیح مسلم ہر چند در بسط و کثرتِ احادیث وہ چند موطا
و صحیح مسلم اگرچہ بسط و کثرت احادیث کے لحاظ سے موطا
باشد لیکن طریق روایت احادیث و تمیز رجال و راہ
دس گئی ہیں لیکن روایت حدیث کا طریقہ رجال کی تیز اور اعتبار
اعتبار و استنباط از موطا آموختہ اند۔
استنباط کا ڈھنگ انہوں نے موطا ہی سے سیکھا ہے

لیکن محدثین شوافع کے نزدیک موطا کا درجہ صحیحین سے بڑھ کر تو کیا صحیحین کے برابر بھی نہیں وہی امام شافعی کی مذکور
بالا تصریح تو اس کے متعلق شیخ ابن صلاح، مقدمہ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں۔

وامام احمد وینا عن الشافعی رضی اللہ عنہ
اور امام شافعی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت پہنچی ہے کہ
من انہ قال ما علم فی الارض کتاب فی
انہوں نے یوں فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر کوئی کتاب
العلم اکثر صواباً من کتاب مالک و
اس علم میں مالک کی کتاب سے صحت میں زیادہ ہے اور بعض لوگوں
منہم من رواہ بغیر ہذا اللفظ اقل
نے اس کو امام شافعی نے دوسرے الفاظ میں بھی نقل کیا ہے جو
قال ذلک قبل وجوہ کتابی البخاری
امام مدوح کا یہ فرمانا بخاری و مسلم کی کتابوں کے وجود میں آنے
و مسلم
سے پہلے کہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

ان الشافعی اطلق علی الموطا افضلیۃ المصنۃ
امام شافعی نے موطا کو جو صحت کے اعتبار سے افضل بتایا ہے
بالنسبة الی الجوامع السجود فی ذمہ نگار
وہ ان جوامع کے لحاظ سے ہے کہ جو ان کے زمانہ میں موجود
سفیان الثوری و مصنف عماد بن سعد و غیرہ
تھیں جیسے کہ جامع صفیان ثوری اور مصنف حماد بن سلمہ وغیرہ
اس بنا پر ان حضرات کے خیال میں موطا کو کتب حدیث میں جو فوقیت حاصل ہے وہ صحاح کے اعتبار سے
پہلی بلکہ نیر و جوامع کے اعتبار سے ہے چنانچہ حافظ سیوطی، تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

ما خطیب وغیرہ بیان الموطا مقدم
خطیب بغدادی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ موطا جوامع
علی کل کتاب من الجوامع والمسانید۔
و مسانید میں سے ہر ایک کتاب پر مقدم ہے۔

اور اس تصریح کی بنا پر موطا کا جو درجہ ہے وہ بقول حافظ سیوطی
فصلہذا ہو بعد صحیح البخاری
صحیح حاکم کے بعد ہے۔

لہ مقدمہ وائتہ الاخری شرح ترمذی از حافظ ابن العربی لہ جو اصح سے مراد یہاں ظلم کی وہ کتاب ہے جس میں ہر موقوفہ ہر قسم کا سوا یا کی
جامع ہوں لہ تدریب الراوی لہ شرح ترمذی یہ خیال ہے کہ تدریب میں طباعت کی غلطی سے یہاں بعد کی بجائے بعض چھپ گئی

ابن متاخرین میں یہ بحث ہے کہ صحاح ستہ میں صحیحین بسن نسائی، بسن ابی داؤد اور جامع ترمذی کے علاوہ چھٹی کتاب موطا کو شمار کیا جائے یا بسن ابن ماجہ کو علامہ ابن الاثیر جزیری شافعی المتوفی ۷۴۸ھ نے جامع الاموال من احادیث الرسول میں محدث رزین بن معاویہ حدادی مالکی المتوفی ۵۲۵ھ مصنف التجرید للصحاح ستہ کی اتباع میں چھٹی کتاب موطا ہی کو قرار دیا ہے لیکن اکثر متاخرین کے نزدیک صحاح ستہ کی آخری کتاب موطا کی بجائے "سنن ابن ماجہ" ہی ہے چنانچہ محدث ابوالحسن سندی و شرح سنن ابن ماجہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

غالب المتأخرین علی امتداد سادس

المتاخرین اس طرف ہیں کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے۔

بہر حال صحاح ستہ میں اس کا شمار ہوا یا نہ ہوا اتنا ان حضرات کو بھی تسلیم ہے کہ موطا حدیث کی ان ہستم بالشان کتابوں میں سے ہے کہ جس کی طرف افتا کی ضروری ہے چنانچہ شیخ ابن صلاح نے مقدمہ علوم الحدیث میں حرفہ آداب طالب الحدیث کے ذیل میں جن کتابوں کی طرف خصوصیت کے ساتھ افتا کرنے کی ہدایت کی ہے ان میں ایک موطا بھی ہے شیخ موصوف کی عبارت اس سلسلہ میں حسب ذیل ہے۔

وتقدم العناية بالصحيحين ثم سنن ابی داؤد و سنن النسائی و کتاب الترمذی ضبطاً للشكها و فہما الخفی معانیہما، ولا یخف عن عن کتاب السنن الکبیر للبیہقی فان لا تعلم مثله فی بابہ ثم سائر ما تمس حاجة صاحب الحدیث الیہ من کتب المسانید کمسند احمد و من کتب الجوامع المصنفة فی الاحکام المشتملة علی المسانید و غیرہا، فموطأ مالک هو المقدم منها۔

اور سب سے پہلے صحیحین سے اعتنا کرنا چاہیے پھر سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور کتاب ترمذی سے بایں طوکر کے شکل الفاظ کو ضبط کر لے اور انکے مخفی مطالب کو سمجھ لے اور بیہقی کی سنن کبیر سے غفلت نہ کرتا چاہیے کیونکہ اپنے موضوع پر اس کی فطیر ہمارے علم میں نہیں ہے پھر ان ساری کتابوں کے ساتھ افتا چاہیے جن کی محدث کو ضرورت پڑتی ہے مسانید ہول جیسے کہ مسند امام احمد ہے کتب جوامع ہول جوامحاکم کے متعلق تصنیف کی گئی ہیں اور مسند غیر مسند ذوال روایا پر مشتمل ہوتی ہیں و جنہیں امام مالک کی موطا سے مقدم ہے۔

شیخ ابن صلاح چونکہ کچے شافعی ہیں اس لئے انہوں نے مسند امام احمد بن حنبل اور موطا امام مالک سے بھی پہلے بیہقی کی سنن کبیر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

اور محدث ابن خزم ظاہری المتوفی ۵۰۶ھ جو اباب ظاہر کے امام ہیں انہوں نے تو موطا کا درجہ بہت ہی مؤخر کر دیا ہے چنانچہ مراتب الدیانہ میں ان کو لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو موطا کو اس فن کی اجل مصنفات میں شمار کرتے ہیں یوں رقمطراز ہیں۔

لہذا تہم رسول اللہ و حکوۃ و غیرہ میں جو رواہ رزین کے الفاظ آتے ہیں اس پر نہ بھنا چلے گی کہ یہ بھی بخاری و مسلم کی طرح اپنی اسناد سے کچھ حدیثیں نقل کرتے ہیں بلکہ عیاں کہ محدث ابی ہریرائی نے توضیح الافکار ص ۱۸۱ (۸۲، ۸۳) میں لکھا ہے یہ موطا کے مختلف نسخوں کی روایتیں ہیں۔

بلکہ سب کتابوں میں تعظیم کی سب سے زیادہ مستحق صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح سعید بن اسحق، منقذ ابن جارد، اور منقذ قاسم بن امیغ ہیں، پھر ان کتابوں کے بعد کتاب ابی داؤد کتاب نسائی مصنف قاسم بن امیغ، مصنف ابی جعفر طحاوی و معروف بشرح معانی الآثار، مسند بزار، مسند ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عثمان بن ابی شیبہ، مسند احمد بن حنبل، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند طرابلسی، مسند حسن بن صفیان، مسند ابن حجر، مسند عبد اللہ بن محمد المسندی، مسند یعقوب بن شیبہ، مسند علی بن المذہبی، مسند ابن ابی عزرہ اور اسی قسم کی وہ کتابیں ہیں کہ جو صرف کلام نبوی کے لئے مختص ہیں پھر وہ کتابیں کہ جن میں کلام نبوی کے ساتھ ساتھ اور لوگوں و صحابہ و تابعین وغیرہ کا کلام بھی موجود ہے اور ان میں وہ کتابیں زیادہ بلند یا یہ ہیں صحیح ردائیں درج ہیں جیسے کہ مصنف عبد الرزاق، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مصنف یحییٰ بن محمد، کتاب محمد بن نصر مزوری، ابن المنذر کی کتاب الاکبر اور کتاب الامروز پھر مصنف حماد بن سلمہ، موطا مالک بن انس، موطا ابی ابن ابی ذئب، موطا ابن وریب، مصنف دیکھ، مصنف محمد بن یوسف فریابی، مصنف سعید بن منصور، مشائخ احمد، فقہ ابی عبیدہ اور فقہ ابن ثور ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبی سیر النبلا میں ابن حزم کی اس رائے کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قلت ما ائصف ابن حزم بل مرتبة الموطأ ان يذكرنا والصحيحين مع سنن ابی داؤد والنسائی۔
 میں کہتا ہوں ابن حزم نے انصاف سے کام نہیں لیا، بلکہ موطا کا رتبہ تو یہ تھا کہ اس کو صحیحین کے بعد سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا۔

حافظ ذہبی کے اس بیان کی روشنی میں موطا کے بارے میں خطیب بغدادی اور شیخ ابن صلاح نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس پر بھی رائے قائم کی جاسکتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ موطا میں چونکہ مسلسل منقطع اور بلاغات مجموعہ ہیں اس لئے وہ لوگ جو حدیث مرسل کو حجت نہیں سمجھتے موطا کو بھی ماننے کے لئے تیار نہیں چنانچہ حافظین الدین عراقی شافعی المتوفی ۵۰۵ھ نے التقييد والايضاح میں لکھتے ہیں۔

ان ما لكما محمد ائله لم يفرد الصحيح بل ادخل فيه المرسل والمنقطع والبلاغات ومن بلاغاته احاديثه تعرف كما ذكره ابن عبد البر فلم يفرد الصحيح اذا روى ۱۳ طبع حلب ۱۲۵۵ھ۔
 امام مالک رحمہ اللہ نے صریح صحیح حدیثوں کو الگ نہیں کیا بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو بھی داخل کر دیا ہے اور ان کی بلاغات میں بعض ایسی حدیثیں بھی ہیں کہ جن کا پتہ نہیں چلتا جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے بیان کیا ہے لہذا ایسی صورتیں انہوں نے صرف صحیح حدیثوں کو علاحدہ نہیں کیا ہے۔

لہذا خطیب بغدادی اور شیخ ابن صلاح، مقدمہ التقييد والايضاح میں امام ذہبی سے تذکرہ حفاظ ذہبی، ترجمہ ابن حزم، کتاب مرسل وہ میں ہے، جو کتاب بھی خود انھوں نے معلوم کیا وایت کر کے اور مذاکرہ کے مطابق وغیرہ کا نام ذکر کر کے اور منقطع وہ روایت ہے جس کا سند میں کسی کی کا ذکر نہ جائے اور بلاغات وہ روایت ہے جس کی مولف سند ذکر نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ روایت مجھ کو پہنچی ہے۔

لیکن امام حافظ مغلطای حنفی المتوفی ۶۲۲ھ پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ۔

لا فرق بین الموطا والبخاری في ذلك
لوجوده ايضا في البخاري من التعالين
ونحوها ۱۰

اس باب میں موطا اور بخاری میں کوئی فرق نہیں کیونکہ
یہ چیزیں تو بخاری میں بھی ہیں چنانچہ اس میں تعلیقات
اور اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام مغلطای کے اس بیان پر یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ

كتاب مالك صحيح عندنا وعند من
يفقه على ما اقتضاه نظره من الاحتجاج
بالمسئل والمنقطع وغيرهما لا على الشوط
الذي استقر عليه العمل في حد الصحة
والفرق بين ما فيه من المنقطع وبين ما
في البخاري ان الذي في الموطا هو كذا
مسموع لمالك قالبا وهو حجة عندنا والذي
في البخاري قد حذف اسنادا عندنا
لا غرض قدرت في التعالين ۱۰

امام مالک کی کتاب بخوان کے نزدیک اور انکے مقلدین
کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ انکی نظر مسل اور منقطع وغیرہ
سے احتجاج کی مقتضی ہے اور صحت کی تعریف میں جس
شرط پر کہ عمل قرار پایا ہے اس کے مطابق صحیح نہیں ہے
اور موطا اور بخاری دونوں کی منقطع روایات میں فرق
یہ ہے کہ موطا میں جو روایتیں ہیں وہ اکثر امام مالک کی
اسی طرح سنی ہوئی ہیں اور بخاری میں جو روایتیں ہیں ان
کی اسناد بالارادہ ان وجوہ کی بنا پر حنفی میں نے تعلیقات
کے باب میں تقریر کی ہے حذف کہ دی گئی ہے۔

حافظ صاحب کی اس نکتہ بھی پر محدث صالح فلائی نے الفیہ سیوطی کے "تواشی" میں لکھا ہے کہ

وفيما قاله الحافظ من الفرق
بين بلاغات الموطا ومعلقات
البخاري نظروا من النظر
في الموطا كما من النظر في
البخاري لصلمانه لا فرق بينهما
وما ذكره من ان ما سكتا سمعها
كذلك غير مسلم كانه يذكروا
في رواية يميني مثلا احمد سلا في ثرية غير
عن مالك موصولا مسندا وما ذكر
من كون مراسيل الموطا حجة

اور حافظ ابن حجر نے بلاغات موطا اور تعلیقات
بخاری میں جو فرق بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے اگر حافظ
صاحب موطا کا بھی اسی طرح گہری نظر سے مطالعہ کرتے
جس طرح کہ انہوں نے صحیح بخاری کا کیا ہے تو انہیں
معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں میں کچھ
فرق نہیں ہے اور یہ جو وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک
نے ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا ہے سو مسلم
نہیں کیونکہ موطا کی ایک حدیث شلا بیہی کی روایت
ہیں اگر بلاغا یا مرسلا ذکر ہوئی ہے تو دوسرے ملک
اسی حدیث کو امام مالک سے موصولا مسندا بھی روایت

۱۰ ترمذیین الممالک از سیوطی ص ۱۲، ۱۳ تعلیق کے معنی ہیں روایت کے ابتداء حصہ کو مسبق چھوڑ دینا یعنی شروع
کے ایک یا ایک سے ذائد راویوں کو حذف کر دینا یا اسناد کو سرے سے ذکر نہ کرنا۔
۱۰ ترمذیین الممالک ص ۱۴۔

عند مالک دون غیر هم مردود بانها حجة عند الشافعي و اهل الحديث لا اعتضادها كلها بصندا كما ذكره ابن عبد البر والسيوطي وغيرهما وما ذكره العراقي من ان من بلاغات مالا يعرف مردود بان ابن عبد البر ذكر جميع بلاغات ومراسيل ومنقطعات كلها موصولة بطرق صاحب الاربعة وقد وصل ابن الصلاح الاربعة بتأليف مستقل وهو عندى وعليه خطه قطره ديتا ان لا فرق بين الموطا والبخاري له

کرتے ہیں اور جو حافظ صاحب نے کہا ہے کہ موطا کے مرسل امام مالک کے نزدیک جحت ہیں اور دن کے نزدیک نہیں سو قابل رو ہے اس لئے کہ مرسل امام شافعی اور محدثین کے نزدیک بھی جحت ہیں کیونکہ ان سب کی تائید سنداً عادیث میں موجود ہے جیسا کہ ابن عبد البر اور سیوطی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور عراقی نے جو یہ بیان کیا ہے کہ موطا کے بعض بلاغات ایسے ہیں کہ جن کا پتہ نہیں چلتا سو یہ اس لئے قابل رو ہے کہ ابن عبد البر نے بحر چار روایتوں کے موطا کے جملہ بلاغات مرسل اور منقطعات کو باسناد صحیحہ موصلاً ذکر کیا ہے اور ان بقیہ چار کے اتصال پر بھی ابن صلاح نے ایک مستقل تالیف کی ہے جو میرے موجود ہے اور اس پر خود لکے قلم کی تحریر بھی ہے لہذا اس سے ظاہر ہوا کہ موطا اور بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے

لطف یہ کہ موطا کے متعلق خود حافظ صاحب کا بیان ہے کہ

فصنف الامام مالک الموطا وتوضي فيه القوى من حديث اهل الحجاز ومزجه بأقوال الصحابة وفتاوى التابعين ومن بعدهم - (مقدم فتح الباری)

امام مالک نے موطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین اور علماء رابعہ کے فتاویٰ کو بھی درج کیا۔

لیکن صرف اتنی سی بات پر کہ ان قوی روایتوں کی سند بیان کرنے کا امام مالک نے ہر جگہ التزام نہیں کیا ہے اور کچھ روایات کو مرسل اور منقطعاً اور بلاغاً بھی ذکر کیا ہے حافظ صاحب کو موطا کی صحت میں شبہ نہ کیا حالانکہ حقیقت میں جب روایتیں قوی ہیں تو پھر اسناد کے ذکر کرنے یا نہ کرنے سے ان کی قوت و صحت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اسی لئے محققین کے نزدیک صحت کے لحاظ سے موطا میں اور صحیح بخاری میں کچھ فرق نہیں ہے بلکہ نظر غور دیکھا جائے تو حسب ذیل وجوہ سے موطا کو صحیحین پر فوقیت حاصل ہے (۱) جلالت علمی کے لحاظ سے (۲) باب صحاح ستہ میں سے کوئی شخص امام مالک کا ہمسر نہیں۔

(۲) امام مالک سے ان کی موطا کے روایت کرنے والے جس پایہ کے اندر ہیں تمام صحاح ستہ کے رواۃ میں ایک بھی اس پایہ کا نہیں یہ بھی ہے کہ امام بخاری کے شاگرد و فروری کی روایت کے مطابق ان سے صحیح بخاری

Scanned by CamScanner

اس لئے امام مالک کو یہ کتاب چنداں پسند نہ آئی اور آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ انہوں نے کام تو اچھا کیا لیکن اگر میں لکھتا تو پہلے حدیثیں لاتا اور پھر ان کے متعلقہ مسائل کو بیان کرتا، بعد کو جب امام مالک نے موطا کی تصنیف کا ارادہ کیا تو یہ وہ زمانہ ہے کہ جب امام ابو حنیفہ کی تصانیف ملک میں عام ہو چکی تھیں امام مالک بھی ان کا مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے لہذا امام ابو حنیفہ کو تمام مجتہدین میں اس بارے میں شرف اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے علم شریعت کو باقاعدہ طور پر ابواب پر مرتب فرمایا ہے اور بعد کو آنے والی تمام نسلوں نے اپنی تصانیف کی بنیاد ان ہی کی ترتیب پر رکھی ہے اور اسی لئے امام شافعی کا مشہور مقولہ ہے الناس عیال علی ابی حنیفہ فی الفقہ (لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں) امام ابو حنیفہ کی تصانیف میں ان کی ایک مشہور تصنیف کتاب الاثماں بھی ہے جس میں امام مہدوح نے احادیث احکام کو فقہی ترتیب پر مدون فرمایا ہے یہ کتاب حسن انتخاب، خوبی ترتیب، جودت اسناد، قوت ثبوت اور تلقی سلف کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے اس لئے امام مالک نے موطا کی ترتیب میں امام ابو حنیفہ کا ہی تقیم اختیار کیا چنانچہ حافظ سیوطی کا بیان ہے کہ

من مناقب ابی حنیفۃ القی
انفرد بہما انہ اول من دون علمہ
الشریعۃ و ما قبلہ ابواباً ثم تبعہ مالک
بن انس فی ترتیب الموطا و لم یسبق
ابا حنیفۃ احد لہ

امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں انفرادیت میں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔

امام مالک جب موطا کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کتاب کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے رکھا امام مہدوح کا بیان ہے کہ فکلہم و اطاع فی علیہ رتب نے اس کتاب کے سلسلہ میں میری موافقت کی، لہذا میں نے اس کا نام ہی موطا رکھ دیا یعنی وہ کتاب جسکو بہوار کیا گیا اور جس کی تصحیح کی گئی۔

موطا کا موضوع فقہی احکام ہیں اس لئے محدثین کی اصطلاح میں اس کو کتاب السنن موضوع کتاب کہنا چاہیے لیکن چونکہ اس میں سند اور غیر سند ہر قسم کی روایتیں ہیں اس لئے شیخ

لہ مقدمہ تنویر المحرک از سیوطی، لکھ چنانچہ قاضی ابوالعباس محمد بن عبد اللہ بن ابی العوام اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ میں بسند متصل امام شافعی کی زبانی حافظ عبد اللہ بن عبد الرحمن درود دی سے نقل ہیں کہ کان مالک بن انس ینظر فی کتب ابی حنیفہ و ینتفع بہا امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے راجحہ ہوا قوام المالک فی بحثہ و ائمہ مالک عن ابی حنیفہ و روایت ابی حنیفہ عن مالک زعمت کوثری لکھ تبیین الحقیقہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ از سیوطی ص ۳۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۲

امام صلاح وغیرہ نے اس کو مجموعہ میں شمار کیا ہے امام مالک نے موطا میں کتاب الآثار کی طرح احادیث صحاح کو بنا راہ اول اور آثار صحابہ و قتادہ سے تابعین کو بنائے ثانی قرار دیا ہے

موطا کے نسخے

اس زمانہ میں تالیف کا طریقہ یہ رہتا تھا جو بعد کے دور میں پیدا ہوا کہ مصنف اپنی کتاب کو مرتب کر کے یکبارگی لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے بلکہ اس عہد میں صحاح کا طریقہ مروج تھا اور مصنف یا دواشرت کی فرض سے ناکرنا نے میں غلطی نہ واقع ہو ایک نوشت مرتب کر لیتا اور لوگوں کو لکھوا دیا کرتا تھا اسی لئے بعد اوقات نظر ثانی کے وقت کتاب کی ترتیب بدل جاتی ابواب میں تقسیم و تاخیر یا روایات میں وقف و ارسال اور رفع و اتصال کا فرق ہو جاتا یا بعض ابواب میں کمی بیشی ہو جاتی، غرض اس دور کی کتابوں میں جو نسخوں کا اختلاف ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے موطا کو امام مالک سے بہت سے لوگوں نے مختلف زمانوں میں حاصل کیا ہے اس لئے اس کے نسخوں میں اس اختلاف کا ہونا لازمی ہے۔

امام مالک سے جن لوگوں نے موطا کی روایت کی ہے ان کی مجموعی تعداد حسب قمری حافظ ابن المبرک و شقی اناسی ہے چنانچہ حافظ موصوف نے اپنی کتاب اتحاف السالك برواۃ الموطا عن الامام مالک میں ان سب کو نام بہ نام بقید نسب شمار کر دیا ہے پھر ان میں سے جن حضرات کے نسخوں کی روایتیں بعد تک جاری رہیں وہ چوبیس بزرگ ہیں جن کی احادیث و روایات کا سلسلہ محدثین کے اثبات میں ملتا ہے اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں ان میں سے سولہ نسخوں کی تفصیل بھی دی ہے محدث رزیں عبدی نے اپنی کتاب التجريد للصحاح والسنن میں حافظ ابن شاہین اور دارقطنی نے اختلاف نسخ الموطا کے نام سے جو نسخے لکھے ہیں ان سے موطا کے تمام مختلف نسخوں کی روایتوں کو نقل کر دیا ہے اور یہی وہ روایتیں ہیں جو بیہر الوصول اور شکوۃ المصابیح میں رزیں کے حوالے سے درج ہیں یہ سب روایتیں صحیح ہیں اور موطا کے مختلف نسخوں میں ان کو ہیں لیکن عرصہ ہوا کہ ان میں اکثر نسخے ناپید ہو چکے البتہ موطا روایت جلد شدہ بن دہب کا قلمی نسخہ استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ اور کتب خانہ ولی الدین ہیں اور موطا روایت سوبین سعید اور موطا بروایت ابو مصعب زہری ان دونوں کتابوں کے قلمی نسخے دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں آج تک محفوظ ہیں اور ان سب نسخوں میں متداول ترین اور مشہور ترین یہ دو نسخے ہیں (۱) موطا بروایت امام محمد (۲) موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مسمومی لیبی چنانچہ محدث ناقد شیخ محمد زائد کوثری اپنے مقالات میں رقمطراز ہیں، ماشہر روایات فی هذا العصر

دواۃ محمد بن الحسن بن المثنی بین المتشاکفة
دواۃ یحییٰ بن الیثمی بین المتضاربة

اس دور میں موطا کی مشہور ترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے اور اہل مغرب میں یحییٰ بن لیث کی رائے روایت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں

لے ملاحظہ ہو ترین الماںک ص ۵۲ و ۵۳، لے ملاحظہ ہو وضع الاثر و المعانی تنقیح الاثر از محدث امیر مینی ج ۱ ص ۸۲ و ۸۳

فالاولی تمنا ربیبک صالحه ذنبه اهل
العراق من احادیث اهل المعجاز المدونة
فی الموطا مما لم یلحقوا به لادلة اخری
ساقها عبد فی موطئهم وهی فافقت بحالین
بیعد للعامة فبین اداء اهل المدينة واداء
اهل العراق و بین اهل الفریقین والثانیة
تمتاز عن نسخ الموطا کلها باختصاص علی
مالک الباقیة نحو ثلاث الاف مسند
فی ابواب الفقه وهاتان الروایتان
فی غایة اکثرة فی خزائن العالم شوقاً
وغیراً له

اہل عراق نے موطا میں مدد نہ جن احادیث اہل حماز کو لیا
ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بنا پر جو امام محمد اپنی
موطا میں لائے ہیں نہیں لیا ہے ان کا بیان ہے اور یہ
چیز ان لوگوں کے لئے نہایت مفید ہے کہ جو اہل مدینہ
اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل
کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور دوسری روایت موطا
کے تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ
وہ تین ہزار کے قریب امام مالک کے ان اجتہادی
مسائل پر مشتمل ہے جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب
سے ہے اور یہ دونوں روایتیں دنیا کے کتب خانوں
میں شرفاً غریباً نہایت کثرت سے موجود ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ امام مالک کے زمانہ تک مدینہ منورہ خود دار العلم تھا اس لئے
امام محمد رحمہ اللہ نے طلب علم کے لئے کبھی دوسرے شہروں کا سفر نہیں کیا جس طرح کہ ان
کے معاصرین میں امام مسر بن کدام کو فی المتوفی ۱۵۵ھ نے طلب حدیث کے لئے کبھی کوفہ سے باہر قدم نہیں لایا
کیونکہ وہ بھی اس زمانے میں حدیث و روایت کا مخزن تھا اور گو اس وقت تمام بلاد اسلامیہ میں ارباب فتنہ
اور اہل روایت موجود تھے تاہم مدینہ اور کوفہ کو فقہ و اجتہاد میں مرکزیت حاصل تھی چنانچہ حافظ ابن عبد البر
جامع بیان العلم میں یہ پسند منقول امام عبد اللہ بن مسدد کی زبانی جو امام مالک کے محقق تلامذہ میں سے تھے
کہ جاتے ہیں تاقل ہیں کہ ایک بار کسی نے امام مالک سے ایک مسئلہ دریافت کیا انہوں نے اس مسئلہ کا
جواب دیا اس پر مسائل کی زبان سے نقل کیا کہ اہل شام تو اس مسئلہ میں آپ کے مخالف ہیں اور اس کو اس طرح
بیان کرتے ہیں امام مالک نے فرمایا۔

متی کان هذا الشأن بالشام انما هذا
الشان وقع علی اهل المدينة والكوفة له
اسی لئے بنیادی طور پر فقہ و اجتہاد کے مکتب خیال و اصل وہی خیال کئے جاتے ہیں ایک عراقی دوسرے
حجازی، امام محمد رحمہ اللہ کو فی پہلے مکتب خیال کے ترجمان ہیں اور امام دار الهجرة مالک بن انس مدنی دوسرے
کے پہلے مکتب خیال کا سلسلہ حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے چلتا ہے جو مدینہ سے

لہ مقالات اکثری من ۹۰۰، ۱۰۰۰ طبع مصر ۱۳۲۰ھ چنانچہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے ترجمہ میں امام بیہقی بن
معین سے نقل کیا ہے کہ لعمریہ جل مسعر فی حدیث فقط رسر نے کبھی ایک حدیث کے لئے بھی سفر نہیں کیا بلکہ جامع
بیان العلم ج ۱ ص ۱۵۸ طبع مئیر مصر ۱۲

کو ذہن منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ان کے علم کی عام اشاعت ہوئی امام مالک نے جو محکمہ طلب حدیث کے لئے سفر نہیں کیا اس لئے اس سلسلہ کے بزرگوں سے ان کو بہت کم اخذ واستفادہ کا موقع ملا یہی وجہ ہے کہ موطا میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں کی روایتیں برائے نام ہیں خلیفہ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ امام مروج سے اس کا فکوحہ بھی کیا تھا کہ آپ کی کتابوں میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایتیں ہماری نظر سے نہیں گزریں امام مالک نے فرمایا۔

لعمریکونابدی ولما لقی
بجناہمنا
یہ دونوں بزرگ ہمارے شہر میں نہ تھے اور نہ ان کے
لوگوں نے میری ملاقات ہو سکی

یہ واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں موطا میں ان دونوں حضرات کی روایات سے کم ہیں جس کی وجہ یہ ہے جو امام مروج نے حضرت علی کی روایات کے متعلق بیان فرمائی ہے ہاں الجواہر المہیضہ میں عبداللہ بن ادریس اودی کوئی کے ترجمہ میں جو امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں حافظ عبدالقادر قرشی کی یہ تصریح ہم کو ملتی ہے کہ۔

وقد قیل ان جمیع ما یرویہ مالک فی
الموطا فیہا جلعفی عن علی فیہا منہا
من ابن ادریس۔
بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تمام روایات جن کو امام مالک
موطا میں جلعفی عن علی کہہ کر مرسل روایت کرتے
ہیں وہ سب انہوں نے ابن ادریس سے سنی ہیں۔

اور قاضی عیاض کی تصنیف کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جلعفی بلاغات موطا میں ہیں وہ بھی انہی سے سنی ہوئی ہیں۔ غرض یہ وجہ ہے کہ موطا میں اہل عراق کی روایتیں درج نہ ہو سکیں لیکن امام محمد نے اپنی روایت میں اس کمی کو پورا کر دیا ہے وہ اپنے نسخے میں بالالتزام ہر روایت کے متعلق اپنا اور اپنے استاذ امام ابو حنیفہ کا مسلک بیان کرتے ہیں اور جہاں اختلافی مسائل آتے ہیں وہاں اہل عراق کے دلائل یہ تفصیل ذکر کرتے ہیں اسی لئے ان کے نسخے میں امام مالک کے علاوہ اور بھی بہت سے شیوخ سے حدیثیں منقول ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب موطا امام مالک کی بجائے موطائے امام محمد کے نام سے مشہور ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شرح سفر السعادت میں لکھتے ہیں۔

وازموطائے امام محمد نیز احادیث آوردہ
شد و آن حکم موطائے مالک دارو
کہ کل اداست چہ امام محمد، موطا از امام
مالک شنید و آنچه متعلق بمذہب حنفیہ
است جدا نوشته، موطائے امام محمد کہ گویند
ایں است
اور موطائے امام محمد سے بھی اس کتاب میں حدیثیں لائی
گئی ہیں اور یہ موطائے امام محمد ہی کا حکم رکھتی ہیں کیونکہ
یہ تمام تردید ہی کتاب ہے بایں طور کہ امام محمد
نے موطا کو امام مالک سے سنا اور جو کچھ حنفی مذہب
سے متعلق تھا اس کو جدا لکھا، موطائے امام محمد جس
کو کہتے ہیں یہ ہے۔

لہٰذا ترمین المالک از سیوطی لکھ خاتمہ اسعاف المبطایہ مال الموطا از سیوطی لکھ شرح سفر السعادت ص ۱۱۰ طبع نول کشور کفہ ۱۲۰

اس کتاب کی تالیف میں امام محمد نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے
 (۱) ترجمۃ الباب کے متفصل سب سے پہلے امام مالک کی روایت درج کرتے ہیں پھر دیگر مختلف روایات
 اور اسی کو ہم لیتے ہیں (کہہ کر بھی اس روایت کے قابل عمل ہونے کی مزید تفصیل دیتے ہیں اور کبھی صرف اتنے
 ہی الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں یہ الفاظ جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے اس روایت کے مفتی بہ ہونے پر دلالت
 کرتے ہیں اور در صورت اختلاف دوسرے شیوخ کی حدیثیں پیش کر کے اس روایت پر عمل نہ کر کے وجوہ نقل
 ہیں۔

(۲) اپنے شیوخ سے حدیثیں روایت کرتے وقت امام محمد ہمیشہ اخبارونا کا صیغہ استعمال کرتے
 ہیں سمعت اور حدثنا وغیرہ نہیں کہتے یہ مقدمین کا طریقہ ہے ان کے یہاں قرأت اور سماع دونوں کے
 لئے یہ الفاظ متصل تھے لیکن متاخرین میں عام طور پر قرأت کے لئے اخبارونا اور سماع کے لئے سمعت
 اور حدثنا کے الفاظ رائج ہیں۔

(۳) مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا قول بالالتزام ذکر کرتے ہیں اور جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں
 امام ابو حنیفہ کے قول کے بعد یہ بھی تصریح کر دیتے ہیں کہ والعامة من فقہائنا۔ (یعنی ہمارے عام فقہاء
 کا بھی یہی قول ہے) یہاں فقہاء سے مراد فقہاء عراق اور عامہ سے مراد ان کی اکثریت ہے اور کبھی اس سلسلہ
 میں صرف ابراہیم غفرلہ کا مذہب بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن کی حیثیت اہل عراق میں وہی ہے جو مسجد
 بن السبیب کی اہل حجاز میں اور کبھی مناسب سمجھتے ہیں تو امام ابو حنیفہ کے قول کے ساتھ امام مالک وغیرہ
 کا قول بھی نقل کر دیتے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں امام محمد نے اس کتاب میں کسی مسئلہ کے متعلق ہذا جمیل یا ہذا حسن وغیرہ
 کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے مراد استحباب نہیں بلکہ صرف عدم وجوب ہے عام اس سے کہ وہ سنت
 مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ اسی طرح لا باس سے اس کتاب میں صرف نفی جو از مراد ہے کہ اہت تنزیہی نہیں،
 چنانچہ تراویح کی بوقت میں امام محمد نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں حالانکہ وہ سنت مؤکدہ ہے اسی طرح
 بینغی کا استعمال بھی امام محمد نے واجب اور سنت مؤکدہ دونوں کے لئے کیا ہے بہر حال ناظرین کو غلط
 فہمی نہ ہونی چاہیئے متاخرین کی اصطلاح میں ان الفاظ کے جو معانی آتے ہیں امام محمد نے ان معانی میں ان
 الفاظ کو استعمال نہیں کیا ہے اسی طرح لفظ اثر کا استعمال بھی قدار کے یہاں مرفوع، موقوف، مقطوع، ہر
 روایت کے لئے عام ہے یاد رہے کہ امام محمد نے بھی اس کے عام معنی ہی میں اس کو رکھا ہے لیکن متاخرین میں بعض
 لوگ حدیث مرفوع کے لئے ”اثر“ کا لفظ استعمال نہیں کرتے ہیں۔

تعداد مرویات | اس کتاب میں کل ایک ہزار ایک سو اسی روایتیں ہیں اس تعداد میں مرفوع
 موقوف، مسند، غیر مسند وغیرہ جملہ مرویات داخل ہیں مجملہ ان کے امام
 مالک کی ایک ہزار پانچ اور بقیہ شیوخ کی ایک سو پچتر ہیں جن میں سے امام ابو حنیفہ سے شیعہ اور امام ابو یوسف
 سے چار روایتیں منقول ہیں۔

ابن حزم ظاہری نے اپنی کتاب التبا لدیانہ میں تصریح کی ہے کہ

لیکن یہ دلائل چونکہ دوسری کتابوں میں طرق صحیحہ ہے مروی ہیں اس لئے انکا ضعف کچھ مضرب نہیں رہا کسی حدیث پر مجتہد کا عمل نہ کرنا اس کی مختلف توجہیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ وہ حدیث منسوخ ہو یا اول ہو یا دوسری ہو یا بات قریہ کے مقابلہ میں مروج ہو امام ابو حنیفہ نے موطا کی جن روایات پر عمل نہیں کیا ہے ان کی تعداد بھی کم و بیش اسی کے قریب قریب ہے جس کے وجہ اس کتاب میں خود آپ کی نظر سے گزریں گے۔

یہ واضح رہے کہ موطا امام محمد کے مطبوع نسخے میں باب صلوة القاعد میں جو یہ روایت مذکور ہے قال احمد حدثنا بشر حدثنا احمد بن حنبل بن ابي اسحق السبيعي عن جابر بن يزيد الجعفي عن عامر الشعبي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يؤمن الناس احدا بعدى جالسا ان رأت بين حمرا وارسيل كفي زيان محمد کا لفظ رہ گیا ہے اصل سند یوں ہے قال احمد حدثنا بشر حدثنا احمد بن حنبل بن ابي اسحق السبيعي عن جابر بن يزيد الجعفي عن عامر الشعبي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يؤمن الناس احدا بعدى جالسا ان رأت بين حمرا وارسيل كفي زيان محمد کا جو قلمی نسخہ دار الکتاب المصریہ میں ۲۴ پر محفوظ ہے اس میں سجدہ امام محمد کا اضافہ موجود ہے اور یہ محدثو ابتدائند میں مذکور ہیں یہ ابو علی صواف ہیں جو اس نسخہ کے راوی ہیں یہ چوتھی صدی کے آدمی ہیں اور آٹھ شیخ بشر بن موسیٰ اسدی مشہور حافظ حدیث ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے اور لشیر کے شیخ احمد مدنی احمد بن مہران نسوی ہیں جو امام محمد کے شاگرد اور ان سے موطا کے راوی ہیں یہ سارا سلسلہ سند ابھی موطا امام محمد حسن قبول کے زیر عنوان آنے والا ہے اسی طرح باب القراءة فی الصلوة خلف الامام میں جو یہ روایت درج ہے قال احمد حدثنا الشيعي ابو علي قال حدثنا صفوان بن محمد المزني قال حدثنا سهل بن العباس الترمذي قال اخبرنا اسمعيل بن علية عن ايوب عن ابن الزبير عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خلف الامام فان قرأه الامام له قراءة اس میں بھی قال احمد سے امام محمد مراد نہیں بلکہ ابو علی کا اشارہ مراد ہے یہ حدیث تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۹۲) میں موجود ہے یہ روایت دراصل شیخ ابو علی صواف کے مؤلف نسخہ کے حاشیہ کی ہے جس کو کسی کاتب نے غلطی سے متن میں درج کر دیا ہے موطا امام محمد میں قلمی نسخہ جو دار الکتاب میں ۲۴ پر موجود ہے اور محدث امیر کاتب الثقاتی کے نسخہ سے منقول ہے اس میں یہ حدیث اسی طرح حاشیہ پر درج ہے لہ

موطا کو امام مالک سے اگرچہ بڑے بڑے فقہاء و محدثین نے روایت کیا ہے جن میں امام شافعی،
عبد الرحمن بن عہدی، معن بن عیسے، عبد اللہ بن یوسف عیسیٰ، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، عبد
بن مسلمہ ثقفی اور قتیبہ بن سعید خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن آج دنیا کے علوم میں ان
میں کسی ایک کے نسخہ کا پتہ نہیں صدیوں سے جن حضرات کی روایت کو شہرت اور قبول عام حاصل ہے وہ صرف یہ دینے والے
مقدمہ تخریر جو مالک سے ملاحظہ ہو بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن اسماعیل ابن ابی شیبہ ص ۶۶ طبع مصر ۱۳۵۵ھ۔

ہیں ایک امام محمد دوسرے فقیہ بن مجیبہ اندلسی مالکی المتوفی ۳۲۰ھ اور آج موطا امام مالک کے نام سے جس کتاب کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے وہ یہی صحیح ہے لیکن امام محمد کی روایت کو فقیہ بھی کی روایت پر حسبِ بلِ جَوہ سے ترجیح حاصل ہے (۱) جلالتِ شان اور فقاہت کے لحاظ سے موطا کے تمام روایات میں امام محمد کا کوئی ہمسر نہیں۔

(۲) امام محمد نہ صرف محدث بلکہ حسب تصریح دارقطنی حفاظ حدیث میں محسوب ہیں اور فقہیت کے اگرچہ ثقہ اور عاقل تھے لیکن اس فن کے مرمویدان نہ تھے چنانچہ ان کے متعلق خود الکی زہری کے مشہور عالم حافظ ابن عبد البر کی یہ تصریح ہے کہ وہ علم یکن لہ بصریہ الحدیث^۱ (ان کو علم حدیث میں بصیرت نہ تھی)

(۴) امام محمد طیفہ کے اعتبار سے صحیح سے اعلیٰ ہیں کیونکہ وہ حسب تصریح محدث حاکم نیشاپوری اتباع تابعین میں سے ہیں اور انہوں نے تابعین کرام کی ایک جماعت سے فیض اٹھا یا ہے فقہ صحیحہ پیشی کو یہ شرف حاصل نہیں۔

روایت فقہیہ کے کہ امام مالک سے پوری موطا کے پڑھنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ جس سال امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام موطا کا انتقال ہو گیا اسی لئے بھیجی کے نسخے میں تمام روایتیں عن مالک شروع ہوتی ہیں لیکن باختر دوم المتکلف للعیاذ فقہنا الاھنکاف اور ما جاء فی بیلة القدر من حدیثی و زیاد عن مالک ہے یعنی یہ ابولبابہ انہوں نے مالک سے نہیں بلکہ ان کے شاگرد زیاد سے پڑھے ہیں لیکن امام محمد نے پوری موطا کو بھی امام مالک سے سنا ہے۔

۶) امام محمد نے امام مالک کی خدمت میں سلسلہ تین سال گزارے ہیں اور امام یحییٰ کو جیسا کہ ابھی آپ کی نظر سے گزرا امام محمد کی نسبت مستانہ امامت حاضری کا بہت کم موقع ملا اور یہ ظاہر ہے کہ طویل العجت کی وایت کو قلیل الامت کی وایت پر ترجیح دی۔
 ۷) امام مالک کے یہاں اسی کا عام طریقہ یہ تھا کہ شاگرد پڑھتے اور وہ خود سنتے تھے لیکن امام محمد کو اس بارہ خاص میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے امام مالک کی حدیثیں خود ان کی زبان سے سنی ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر متحلی نے تحصیل المنفعہ فرماتے ہیں کہ رجال لا تملأ الارض فیہم امام محمد کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

[illegible]

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴

فلو لا طول اقامة محمد عندنا وتمكنه منه ما حصل له عنه هذه وهو احد رواة الموطا عنه وقد جمعه حديثه عن مالك واورد فيه ما يخالفه وهو الموطا المسموع من طريقه۔
 اسلئے اگر امام محمد کا لکھنے پاس طویل قیام نہ ہوتا اور انہیں اس کا بخوبی موقع نہ ملتا تو یہ بات انہیں حاصل نہیں ہو سکتی تھیں امام محمد بھی موطا کے ایک راوی ہیں انہوں نے امام مالک کی حدیث کو جمع کر کے جو روایتیں ان کے خلاف تھیں ان کو بھی بیان کیا ہے اور یہی موطا ہے جس کا سامع ان کے طریقہ ہے۔

۱۵۔ یحییٰ کی روایت میں بہت سے ابواب میں سے ابواب سے خالی ہیں اور ان میں صرف امام مالک کے اجتہادی مسائل کا ذکر ہے لیکن موطا امام محمد کا کوئی باب ایسا نہیں کہ جس میں کوئی حدیث یا اثر موجود نہ ہو۔
 ۱۶۔ مفتی مجیب کا موصوف امام مالک کی روایت تک محدود ہے اور امام محمد کی موطا میں امام مالک کے علاوہ دوسرے شیوخ کی روایت بھی درج ہیں۔

۱۷۔ امام محمد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نسخہ میں موطا کی تمام احادیث کے معمولی بڑے بڑے یا بڑے بڑے کو جمع کیا اور اختلافی مسائل میں طرفین کے دلائل کا نہایت خوبی سے موازنہ کیا ہے بقیہ نسخہ میں یہ بات نہیں سمجھنا پھر محدث کو ذرا فہم ہے ان عمل محمد فی الموطا بعد عمل جلیلہ بعد ان من یحییٰ باحادیث الاحکام علی ان احادیث الجواز کانت مشترکة بین علماء الامم مہم مہم لہم سرورۃ عند ہم کثرۃ مجموعہ و نہاد قہر و کایفوتہم شکی منها فی الغالب انسا اللہ و معرفۃ ما اذا کانوا اخذوا بتامک الاحادیث ام ترکوا کادلۃ اخری وقام محمد فی موطا بہ بتعریف ذلک نصیحت بین مواطن الاخذ کما بین مواطن التذکر بادلتہ لہ۔
 موطا امام محمد امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ علم کا حسن قبول ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آئینے آتے بند ہو جاتے تھے موطا کی عراق میں ہی مقبولیت ہو چکی کہ کوفہ کی کثرت کا یہ علم

۱۸۔ موطا امام محمد امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ علم کا حسن قبول ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آئینے آتے بند ہو جاتے تھے موطا کی عراق میں ہی مقبولیت ہو چکی کہ کوفہ کی کثرت کا یہ علم
 ۱۹۔ موطا امام محمد امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ علم کا حسن قبول ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آئینے آتے بند ہو جاتے تھے موطا کی عراق میں ہی مقبولیت ہو چکی کہ کوفہ کی کثرت کا یہ علم

۲۰۔ موطا امام محمد امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ علم کا حسن قبول ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آئینے آتے بند ہو جاتے تھے موطا کی عراق میں ہی مقبولیت ہو چکی کہ کوفہ کی کثرت کا یہ علم
 ۲۱۔ موطا امام محمد امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ علم کا حسن قبول ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آئینے آتے بند ہو جاتے تھے موطا کی عراق میں ہی مقبولیت ہو چکی کہ کوفہ کی کثرت کا یہ علم
 ۲۲۔ موطا امام محمد امام مالک کی وفات کے بعد جب کوفہ میں امام محمد موطا کا درس دیتے تھے تو حاضرین کی کثرت کا یہ علم کا حسن قبول ہوتا تھا کہ ان کے یہاں آئینے آتے بند ہو جاتے تھے موطا کی عراق میں ہی مقبولیت ہو چکی کہ کوفہ کی کثرت کا یہ علم

اور علامہ سائے ماوراء النہر کے مشہور امام شیخ الاسلام علی بن ابی بکر مرغینانی مصنف ہدایہ المتوفی ۵۹۲ھ موطا نے امام محمد کو اس سند سے روایت کرتے ہیں عن الامام محمد بن عبد البر عن احمد بن حنبل عن ابن جعفر عن احمد بن محمد بن عمار عن احمد بن محمد بن منصور عن الحارثی عن ابی الفضل احمد بن خیرودت عن ابی طاہر عبد الغفار الہذلی عن ابی علی الصواف عن ابی علی بشر بن موسیٰ عن ابی جعفر احمد بن محمد بن مہران عن محمد بن الحسن الامام احمد بن محمد بن موطا امام محمد کو علاوہ اس کے ساتھ روایت نہ کرنا اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں محدث امیر کا تب تقائی صاحب غایۃ البیان تخریج ہدایہ پر یہ یاد رک کیا ہے کہ۔

محدث ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۷ھ حنفی مکہ علامہ ابراہیم بیری زادہ المتوفی ۱۰۹۹ھ شیخ عثمان گمانی فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی المتوفی ۱۲۰۳ھ نے موطا امام محمد پر شرحیں لکھی ہیں محدث ملا علی قاری کی شرح کا نام فتح المخطا بشرح الموطا ہے اسکے قلمی نسخے ہندو پاک کے متعدد مکتب خانوں میں ہماری نظر سے گزرے ہیں علامہ بیری زادہ کی شرح نہایت مبسوط ہے دو جلدوں میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر ہے اسکا عکسی فوٹو جو انتہیوں سے حاصل کیا گیا ہے مجلس حیات المدارس النعمانیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے اور فاضل لکھنوی کی شرح جسکا نام التعلیق المجدلے موطائے الامام محمد ہے نہایت مشہور و منداول ہے اور بار بار طبع ہو چکی ہے اور موطا امام محمد میں جن لوگوں سے حدیثیں مروی ہیں ان کے حالات میں حافظ قاسم بن قطلوبغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ نے ایک مستقل کتاب علیحدہ تصنیف فرمائی ہے۔

امام محمد ابو عبد اللہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی، بعض علماء کا خیال ہے کہ
 شیبانی ان کی نسلی نسبت ہے لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ سب لائے ان کا خاندان جزیرہ کا تھا ان
 کے والدین چھوڑ کر شامی فوج میں داخل ہو گئے تھے اور حرت نامی گاؤں میں جو دمشق کے مضافات میں تھا بوجہ و با ش اختیار کر لی تھی
 یہاں تھے تو اگلے نے انکو بڑی شدت عطا فرمائی پھر بنو امیہ کے آخری دور میں عراق منتقل ہو گئے امام محمد کی ولادت ۱۲۱ھ میں
 واسطہ میں ہوئی جو عراق کا مشہور شہر ہے پھر انکے والد یہاں آگئے لیکن کو ذیل آئے اور یہیں انکی نشوونما ہوئی امام محمد کا بیان ہے کہ
 خلف ابی فلاہ بن الفارہم ذائقہ فقہ غشوا
 علی الخوفا الشجر خمس عشر الفاعلی الحدیث الفقہ
 میرے والد بزرگوار نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے میں نے پندرہ ہزار
 خرچ کر دیے اور پندرہ ہزار حدیث وفقہ پر
 بے بے فقہا و محدثین سے علم کی تحصیل کی حافظ ابن حجر تعجیل المنفعہ میں لکھتے ہیں

ولازم ابا حنیفہ وصل عنہ الفقہ والحدیث سبع
 ایاضافیان الثوری و قیس بن الربیع و عبد بن

امام ابو حنیفہ کی مالیزیت اختیار کی اور ان سے فقہ و حدیث کی
 تحصیل کی خراسانیان ثوری قیس بن الربیع عمر بن زور و ابو نعیم

۱۲ شرح موطا از ابی حنیفہ ص ۳۲ طبع مصر کے یہ پوری سند الخواصر الغنیہ میں امام احمد عارفی کے ترجمہ میں مذکور ہے ماری کے شاکر و نسفی مفتی ثقلین ہیں اور
عمر غفرلہ کی جماعت حریات و مساوات کی ایمان کے صاحب ہا ایک کو عامل ہر کو لے سنا نہیں جتنے کم کو ملے ہوئے اتنی وہ عالمی ہوگی اور جتنے زیادہ ہوئے اسی قدر دنیا
ہوگی لے مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ از ذہبی ص ۵۲ طبع مصر ۱۲

وصحرو غیرہم وسمیع بالشام من الافاضل غیبہم سے حدیثیں نہیں اور شام میں اوزاعی وغیرہ سے حدیث کی روایت
وبالمدينة عن مالک وغیرہم (ترجمہ امام محمد) کی اور مدینہ میں امام مالک وغیرہ سے۔
امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد فقہ کی تکمیل امام ابو یوسف کی حدیثیں رہ کر کی حافظ ذہبی کے الفاظ ہیں۔
ثم لازم ابائوس من بعد حتی یجمع فی الفقه لہ امام ابو حنیفہ کے بعد امام ابو یوسف کی ملازمت میں کچھ اشتباہات میں کمال پیدا
حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاثیر المعروف برواۃ الآثار میں تصریح کی ہے کہ کان من افرا المدینہ فی الذکاؤ کدعات میں
یگانہ روزگار تھے، مورخ ابن نعزی بروی کے انجوم الزاہرہ میں ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں وکان ہما مافقیہا حدیثا
مختلفہ اذکیا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔

انتہت الیہ ریاسة الفقه بالعراق بعد ابی یوسف امام ابو یوسف کے بعد فقہ کی ریاست کھوارق میں ان پر قائم ہوا
وفقه بہ اذکبہ وکان من اذکیاء العالم لہ امامون نے ان سے فقہ کی تحصیل کی اور یہ اذکیاء عالم میں سے تھے
ان میں امام شافعی، امام ابو حفص کبیر بخاری، ابو حنیفہ قاسم بن سلام، ہشام بن عیسیٰ شاذلی، ابو یحییٰ بن جریج
اور عیسیٰ بن ابان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علم حدیث میں امام محمد کا جو پایہ ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حدیث حارثی نے باوجود اس عتد عصبیت کے
جو انکو ائمہ احناف سے ہے انکے بابے میں قرار کیا ہے کہ من اثبتا الفاظہ یعنی یہ حدیث ثقاہ میں سے ہے جن کا ثناء حافظ حدیث میں اور
علی بن ربیع نے جو توفیقہ حال کے امام ہیں انکو صدق پر ہائے ائمہ ہذا پر اور حافظ ذہبی نے منہ ثاب ابی حنیفہ میں تصریح کی ہے کہ
واما الشافعی رحمہ اللہ فاجتہد بہ حدیث الحسن فی الحدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے محمد بن حسن کی حدیث میں جھٹ پکڑی ہے
اور محدث حاکم نیشاپوری نے المستدرک علی الصحیحین میں امام شافعی کی سند سے انکی یہ حدیث نقل کر کے حاشیہ الاموال علیہا
محمد بن یعقوب عود علیہ السلام ثناء الدیمج بن سلیمان ثناء الشافعی بنا محمد بن الحسن علی بن ابی یوسف عن محمد بن
دینار بن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا حمیة کلہمۃ النبی لاتباع ولا توجب لہم تفریح
کی ہو کہ ہذا حدیث صحیح الاسناد و صحیحہ (یہ حدیث صحیح الاسناد ہے حالانکہ بخاری و مسلم نے اسکی تصریح نہیں کی ہے) اس پر
حافظ ذہبی نے شخص المستدرک میں لکھتے ہیں کہ صحیح قلیل بالحدیث میں صحیح ہے کہ میں کہتا ہوں کہ وہ کچھ کے کچھ صحیح ہے اور حافظ
ابن حجر نے تعجیل المنفعہ میں لکھا ہے کہ وکان الشافعی یعظمہ فی العلم وکذا الکتاب احمد امام احمد علم
میں انکو بڑا سمجھتے تھے) امام محمد کا معمول تھا کہ دس پارہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے بکر عقی کا بیان ہے کہ محمد بن ہمام اور
بن ابان نے نماز پڑھنا ان ہی سے سیکھا تھا ۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ رخصت ہوئے اور وہیں انتقال کیا اسی دن
کسانی نے وفات پائی ہارون الرشید کو سخت صدمہ ہوا اور نہایت تاسف سے کہا آج ہم نے فقہ اور خود و نوکروں کو کھو
رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ وغفر لہ مغفرۃ بامعہ

لہ ایضاً صفحہ ۱۷ اس کتاب کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھ انجوم الزاہرہ ج ۲ ص ۱۲۱ طبع مصر ۱۳۰۵ھ تخریج ہدایہ از حافظ ذہبی
ج ۱ ص ۱۴۰ طبع مصر ۱۳۰۵ھ الاثیر المعروف برواۃ الآثار ص ۱۸۱ ثناء ابی حنیفہ و ما حدیثہ ص ۵۹ مستدرک حاکم کتاب المستدرک
ج ۲ ص ۲۲۱ طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۰۵ھ

مقدمہ

مسند حضرت علیؑ

الموسوم بہ

حضرت علیؑ اور علومِ نبوی

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

وَاللَّهُمَّ الرَّسُولُ مُحَمَّدٌ وَفِيهِ الْبَيْتُ الْعَتِيقُ فَالْحَمْدُ

مستطاب

فتح الله الرحمن الرحيم

حضرت العارف علی بن ابی طالب کرم الله وجهه
سیرت و مناقب علیہ السلام و بیوگرافی و کتب و

مشکوٰۃ المصابیح و صحاح و مسند و نحو

مؤلف
بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمه

شیخ الحدیث جناب مولانا عبد الرشید نعمانی

محمد سعید انیسٹریٹ سراج ان کتب خانہ محل کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

حضرت علیؑ اور علم و نبوی

۱۰

جناب مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ابن عم آپ کے داماد، سابقین الاولین میں ممتاز سب سے پہلے اسلام لانے والے، عشرہ مبشرہ کے بزم نشین، خلافت راشدہ کے چوتھے رکن، ان کے فضائل و کمالات کو کوئی کیا بیان کرے۔ بقول حافظ ابن حجر عسقلانی

مات فی رمضان سنة اربعین رمضان سنہ ہجری میں جب اس
وہو یومئذ افضل الاحیاء خالکدان عالم کو آپ نے خیر یاد کہا تو
من بنی ادم بالارض یا جماع باجماع اہل سنت روئے زمین پر جتنے
اہل السنة - (تقریب التہذیب) بھی انسان بقیہ حیات تھے ان سب آپ افضل
تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ
ان الخلافة لمرثیٰین علیاً بل خلافت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
علیٰ مرثیٰینہا۔ عنہ کو زینت نہیں بخشی بلکہ حضرت علیؑ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی لے

اور اسی بنا پر امام ممدوح کی تصریح ہے کہ

من لم ير راجع بعلي في الخلافة جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ پہلام
فہو افضل من حماد اعلیٰ لے نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی
زیادہ بے وقوف ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی گراند قدر تصنیف "قرۃ العینین
فی تفصیل الشیخین" میں حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل کا ایک
مختصر سا جائزہ لیا ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں :

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت ہیں اور ان کے مناقب بے شمار۔

۱۔ وہ پہلے ہاشمی میں جو ایک ہاشمی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۲۔ اُن کی ولادت خاتہ کعبہ میں ہوئی۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو

اُن سے پہلے صرف ایک صاحب کو نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ صاحب جیسا کہ
مستدرک حاکم میں مذکور ہے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۳۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آغوش تربیت
میں نشوونما پائی۔

۴۔ ایک قول کے مطابق یہی پہلے شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان

لائے۔ دوسرے قول کے مطابق پہلے مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ہیں۔

لے حافظ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو امام احمد سے مستند روایت کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۱۔ ص ۱۳۵۔ طبع مصر۔)

لے "منہاج السنۃ" از حافظ ابن تیمیہ۔ ج ۱، ص ۱۴۴ طبع مصر ۱۳۲۱ھ

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ عنہ کے خولیش (دانا) تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ ان ہی کے صلب سے باقی رہا۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر بستر نبوی پر جا کر یہی سوئے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جا چکے ہیں۔ (مدینہ نبوی میں) عقد مواغات کے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مواغات (یعنی آپ کے بھائی بننے) کا شرف حاصل ہوا۔

۸۔ غزوہ بدر میں قریش کے پہلوانوں نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ان کے مقابلہ میں میدان جنگ میں اترے اور غالب رہے اور پھر اس بشارت سے سرفراز ہوئے کہ ”روز قیامت جب (مومنین کی) کفار سے محاصرت شروع ہوگی تو سب سے پہلے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔“

۹۔ غزوہ احد میں ان چند بزرگوں میں سے یہ بھی تھے جو معرکے میں ثابت قدم رہے اور اس جنگ میں نمایاں سعی آپ سے ظاہر ہوئی۔

۱۰۔ غزوہ خندق میں عمر بن عبدود کو جو قریش کا مشہور پہلوان تھا جہنم رسید کیا۔

۱۱۔ غزوہ خیبر میں آشوب چشم کی وجہ سے جو اس وقت آپ کو لاحق تھا اولاً شرکت کا موقع نہ مل سکا لیکن بعد کو توفیق الہی نے دشگیری کی اور باوجود آشوب چشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی ساد نصیب ہوئی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آشوب چشم سے شفا پائی اور قلعہ خیبر آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، اور اس موقع پر الہی

فضیلت نامہ آپ کے نصیب میں آئی کہ زبان رسالت سے یہ کلمات آپ کے حق میں صادر ہوئے

سَابَعْتَ غَدًّا رَجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ ۖ فِي كُلِّ هِيَ آيَسَ شَخْصٍ كَوْدَاسِ مِہِمِ پَر پھینکا
وَرَسُولُهُ وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا
ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ غزوات نبوی میں بہت سے مواقع پر عسا کر نبوی کے علم بردار آپ ہی تھے۔

۱۳۔ ۱۳ھ ہجری میں آیہ برأت کی تبلیغ کا شرف آپ ہی کے حصہ میں
آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرماتے ہوئے کہ
لَا يَبْلُغُهُ إِلَّا أَنَا وَرَجُلٌ مِّنِي اس کی تبلیغ یا تو میں کر سکتا ہوں یا میرے
خاتمہ ان کا کوئی فرد۔

اس حکم کی تبلیغ کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی۔
۱۴۔ غزوہ تبوک میں مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین
ہوئے اور اس باب میں

أَنْتَ مَنِي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ ۖ جُو مَنزِلَتِ هَارُونَ کی موسیٰ کے یہاں تھی
مَنْ مَوْسَى ۖ وہی تمہاری میرے یہاں ہے کی فضیلت
عظمتی آپ کو نصیب ہوئی۔

۱۵۔ ہجرت کے آخری سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی حکومت
پر آپ کو متعین فرمایا اور وہاں کا قلعہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۶۔ اور جب مال غنیمت کے خمس میں سے ایک لوندی آپ کے حصہ
میں آئی اور اس کے بارے میں لوگوں میں قیل وقال شروع ہو گئی تو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے پاس غیرت کی بنا پر لوگوں کو ان کی ایذا رسانی سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا

ہو منی وانا منه اور میں اس کا ہوں۔
(تم نے علی کو کیا سمجھا ہے، وہ میرا ہے)

۱۷۔ اور غدیر خم کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا:

من كنت مولاه فعلي مولاه میں جس کا دوست ہوں علی اس کے دوست ہیں۔

۱۸۔ اور مباہلہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل بیت کو اپنے ہمراہ لے کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے۔

۱۹۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ دعا فرمائی
اللهم هؤلاء اهل بيتي اے اللہ یہ لوگ (علی، فاطمہ، حسن، حسین) میرے
فطرهم تطهروا اہل بیت ہیں تو ان کو خوب پاک کر دے
تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں نہ صرف شامل بلکہ
ان سب کے بڑے تھے۔

۲۰۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے حق میں ارشاد ہے:
لا یحب علیاً منافق علی سے نہ کوئی منافق محبت رکھ سکتا ہے
ولا یبغضه مؤمن اور نہ کوئی مؤمن بغض رکھ سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ آپ امر حق پر علیؑ اور امر الہی کی بجائے اور سی میں شدت کے ساتھ سرگرم تھے۔

۲۱۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حکم دیا کہ مسجد نبوی کے سب دروازے جو لوگوں نے اپنی نجی آمد و رفت کے لئے کھول رکھے ہیں بند کر دیئے جائیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دروازے کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمہائی کا شرف حاصل تھا اور آپ کو ان کا قرب مطلوب تھا۔
ان کیسے فضائل کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ممدوح کے الفاظ ہیں :

ایں بود شرح قیام او بیک جناح اشاعت اسلام جنوت کا ایک بازو ہے
نبوت کافشائے اسلام است اس کے برپا کرنے میں حضرت علی مرتضیٰ
و نصرت او در جناح دیگر از رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو مساعی تھیں یہ ان
جناحین خلافت نبوت کہ کی شرح ہے اور خلافت نبوت کے دو
افشائے علم است آثار جمیلہ بازوؤں میں سے دوسرے بازو کی نصرت
از دے ظاہر شدہ۔ یعنی اشاعت علم کے سلسلے میں جو آپ

سے آثار جمیلہ ظاہر ہوئے (ان کی تفصیل یہ ہے)

- ۱۔ تعلیم قرآن۔ چنانچہ تاحال آپ کی روایت باقی ہے اور قرآن سبعہ میں سے بعض حضرات اس قرآن مجید کو آپ سے روایت کرتے ہیں۔
- ۲۔ حدیث نبوی کی روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار مکثرین میں ہے یعنی ان اصحاب میں جن سے بکثرت احادیث نبویہ مروی ہیں۔

۳۔ فقہ آپ کے عہد خلافت میں آپ کے ہاتھوں بکثرت مسائل کے فیصلے ظاہر ہوئے۔ اور امت میں محفوظ رہے۔

۳۔ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے علم کی گواہی دی اور فرمایا کہ اَنَا مَدِينَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلَىٰ بَابِهَا مِائِينَ حِكْمَتٍ كَاشِفَةٍ هَوْنَ اَدْرِ عَلٰی اُس کا دروازہ ہیں۔

۵۔ اور مسائل قضائیہ ان کے تفوق کو بھی بتایا، چنانچہ ارشاد ہے :
اَقْضَا كَمْ عَلٰی۔ تم میں سب سے بڑے قاضی (مسائل کا فیصلہ کرنے والے)
علیٰ ہیں۔

۶۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر سے پناہ مانگا کرتے تھے کہ
کوئی سخت الجھسا ہوا مسئلہ اُن کے سامنے ایسے وقت پیش آئے
کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔
۷۔ خود حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ

سلونی عن کتاب اللہ واللہ اعلم مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ
ما من ائیۃ الا دانا اعلم لیا کر و خدا کوئی ایسی آیت نہیں جس کے
اَلِیْلِ نَزَلَتْ اَمِنْہَا رَام بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ وہ رات میں اُتری
فی سہل اَوْ فی جَبَل کھتی یارن میں اور وہ وادی میں اُتری تھی یا
پہاڑ پر۔

۸۔ حکمت۔ اور ذہن کا جلدی سے (مسئلہ کی حقیقت کی طرف) منتقل ہو جانا
جو حکمت کے شعبوں میں سے ایک عظیم شعبہ ہے اس کا بھرپور حصہ آپ کو ملا تھا
چنانچہ حساب کے رفیق مسائل نیز مسئلہ کے ماخذ پر کتاب و سنت اور
قاعدہ مقررہ و مسئلہ کی روشنی میں متنبہ کرنے کے بے شمار واقعات
آپ سے منقول ہیں۔

۹۔ اور زہد اور بیت المال کے تصرف میں غایت احتیاط۔ کھانے پینے

پہننے میں سادگی اور بیت المال کی تقسیم میں اپنی قربت کا پاس ملحوظ نہ کرنا۔ ان امور میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مناقب جمیلہ آپ میں موجود تھے کہ یہ بھی واضح رہے کہ ”قرۃ العینین“ میں شاہ صاحب مدوح علیہ الرحمۃ کے پیش نظر اختصار لیکن انھوں نے اپنی دوسری بے نظیر تصنیف ”انزالہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء کی جلد دوم میں مناقب مرتضوی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے۔ جس کی خوبی اس کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ یہ بحث بڑی تقطیع کے پورے چوبیس صفحات پر صفحہ ۲۵۱ سے لیکر ۲۷۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی خدمات کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے ”انزالہ الخفاء“ میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا نہایت ہی مختصر سا تعارف درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

۱۔ و تصییب او از احیاء علوم دینی علوم کے احیاء کے سلسلے میں ان دینیہ آنست کہ جمع او کرد قرآن را بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۲۷۳) مبارکہ ہی میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت نے آپ سے قرآن مجید کو روایت کیا ہے اور اس روایت کا سلسلہ تا حال باقی ہے۔ امام غاصم جن کے شاگرد امام حفص کی قراءت آج تمام دنیا میں متداول ہے اور ہم اہل ہندوپاک بھی اسی قرأت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اس کا سلسلہ اسناد بھی حضرت مرتضیٰ، حضرت

لہ ملاحظہ ہو ”قرۃ العینین فی تفصیل الشیعین“ از ص ۱۳۸ تا ۱۴۰۔ طبع مجتبیٰ۔ دہلی ۱۳۱۱ھ

عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ اسی طرح قراءت سب سے
میں امام حمزہ کی قرأت کی سند بھی حضرت ذی النورینؓ و حضرت علی مرتضیٰؓ پر ختم
ہوتی ہے۔ اور ان حضرات صحابہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے
قرآن مجید اخذ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو آج ہم پڑھتے ہیں۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسی طرح بعینہ لوگوں کے سینوں میں جمع
اور محفوظ تھا۔

وے رضی اللہ عنہ از حفاظ حدیث
وار مکثرین صحابہ است۔ در بادی النظر
قریب شش صد حدیث در کتب
معتبرہ از احادیث مرفوعہ وے
رضی اللہ عنہ مذکور است و فی الحقیقت
مرفوعات اور ہزار بیشتر میتوال
یافت (ص ۲۷۳)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حدیث کے حفاظ اور مکثرین صحابہ
میں سے تھے۔ بادی النظر میں تو چھ سو
احادیث مرفوعہ کے قریب معتبر کتابوں
میں آپ سے منقول ہیں لیکن درحقیقت
آپ کی مرفوع احادیث ایک ہزار سے
زیادہ مل سکتی ہے۔

آپ کی مرویات کی ایک اہم خصوصیت جس کی طرف شاہ ولی اللہ صاحب
نے توجہ دلائی یہ بھی ہے کہ:

و بعض ابواب حدیث کہ پیش
از وے روایت نکرده بودند
فارج اقول اک باب است
(ص ۲۷۳)

اور حدیث کے وہ بعض ابواب جن
کی آپ سے پہلے روایت نہیں کی گئی۔
اس باب کے بیان کرنے کی ابتداء
آپ ہی سے ہوئی۔

چنانچہ اس سلسلے میں شاہ صاحب ممدوح نے خاص طور پر جن احادیث کی

لے معلوم ہوا جو لوگ قرآن کی تحریف یا اس میں کمی بیشی کے قائل ہیں وہ مسلمان نہیں۔ نعمانی

نشانہ ہی کی وادیہ ہیں :

- ۱۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ منورہ اور اوقات شب و روز کے گزران کی کیفیت جو شمائل ترمذی میں مذکور ہے
- ۲۔ نماز مناجات جو نورانیت باطن میں بغایت مؤثر ہے اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔

۳۔ نوافل یومیہ ضحیٰ، صلوٰۃ الزوال وغیرہ جو تصوف کا خاص باب ہے اس کی روایت "مسند احمد" میں موجود ہے۔

اور مسائل فتاویٰ واحکام
بسیارے نقل کردہ شد۔
خصوصاً در کتب امام شافعی
اور مصنف عبدالرزاق و در
مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ
حقہ وافرہ مذکور است
(ص ۲۷۷)

۴۔ و در بحث توحید و صفات
زبانے داشت فصیح و آن بحث
در خطبہ رضی اللہ عنہ
یافتہ می شود و از میان صحابہ

لے بندہ ناکارہ کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اصحاب کی تصانیف میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جتنی روایتیں کی ہیں ان سے بھی زیادہ روایات مذکور ہیں۔

کبار میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ اس بحث میں اپنے زور بیان
میں متفرد ہیں۔ گویا فن کلام میں جو توحید
وصفات کا باب ہے اس کے پہلے متکلم
امت میں آپ ہی ہیں اور ان مقامات
کے بیان میں انبیاء کی اصل سنت سنتیہ
سے آپ نے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔
اور علم تصوف کا تو آپ ایک نہایت
وسیع سمندر تھے..... حضرت
جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
أصول اور بلاء میں تو ہمارے شیخ
علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ہی ہیں۔“

خطبات میں فصاحت و بلاغت کا
طریقہ آپ ہی کا جاری کردہ ہے غلطی
سابق اس میں مشغول نہ ہوئے۔
پھر حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کے عہد میں دینی مسائل کے مشیر اور
ملکی تدبیر میں ان کے وزیر رہے اور
یہ حضرات بھی ان کی تعظیم و توقیر بہت
ہی زیادہ کرتے تھے اور ان کے مناقب

کبار سے کرم اللہ وجہہ بآں
زبان متفرد است گویا در
باب توحید و صفات از فن
کلام متکلم اول او است و
وے در اں مقامات از اصل
سنت سنتیہ انبیاء بیرون نہ
رفتہ (ص ۴۲)

۵۔ در باب تصوف بحرے بود
بغایت وسیع..... قال
الجنید رحمہ اللہ شیخنا
فی الاصول والبلاء علی
المہر تفضلی رضی اللہ عنہ
(ص ۴۴)

۔ و رسم فصاحت و بلاغت در
خطب آورده اوست بخلق
سابق بآن مشغول نمی شدند۔
۔ باز در زمان شیخین مشیر در
مسائل دینیہ و وزیر در تدبیر
ملکیہ ایشان بود و ایشان
در تعظیم و توقیر او در دور
رفہ و مناقب و فضائل

اور رضی اللہ عنہ واضح ساختہ اند- وفضائل خوب کھول کر بیان کرتے تھے۔ (ص ۲۷۴)

اور شاہ صاحب نے "قرۃ العینین" میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اعتماد بر فتاویٰ عبداللہ بن مسعود در غالب حال و بر قضایائے مرتضیٰ در بعض احوال بآں شرط کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند و اثبات نمودہ و بعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخعی و شعبی و تحریر جات ایشان اصل مذہب ابی حنیفہ است کہ سبب آں صورت خاص مذہب او پیدا شدہ (ص ۱۷۲)	اکثر حالات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ پر اور بعض حالات میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر اعتماد کرنا بشرطیکہ ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلامذہ نے نقل کیا اور ثابت رکھا ہو۔ بعد ازاں ابراہیم نخعی و شعبی کی تحقیقات و تحریر جات کو سامنے رکھنا یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کا اصول ہے جس کی بنا پر ان کے مذہب کی ایک خاص شکل پیدا ہو گئی۔
--	---

ان اس شرط کو ملحوظ رکھنے کی وجہ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بتائی ہے کہ:

اصحاب عبداللہ بن مسعود ثقافت و فقہاء اند و رجاء حضرت مرتضیٰ شکر بیان مستور الحال۔ و حدیث مرتضیٰ بدرجہ صحت فرسیدہ است الا آنچه صحابہ علیہ السلام بن مسعود روایت کردہ اند (قرۃ العینین ص ۱۷۲)	کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب ثقافت اور فقہاء ہیں۔ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے ان کے لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کا حال ظاہر نہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی حدیث صحت کے درجہ پہنچتی ہے کہ میں گواہی سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب روایت کرتے ہیں۔
---	---

اس سے اندازہ لگائیے کہ مذہب حنفی پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر ہے وہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام فقہی مسائل مستقل کتاب کی صورت میں علیحدہ بھی مدون کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں :

لالکائی از محدثین اہل سنت مذہب محدثین اہل سنت میں سے لالکائی نے
 علی مرتضیٰ را در فقہیات از کتاب مسائل فقہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ
 الطہارۃ نا کتاب القضاء بترتیب تعالیٰ عنہ کے مذہب کو کتاب الطہارت
 جمع کردہ کتابے مستقل در فقہ سے لیکر کتاب القضاء تک جمع کر کے ایک مستقل
 ساختہ است۔ ہر کسے کہ خواہد کتاب فقہ کی تیار کر دی ہے۔ چنانچہ جو
 بظرف آن کتاب رجوع کند لہ شخص چاہے اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتا
 حافظ شمس الدین الذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں محدث لالکائی کا ترجمہ
 لکھا ہے جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ اللالکائی الامام ابو القاسم ہبة
 اللہ بن الحسین بن منصور الطبری الرازی الحافظ الفقیہ الشافعی
 محدث بغداد۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا۔
 فقہ کی تعلیم ابو حامد اسفرائینی سے پائی تھی۔ محدث خطیب بغدادی حدیث
 میں ان کے شاگرد تھے۔ رمضان ۴۱۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف
 میں اس کتاب کے علاوہ جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب نے کیا ہے ایک
 کتاب السنہ ہے دوسری رجال صحیحین پر ان کی ایک تالیف ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی احادیث مرویہ کو جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے لکھا۔ حدیث کی معتبر کتابوں میں علماء محدثین نے جمع کر دیا ہے۔ کتب حدیث کا ایک مستقل عنوان ہے "مسند" اس نام سے حدیث کی جتنی کتابیں جمع کی گئی ہیں ان میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس صحابی کے تمام روایات کو بلا لحاظ مضمون یکجا کر دیا جاتا ہے۔ مسانید اسلام میں بکثرت مرتب ہوئیں۔ سیکڑوں ہزاروں کتابیں اسی عنوان کے تحت لکھی گئیں مگر ان میں سب سے مبسوط کتاب امام شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن یحییٰ بن مخلد القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۳۸۰ھ کی "مسند کبیر" ہے۔ حافظ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ اس مسند میں تیرہ سو سے زائد صحابہ کی روایات درج ہیں اور پھر ہر صحابی کی حدیث ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب "مسند" بھی ہے اور مصنف بھی۔ اس خوبی کی حامل کسی اور مصنف کی کتاب نہیں۔ شیخ الاسلام یحییٰ بن مخلد علم حدیث میں بخاری و مسلم کے ہمسر تھے۔ امام ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ کان یقیذا خاصۃ من احمد بن حنبل وجاریا فی مضمار بطریق خاص حاصل تھا یہ بخاری و مسلم نے البخاری و مسلم والنسائیؒ اور نسائی کے ہم عنوان ہیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو کشف الظنون زیر عنوان "مسند امام یحییٰ بن مخلد" خاکسار کہتا ہے کہ اسی صفت کی حامل شیخ الاسلام یحییٰ بن مخلد کے معاصر امام ابن جریر طبری کی "تہذیب الاستاذ" بھی ہے لیکن قسوس ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں تمام نہ ہو سکی شیخ الاسلام یحییٰ کی مسند تو آج دنیا میں ناپید ہے لیکن امام ابن جریر طبری کی کتاب کے کئی حصے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ ۲۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ از امام ذہبی ترجمہ یحییٰ بن مخلد۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ دو سو اسی سے زائد شیوخ حدیث سے انھوں
علم حدیث اٹھ کیا اور طلب حدیث میں مشرق و مغرب کو پے سپر کیا تھا۔
حافظ ذہبی نے ”مذکرۃ الحفاظ“ میں ان الفاظ میں ان کو خراج عقیدت پیش
کیا ہے ”وكان اما ماعلماً قدوةً مجتهداً لا يقلد احداً ثقةً حجةً
صالحاً عابداً متطهراً اذا هاء، عديم النظير في زمانه متاخرين
محدثين جو عام طور پر کبھی صحابی کی مرویات کی تعداد بیان کیا کرتے ہیں وہ انھیں
کی مسند کی مرویہ احادیث کی تعداد ہوتی ہے۔

حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد شاہ
ولی اللہ صاحب نے چھ سو کے قریب بتلائی ہے۔ حافظ ابن جوزی کی کتاب
”تلقيع فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسير“ کا جو نسخہ اس وقت ہمارے پیش
نظر ہے اور جس کو سید محمد یوسف ٹوکی نے اپنی تصحیح و اہتمام سے جیدہ برقی پریس دہلی
میں طبع کرا کر شائع کیا ہے اس میں اس ”قریب“ کی تعبیریں پانچ سو چھستیس^{۵۳۶} کی ہے۔
چنانچہ ”اصحاب المئین“ کے زیر عنوان اس کی عبارت یہ ہے:

علی بن ابی طالب خمس مائة حدیث
وستة وثلاثون، وقال ابو نعیم
الاصفہانی اسند الیہ مائة وینفا
من المتن سوی الطریق وقال
البیہقی الذی حفظنا عنہ نحو
مائتی حدیث من ۱۸۴
وہ دو سو کے قریب ہیں۔

علی ابن ابی طالب کی پانچ سو چھستیس^{۵۳۶} روایات
ہیں اور حافظ البغیم اصفہانی نے کہا
ہے کہ چار سو سے زائد متون حدیث
ان سے مروی ہیں طرق و اسانید کا اس
میں شمار نہیں اور حافظ برقی کہتے ہیں کہ
جو حدیثیں ہمارے پاس ان کی محفوظ ہیں

حافظ ابن جوزی نے تعداد حدیث کا سارا باب اسی مسند بغی بن محمد سے

نقل کیا ہے البتہ اس سلسلہ میں وہ مزید اضافہ حافظ ابو بکر برقی کی تاریخ اور حافظ ابو نعیم اصفہانی کی کتاب سے کرتے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویہ احادیث کی تعداد بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے کیا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق "تلقیح میں ستہ و ثلاثون" کے الفاظ غلطی سے طبع ہو گئے ہیں۔ اصل میں "ستہ و ثمانون" ہیں۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اصل مخطوطہ منقول عنہا میں بھی یہ غلطی تھی یا مطبوعہ نسخہ ہی میں واقع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حزم کے پیش نظر بھی "مسند بقی" ہی تھی اور انھوں نے بھی ایک مستقل رسالہ

اس موضوع پر قلمبند کیا ہے جو ان کی کتاب جامع السیرۃ کے ساتھ آخر میں طبع ہو گیا ہے۔ اس میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مرویات کی تعداد

۵۸۶ ہی مرقوم ہے اور یہی تعداد انھوں نے اپنی دوسری کتاب "الفصل فی الملل والاهواء والنحل" میں لکھی ہے۔ چنانچہ ان کی عبارت حسب ذیل ہے:

وَلَوْ بَرَّوْهُ عَنْ عَلَى الْاِخْمَسِ مِائَةً

وَسِتَّةً وَثَمَانُونَ حَدِيثًا مُسْنَدًا

يَصْحَحُ مِنْهَا خَمْسِينَ وَقَدْ عَاشَ

بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَعْرًا زَيْدٌ مِنْ ثَلَاثِينَ سَنَةً

وَكَثْرَ لِقَاءِ النَّاسِ أَيَّامَ وَحَاثِهِمْ

إِلَى مَا عِنْدَكَ لِذَهَابِ جَمْهُورِ

السَّعْبَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ

كَثْرَ سَمَاعِ أَهْلِ الْاِفْتِاقِ

عِنْدَ مَدْرَةِ بَصْفَيْنِ وَأَعْوَامًا

مسند حدیثیں مروی ہیں جن میں پچاس کے قریب صحیح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تیس سال سے زیادہ زندہ رہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بڑی جماعت کے گزر جانے کے سبب لوگ کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس جو علم تھا اس کی ان کو ضرورت پڑی چنانچہ کثرت سے اہل افتاق نے آپ سے حدیثیں

بالكوفة ومرة بالبصرة
والمدینة ر ج ۴ ص ۱۳۷ اور کبھی بصرہ اور مدینہ میں۔
سین کبھی صفین میں اور کئی یرس کوفہ میں

حافظ ابن حزم نے جو تعداد بیان کی ہے یہی تعداد امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور علامہ خزرجی کی کتاب خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال میں مرقوم ہے۔ خزرجی یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں بیس حدیثیں منفق علیہ ہیں یعنی امام بخاری و مسلم و نوں نے ان کو روایت کیا ہے اور نوحدیثوں کی روایت صرف بخاری نے کی ہے اور پندرہ کی صرف مسلم نے۔ غالباً اسی لفظ نظر سے ابن حزم نے صحیح احادیث کی تعداد پچاس کے قریب لکھی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تعداد ”صحیح لذاتہ“ کی ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح کی سب سے عالی قسم شمار کی جاتی ہے ورنہ ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح غیرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن غیرہ۔ یہ چاروں قسمیں بالاتفاق مقبول ہیں اور حجت مانی جاتی ہیں۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تعداد ان احادیث کی ہے جو مسند بقی بن مخلد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ان کی جملہ روایات کی یہ تعداد نہیں۔ بعض لوگوں کو اس سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ”مسند بقی“ میں ہر صحابی کی روایات کی جو تعداد مذکور ہے اس سے زیادہ اس صحابی سے اور کچھ مروی نہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ حافظ ابن جوزی ”تلیق“ میں لکھتے ہیں:

وقد كان ابو عبد الرحمن
بقی بن مخلد جمع فی مسندہ
حدیثا کثیرا عن جمہور
الصحابۃ فعدا منه بعض
روایۃ الاحادیث التي یريها

ابو عبد الرحمن بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں جمہور صحابہ کی حدیثیں جمع کی ہیں چنانچہ اسی بنا پر ہر صحابی نے جو حدیثیں روایت کی ہیں ان میں بعض کی تعداد اسی کتاب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے

کحل صحابی فتوہم بعض اس سے بعض متاخرین اس وہم میں مبتلا
 المتأخرین ان الصحابی لا یوری ہو گئے ہیں کہ یہ صحابی لبس اتنی ہی حدیثیں
 سوی ذلک و لیس کما توہم روایت کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں
 دانہا ہو قدر ما وقع الحی جیسا کہ ان کو ذہم ہوا ہے بلکہ یہ تو روایت کی اس
 المصنف (ص ۱۸۷) مقدار کا بیان ہے جو مصنف کو پہنچی ہے۔

منہجی تو ابجکل ناپید ہے لیکن جو مسانید طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں :-
 ۱۔ مسند امام ابو داؤد و سلیمان بن داؤد طرابلسی المتوفی ۳۸۰ھ جس کا شمار
 اسرم کے قدیم ترین مسانید میں ہے بلکہ بعض حضرات اس باب میں سب
 سے پہلی تصنیف انھیں کی مسند کو خیال کرتے ہیں۔ یہ مسند دائرۃ المعارف
 حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت
 علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات صفحہ ۵ سے صفحہ ۶۰ تک درج ہیں
 مگر درمیان میں کچھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں بھی آگئی ہیں۔ آج
 کل اس کتاب کی مسند علی کی احادیث پر فرزند عزیز محمد عبد الشہید سلمہ اللہ
 تعالیٰ امام سخاوی کی ترتیب مسند طرابلسی کے ایک قلمی نسخے کی مدد سے جس
 کا ایک حصہ ان کو دستیاب ہو گیا ہے کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کو
 اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ مسند امام عبد اللہ بن زبیر حمیدی المتوفی ۲۱۹ھ یہ کتاب دو
 جلدوں میں مجلس علمی کراچی نے شائع کی ہے اور اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام
 مولانا حبیب الرحمن صاحب محدث اعظمی نے انجام دیا ہے۔ مگر اس مسند
 میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی کم روایتیں مذکور ہیں جن کی کل تعداد
 ۲۳ ہے۔

۳۔ مسند امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ جو اس وقت موجودہ تمام مسانید میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور باریک ٹاپ پر چھ ضخیم جلدوں میں پہلے مصر اور پھر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس مسند میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات ص ۷۵ سے ۱۶۰ پر ختم ہوتی ہیں۔

”صحاح ستہ“ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روایات کی تعداد تین سو بائیس^{۲۳} ہے جن کو ان سے ایک سوترین صحابہ و تابعین نے نقل کیا ہے۔ ان سب احادیث کی فہرست حافظ جمال الدین مزی نے اپنی گرانقدر تصنیف ”تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف“ میں راویوں کے اسماء کو حروف تہجی پر مرتب کر کے پیش کر دی ہے اور ہر حدیث کے بارے میں نشاندہی کر دی ہے کہ صحاح ستہ کے کس باب میں کس راوی کی سند سے وہ مروی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث کی بکثرت قلمی اور مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکثرت روایتیں پائی جاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ ان کتابوں میں بعض وہ حدیثیں بھی موجود ہوں جو مسند لقی میں نہیں ہیں۔

”صحاح ستہ“ کی بزم کے رکن رکین امام احمد بن شعیب نسائی المتوفی ۳۰۳ھ جو امام لقی کی طرح امام بخاری و امام مسلم کے ہم پایہ ہیں بلکہ بعض محققین حفاظ و حدیث تو ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ انھوں نے مستقل طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو جمع کرنے پر توجہ دی اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں مدون کر دیا جس کا نام ہے ”مسند امیر المؤمنین علی بن ابی طالب“۔

اسی دور کے ایک اور بزرگ حافظ علامہ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی بصری نزہل بغداد المتوفی ۲۶۲ھ ہجری ہیں۔ جو شیخ الاسلام لقی بن مخلد امام محمد بن جریر طبری اور امام نسائی سب سے عمر اور طبقہ میں بڑے تھے انھوں

نے بھی حدیث میں ایک بہت مسند لکھی تھی جس کا تعارف حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ میں کرایا ہے

ما صنف مسند احسن اس سے بہتر مسند تصنیف نہیں ہوئی لیکن
منہ و لکنہ ما اتمہ وہ اس کو مکمل نہ کر سکے

اور اپنی دوسری مشہور تصنیف "سیر اعلام النبلاء" میں اس "مسند" کا ذکر ان لفظوں میں کرتے ہیں

المسند البکیر العظیم النظیر مسند کبیر عظیم النظیر معتل جس کی مسانید
المعطل الذی تو من مسانید میں سے صرف تیس جلدوں کے قریب
فخو من ثلاثین مجلداً مکمل ہو سکیں۔
ولو کمل لجاء فی مائة مجلداً ورنہ اگر یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچ جاتی تو
(ج ۱۲ ص ۲۷۶)

"معتل" کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی اسانید کے ساتھ ان کے علل پر بھی تفصیل سے کلام کیا جائے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ کوئی معتل کتاب پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس کے ختم ہونے سے پہلے مصنف کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ یعقوب بن شیبہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے وہ کان من کبار علماء الحديث۔ حق تعالیٰ نے ان کو دولت علم کے ساتھ دولت دیوبی سے بھی سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ "مسند" کی تبیض پر دس ہزار اشرفیاں صرف کیں ان کی حویلی میں چالیس لحاف ان بیدضہ نویسوں کے لئے تیار رکھے رہتے تھے جو اس خدمت کو انجام دینے کے لئے رات ان کے یہاں ہی بسر کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس مسند کی "مسند ابی ہریرہ" کا حصہ جو مصر میں لوگوں کی نظر سے گزرا وہ دو سو جز مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مسند یعقوب کے جو اجزاء بیدضہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ وہ مسانید عشر

مبشرہ ہند ابن مسعود ہند عمار ہند عباس اور بعض موالی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسانید میں۔ ان میں صرف علی کریم اللہ وجہ کی مسند پانچ جلدوں پر مشتمل تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث نبوی کی روایت میں جن احتیاطوں کو مدنظر رکھتے تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

۱- وَكَانَ أَمَامًا عَالِمًا مَعْرُوفًا بِالْإِخْذِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام تھے عالم بحیث، انه یستخلف من یثب بالحدیث تھے۔ اخذ حدیث (یعنی روایت قبول کرنے میں) احتیاط برتتے تھے چنانچہ جو شخص بھی آپ کے سامنے کوئی حدیث بیان کرتا تو پہلے اس سے قسم لیتے البتہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اس اصول سے مستثنیٰ تھی کہ آپ ان کی روایت بغیر حلف لئے بھی قبول فرما لیتے تھے۔

۲- عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا النَّاسُ بِمَا يَعْرِفُونَ وَدَعَا مَا يَكُونُ اتَّخَذُوا مِنْهُ بَابًا لِيَكُنْ بَابٌ لِيَعْرِفُوا مَا يَكُونُ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں کو وہ حدیثیں بیان کرو جو جانی پہچانی ہوں اور وہ نہ بیان کرو جن سے وہ بدکیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

حضرت ممدوح کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی نے یہ انارہ فرمایا ہے :-

فَقَدْ زَجَرَ الْأَمَامَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رِوَايَةِ الْمُنْكَرِ وَحَثَّ عَلِيَّ التَّحْدِيثَ بِالْمَشْهُورِ هَذَا أَصْلُ كَبِيرٍ فِي الْكَفِّ رَابٍ دِيكْهُ (بلاشبہ امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکر (ادھر سے) روایات کے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا اور مشہور روایت کے بیان کرنے کی ترغیب

لہ ان ساری تفصیلات کے لئے "تذکرۃ الحفاظ" امام ذہبی میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

عن بث الاشياء الواهية دلائل اور یہ فضائل، عقائد و مواظک
 والمنكوة من الاحاديث في بارے میں واہی اور منکر روایات کے
 الفضائل والعقائد والوثائق بیان کرنے سے رک جانے کا بڑا کام
 ولا سبيل الى معرفة هذا اصول ہے اور منکر کی غیر منکر سے شناخت
 من هذا الامعان في معرفة جب تک فن رجال میں گہری نظر نہ ہو
 الرجال - نہیں ہو سکتی۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند صحابہ میں شامل ہیں جن کو عہدِ
 رسالت میں حدیث نبوی کی کتابت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ
 ذہبی نے نقل کیا ہے:-

عن علي قال ما كتبنا عن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
 رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے
 وسلم الا القرآن وما في قرآن کریم کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے (جو
 هذا في الصحيفة۔ تمہارے سامنے ہے) اور کچھ نہیں لکھا۔

اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی
 احکام سے متعلق تھیں۔ حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ
 حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بہت ہیں اور میں نے ایک
 مستقل کتاب آپ کے لئے فضائل اور مناقب پر لکھی ہے جو ایک پوری جلد
 میں ہے اور اس کا نام ہے "فتح الطالب في مناقب علی ابن ابی طالب"۔

احادیث نبویہ کے مطالب و معانی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد بھی آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

اذا حدثتكم عن رسول الله جب تمہارے سامنے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم حدیث بیان
 فظنوا به الذی ہوا ہذا
 الذی ہوا ہذا الذی ہوا
 اتفق رمسند احمد بن حنبل
 ر ج ۱ - ص ۱۱۱
 صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان
 کی جائے تو وہ معنی لو جو سب سے زیادہ
 عمدہ، سب سے زیادہ قرین ہدایت
 اور سب سے زیادہ تقویٰ کو
 بتاتے ہوں۔

محدثین نے اختلاف روایت کے تحت ترجیح کے بہت سے اصول
 بیان کئے ہیں، چنانچہ حافظ ابو بکر ہازمی نے اپنی مشہور کتاب الاعتبار فی
 الناسخ والمنسوخ من الآثار میں پچاس کے قریب وجوہ ترجیحات ذکر کی
 ہیں۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان دونوں جگہ طبع ہو چکی ہے۔ اس میں
 پچاسواں قسملطہ یہ بتایا ہے کہ جب کسی ایسے معاملے میں دو مختلف حدیثیں
 وارد ہوں کہ جن کا تعلق قضاء سے ہو تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کردہ
 حدیث کو ترجیح دی جائے گا۔

اہل سنت میں مذہب حنفی کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 خصوصی نسبت ہے۔ یہ مذہب آپ کے انفس قدسیہ کی خصوصی برکات
 کا حامل ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے جد امجد ایک
 بار اپنے صغیر السن صاحبزادہ جناب ثابت علیہ الرحمہ کو جو امام صاحب کے
 والد ماجد ہیں لے کر خدمت مرتضویٰ میں حاضر ہوئے تو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں برکت کی خصوصی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ
 یہ اسی دعا کی برکت کا اثر ہے کہ فقہ حنفی کو چار دانگ عالم میں غلبہ نصیب ہوا
 اور آج بھی اسلامی دنیا کی غالب اکثریت اسی مذہب کی پیروں ہے۔ فقہ مرتضوی
 کا اصل ترجمان مذہب حنفی ہی ہے۔ دور کیوں جانیئے۔ نماز کے مشہور مسائل

آہستہ سے آہین کہنا۔ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرنا۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا، گاڈوں میں نماز جمعہ و عیدین کا نہ پڑھنا تراویح کی بیس رکعت۔ ان تمام مسائل میں فقہ حنفی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی کے فتاویٰ پر عمل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمہ میں میفرہ بن مقسم ضبی علیہ الرحمہ سے جو کوفہ کے مشہور فقہاء محدثین میں ہیں اور امام حنیفہؒ کے استاد بھی۔ مروی ہے کہ

لہر یکن یصدق علی علیؑ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات فی السندیت الامن اصحاب میں صرف وہی روایت درست سمجھی جاتی تھی عبد اللہ بن مسعود جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ان سے نقل کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی مسند علی کے صدر نشین ہیں جس کا سلسلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب سے عہد بعہد آپ تک منتہی ہوا۔ اسی لئے مذہب حنفی میں حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو علم منتقل ہوا وہ بالکل صحیح طریقہ پر منتقل ہوا، پھر مذہب حنفی میں جس کثرت سے اولیا ہوئے ہیں دوسرے مذاہب میں نہیں ہوئے۔ تمام اولیاء اللہ کے سلاسل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

امام حافظ شمس الدین ذہبی نے جو علم تاریخ اور اسما الرجال کے ایک غنیمت خیال کئے جاتے ہیں۔ اپنی مشہور بے نظیر کتاب سیر اعلام النبلاء میں تصریح کی ہے کہ فافقہ اہل الکوفۃ علی اہل کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ علی اور

۱ صاحب مسعود، وافقہ
 ۱ صاحبہما علقمہ، وافقہ
 ۱ صاحبہ ابراہیم، وافقہ
 ۱ صاحب ابراہیم حماد
 ۱ ابو حنیفہ، وافقہ، اصحابہ
 ۱ ابو یوسف، وانتشر اصحاب
 ۱ ابی یوسف فی الآفاق،
 ۱ وافقہم محمد، وافقہ
 ۱ اصحاب محمد ابو عبد اللہ
 ۱ الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ
 (ج ۵ ص ۲۳۶)

اور ابن مسعود ہیں، اور ان دونوں کے اصحاب
 میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ ہیں اور علقمہ
 کے اصحاب میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم
 نخعی ہیں اور ابراہیم کے اصحاب سب سے
 بڑے فقیہ حماد ہیں اور حماد کے اصحاب میں
 سب سے بڑے فقیہ ابو حنیفہ ہیں اور
 ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے بڑے
 فقیہ ابو یوسف ہیں۔ پھر ابو یوسف کے
 اصحاب آفاق عالم میں پھیل گئے۔ اور ان
 میں سب سے بڑے فقیہ محمد ہیں۔ اور
 محمد کے اصحاب میں سب سے بڑے
 ابو عبد اللہ شافعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان سب
 پر رحمتیں نازل ہوں۔

ہمارے محترم دوست سید جمیل احمد نقوی صاحب کی یہ بڑی سعادت
 ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق بخشی کہ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی
 جتنی روایت کردہ احادیث، حدیث کی مشہور و متداول کتاب مشکوٰۃ المصابیح
 میں موجود ہیں ان سب کو انھوں نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ کام علمائے کرام نے کاتھا۔
 سید صاحب عالم نہیں مگر توفیق حق ہے جس کو ارزانی ہو جائے۔ سچ ہے
 داد اور قابلیت شرط نیست
 بلکہ شرط قابلیت داد و است

دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اس پر اجر جزیل

عطا فرمائے۔ آمین۔

والحمد لله اذلاً و آخراً وصلى الله تعالى
على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

محمد عبدالرشید نعمانی

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

مقدمہ

بلوغ المرام

الموسوم بہ

حیات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

حیات حافظ ابن حجر عسقلانی

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی

نام و نسب

احمد نام، ابو الفضل کنیت، شہاب الدین لقب اور ابن حجر عرف ہے۔ شجرۂ نسب یہ ہے
احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد الکناانی العسقلانی المصری ثم القاہری الشافعی، الضو اللانی

اور شذرات الذہب میں یہی مذکور ہے، لیکن حافظ ابن ہند نے لحظہ الاحاط میں اور علامہ سیوطی نے ذیل طبقات الحفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔ احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی محمود بن احمد بن احمد۔

حجر حسب تصریح سخاوی آپ کے آباء واجداد میں سے کسی کا لقب ہے، لہذا آپ بنو کمانہ میں سے ہیں جو عرب کا مشہور قبیلہ ہے آپ کے بزرگ اصل میں عسقلان کے رہنے والے تھے جو فلسطین کے اطراف میں ساحل سمندر پر شام کا مشہور شہر ہے۔ اس نسبت سے آپ عسقلانی مشہور ہیں، ورنہ آپ کی ولادت مصر میں ہوتی، یہیں نشو و نما پائی زندگی کی بہار دیکھی اور آخر یہیں سپرد خاک کئے گئے۔

۱۔ اس تذکرہ کے مرتب کرتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں: (۱) لحظہ الاحاط بذیل تذکرۃ الحفاظ از حافظ ابو الفضل تنقی الدین بن فہد مکی شافعی متوفی ۸۷۱ھ مطبوعہ مطبع توفیق دمشق ۱۳۲۴ھ اس کتاب میں حافظ صاحب کا تذکرہ سب سے زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، ابن فہد حافظ صاحب کے شاگرد بھی تھے (۲) الضوء اللامع لایل القرن التاسع از حافظ ابو الخیر شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی متوفی ۹۱۲ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ سخاوی حافظ صاحب کے تلمیذ خاص ہیں (۳) التبر المسبوک فی ذیل اسلوبک یہ بھی سخاوی ہی کی تصنیف ہے، یہ کتاب ۸۹۶ھ میں مصر کے مطبع بولاق میں چھپی تھی، فتح الباری کا جو نسخہ اسی مطبع میں ۸۳۰ھ میں طبع ہوا ہے اسکی ابتدا میں بھی التبر المسبوک سے حافظ صاحب کا پورا ترجمہ منقول ہوا اور اس وقت وہی ہمارے پیش نظر ہے (۴) ذیل طبقات الحفاظ از جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ مطبع توفیق دمشق ۱۳۲۴ھ (۵) کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفنون از ملا کاتب حلبی متوفی ۸۷۴ھ مطبوعہ استنبول ۱۳۶۶ھ (۶) شذرات الذہب فی اخبار من شہب از مورخ عبد الحمید بن العمدان حنبلی متوفی ۸۸۹ھ مطابق مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ (۷) اتحاف النبلاء المتقین باخبار ماثر الفضلاء والحقائین از اباب صدیق حسن خاں قزوچی المتوفی ۱۳۰۴ھ مطبوعہ مطبع نظامی ۱۲۸۵ھ (۸) زیہ البیاض اللجینی فی ترجمہ البدیع العینی از محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثری المتوفی ۱۳۱۵ھ یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری مگر اس کا خلاصہ جو عمدۃ القاری فی شرح البخاری مطبوعہ مطبع منیرہ مصر کے اول میں "ترجمتہ صاحب عمدۃ القاری" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ وہ اس وقت ہمارے سے پیش نظر ہے۔ (۹) التلیق علی الذیول، یہ علامہ کوثری کے وہ حواشی ہیں جو انہوں نے ابن فہد اور سیوطی کے ذیل پر لکھے ہیں اور انہی کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔

آپ کی ولادت ۳۸۳ھ میں شعبان کی باتیسویں یا تیسویں تاریخ کو ہوئی۔

ولادت

ابھی آپ کی عمر چار برس ہی کی تھی کہ رجب ۳۸۳ھ میں پدر بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ تنہا گئے۔

سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ

آپ کے والد کے اوصیاء میں سے ایک صاحب فقہ زکی الدین خروبی انہوں نے اس یتیمی کی حالت میں آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لیا اور بڑے ہونے تک انہی کے زیرِ کفالت رہے جب پورے پانچ برس کے ہوئے تو مکتب میں داخل کئے گئے، نو برس کی عمر میں صدر الدین سفلی شارح مختصر تہذیبی کے پاس مشرک آن پاک حفظ کر لیا۔ مشرک آن پاک کے علاوہ درسی کتابوں میں سے حسب ذیل کتابیں بھی آپ نے زبانی یاد کی تھیں۔ حدیث میں عمدۃ الاحکام مؤلفہ حافظ عبد الغنی مقدسی المتوفی ۶۱۵ھ، فقہ شافعیہ میں الحادۃ الصغیرہ مؤلفہ شیخ نجم الدین عبد الغفار بن عبد الکریم قزوینی المتوفی ۶۱۵ھ، اصول فقہ میں مختصر ابن الحاجب المتوفی ۶۲۶ھ، اصول حدیث میں الفیہ عراقی المتوفی ۶۲۷ھ اور نحو میں طحطاوی مؤلفہ ابو محمد قاسم بن علی الحریری المتوفی ۶۱۵ھ۔ سخاوی نے ان پانچوں کتابوں کے نام لیکر وغیرہا بھی لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور بھی کچھ یاد کیا تھا۔

۳۸۴ھ کے آخر میں جب کہ آپ گیارہ سال کے تھے اپنے وصی کی معیت میں حج بیت اللہ کے لئے گئے اور ایک سال تک جو ار حرم ہی میں مقیم رہے، مگر معظمہ کے زمانہ قیام میں شیخ عقیف الدین عبد اللہ بن محمد النشاری سے صحیح بخاری کا سماع کیا، فن حدیث میں یہ آپ کے پہلے استاذ ہیں جن سے آپ نے حدیث شروع کی تھی، اسی زمانہ میں حافظ ابو حامد محمد بن ظہیر المتوفی ۳۸۵ھ سے عمدۃ الاحکام خوب بحث کے ساتھ پڑھی اور اسی سال یعنی ۳۸۵ھ میں مسجد حرام میں نماز تراویح میں مشرک آن پاک سنایا ۳۸۵ھ میں مصر لوٹے اور عبد الرحیم بن زین سے صحیح بخاری کا سماع کیا پھر ۳۸۹ھ کے بعد مصر ہی میں وہاں کے مقامی شیوخ اور باہر کے آنے والے محدثین کی ایک بڑی جماعت سے جن کی اسناد عالی تھی۔ حدیث کا بہت کچھ سماع کیا، ان حضرات اساتذہ میں ابن ابی ابراہیم برہان شامی، عبد الرحمن بن شیحہ، حلاوی، سید اوی، مریم بنت اذری، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، زان بعد ۳۹۰ھ میں آپ نے دمشق کا سفر کیا اور وہاں آپ کو بعض وہ اساتذہ ملے جو قاسم بن عساکر اور حجاز کے مشاہیر تھے اور جن کو تقی الدین سلیمان بن حمزہ اور اسی طبقہ کے دیگر محدثین سے اجازت حاصل تھی۔

آپ نے انکی حج کئے، در طلب حدیث میں بہت سے مشہور کا سفر کیا، حافظ ابن قہد نے اس سلسلہ میں حسب ذیل مقامات کے نام لکھے ہیں، حریم، اسکندریہ، بیت المقدس، الخلیل، نابلس، رملہ، غزہ، بلادین وغیرہ، مورخ ابن العباد نے آپ نے جہاں جہاں اس فن کی تحصیل کی ہے وہاں کے مشہور اساتذہ کے نام بھی گنائے ہیں جو درج ذیل ہیں :-

قاسم بن سراج الدین بقی، حافظ ابن الملقن، حافظ زین الدین عراقی (حافظ ابن حجر نے ان حضرات سے فقہ کی تعلیم بھی پائی تھی)، برہان الدین ابناسی، نور الدین ہمشی وغیرہ۔

۱۔۲۔۳۔۴۔۵۔۶۔۷۔۸۔۹۔۱۰۔۱۱۔۱۲۔۱۳۔۱۴۔۱۵۔۱۶۔۱۷۔۱۸۔۱۹۔۲۰۔۲۱۔۲۲۔۲۳۔۲۴۔۲۵۔۲۶۔۲۷۔۲۸۔۲۹۔۳۰۔۳۱۔۳۲۔۳۳۔۳۴۔۳۵۔۳۶۔۳۷۔۳۸۔۳۹۔۴۰۔۴۱۔۴۲۔۴۳۔۴۴۔۴۵۔۴۶۔۴۷۔۴۸۔۴۹۔۵۰۔۵۱۔۵۲۔۵۳۔۵۴۔۵۵۔۵۶۔۵۷۔۵۸۔۵۹۔۶۰۔۶۱۔۶۲۔۶۳۔۶۴۔۶۵۔۶۶۔۶۷۔۶۸۔۶۹۔۷۰۔۷۱۔۷۲۔۷۳۔۷۴۔۷۵۔۷۶۔۷۷۔۷۸۔۷۹۔۸۰۔۸۱۔۸۲۔۸۳۔۸۴۔۸۵۔۸۶۔۸۷۔۸۸۔۸۹۔۹۰۔۹۱۔۹۲۔۹۳۔۹۴۔۹۵۔۹۶۔۹۷۔۹۸۔۹۹۔۱۰۰۔

سریاقوس: (قاہرہ کے اطراف میں ایک چھوٹا سا شہر تھا) صدر الدین البیہلی

غزوہ: احمد بن محمد غیلی

رمکہ: احمد بن محمد الایکی

الخلیل: صالح بن غلیل بن سالم

بیت المقدس: شمس الدین القلقشندی، بدر الدین بن کی، محمد المنبجی، محمد بن عمر بن موسیٰ۔

دمشق: بدر الدین بن قوام بالسی، فاطمہ بنت المنجاتوخیہ، فاطمہ بنت عبد الہادی، عائشہ بنت عبد الہادی وغیرہ

منے: زین الدین ابو بکر بن الحسین۔

شذرات میں آپ کے سلسلہ سفر میں ہمیں کا بھی ذکر ہے لیکن وہاں کے کسی شیخ کا نام نہیں لکھا، حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ جوان ہونے کے بعد آپ نے حسب ذیل علماء سے مندرجہ ذیل علوم کی تحصیل کی تھی۔

شمس الدین بن القطان: ان کو بھی آپ کے والدوسی کر گئے تھے، فقہ، عربیت اور حساب وغیرہ کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک مدت تک آپ نے ان کی ملازمت اختیار کی، حادثی کا ہمیشہ حصہ بھی ان ہی سے پڑھا تھا۔

نور الدین ادومی: ان سے بھی مدت تک فقہ و عربیت کی تحصیل کرتے رہے۔

سراج الدین بلقینی: مدت تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کے فقہ کے اسباق میں حاضر ہوتے رہے۔ حسب ذیل کتابیں ان کے پاس پڑھیں (۱) الروضۃ فی فروع الشافعیہ از علامہ نووی المتوفی ۷۲۷ھ (۲) خود بلقینی نے اس کتاب پر جو حواشی لکھے تھے وہ (۳) مختصر منزی، اس کی قرارت شمس الدین برمادی کرتے تھے اور یہ سنتے تھے، درس و افتاء کی اجازت بھی سب سے پہلے حافظ صاحب کو ان ہی نے دی تھی۔

برہان الدین ابناسی: ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور منہلج وغیرہ کو خوب بحث سے پڑھا، چونکہ موصی کو آپ کے والد بزرگوار سے نہ وہی تعلق تھا اس لئے بڑے نرصتہ تک ان کی خدمت میں حاضر رہے۔

سراج الدین ابن الملقش: انہوں نے منہلج پر جو شرح لکھی اس کا آخر حصہ انہی سے پڑھا۔

عز الدین بن جماعہ: جن علوم کا یہ درس دیتے تھے ایک زمانہ تک ان کی تحصیل کے سلسلہ میں ان کی خدمت میں حاضر رہے اور حسب ذیل کتابیں ان سے پڑھیں (۱) شرح المنہاج الاصلی (۲) مجمع الجوامع (۳) شرح جمع الجوامع از عز الدین مذکور (۴) مختصر ابن الحاجب (۵) شرح مختصر ابن الحاجب از عطیہ الدین ابی، اس کا نصف اول (۶) مطول۔

علماء مذکورین کے علاوہ بہام الدین خوارزمی، قنبر جمعی کے درسوں میں حاضر رہے اور بدر الدین بن صہدی،

ابن الصاحب، شہاب الدین احمد بن عبد اللہ بومیری اور جمال الدین مار دانی موقت و حارب سے مختلف

علوم و فنون کی تحصیل کی۔ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس سے علم افت حاصل کیا، غماری اور عبد الدین

بن ہشام سے عربیت سیکھی، بدر الدین بشتکی سے ادب و عروض وغیرہ کی تعلیم پائی، ابو علی زفتادی اور نور الدین

برمادی سے کتابت کو سیکھا۔ تنوخی سے فن تہرات اخذ کیا اور المفلحون تک ان کے یاس سبعہ کی قرارت

کی تجوید اس سے پہلے دیگر حضرات کے پاس حاصل کر چکے تھے۔ حافظ سخاوی ان اساتذہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ان میں سے ہر ایک اپنے علم میں متبحر تھا اور جس فن میں اس کی شہرت تھی اس پایہ کا تھا کہ دوسرا اس کو نہیں پاسکتا تھا، چنانچہ تنوخی معرفت قرأت اور اس کی عالی اسناد میں اور عراقی عنون حدیث اور اسکے متعلقات میں اور ہمیشی حفظ متون اور استخصار میں اور بلقینی وسعت حفظ اور کثرت اطلاع میں اور ابن الملتن کثرت تصانیف میں اور محمد فیروز آبادی حفظ المغت اور اس کی معلومات میں اور غامری علم عربیت اور اسکے مقلحات میں اور اسی طرح محب الدین بن ہشام کہ وہ بھی کثرت ذکرات باعث اس فن پر بڑی قدرت رکھتے تھے ہاں غمار سی حفظ میں بڑے ہرے تھے اور عز الدین بن جماع بہت سے علوم میں نفیس کی بنا پر (کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں پندرہ علوم ایسے پڑھتا ہوں کہ علماء زمانہ ان کے نام تک سے واقف نہیں) ایسے ہی تھے۔"

حافظ صاحب نے سارے فنون نہایت محنت سے پڑھے تھے اور ان پر وہ کمال مہم پہنچایا تھا کہ باید و شاید سخاوی لکھتے ہیں :-

وحد في الفنون حتى بلغ الغاية - اپنے فنون میں پوری کوشش کی اور نہایت اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔
بہر حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے دل میں علم حدیث کی محبت ڈالی اور آپ بالکلیہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔
یوں تو بقول سخاوی آپ نے ۹۲۳ھ ہی میں طلب حدیث شروع کر دی تھی لیکن پوری توجہ اس کی طرف آپ نے ۹۹۹ھ میں کی اور اس کثرت سے اس فن کی کتابوں کا سماع کیا اور اتنے کثیر مشائخ سے اس علم کو اخذ کیا کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ ابن قیو لکھتے ہیں :-

ومسموعاتہ ومشاوئہ کثیرۃ جدا
لا توصف ولا تدخل تحت الحصر
ان کی مسموعات اور ان کے مشائخ کی تعداد بہت
بہت زیادہ ہے جو بیان سے باہر ہے اور شمار میں نہیں آ سکتی۔
سخاوی کا بیان ہے :-

واكثر جدا من المسموع والشیوخ
شمع العالی والنازل واخذ عن الشیوخ
والافران فسمع دونهم
انہوں نے مسموع اور شیوخ کی بہت ہی کثرت کی چنانچہ
عالی بھی سمعنا اور نازل بھی، اساتذہ سے بھی افاد
کیا اور معاصرین سے بھی بلکہ ان سے نیچے کے طبقے سے بھی

ان ہی معاصرین میں ایک قابل ذکر ہستی شیخ الاسلام حافظ بدر الدین محمود عینی شارج بخرای التونی
۵۵۵ھ کی ہے کہ جو حافظ ابن حجر سے عمر میں بارہ سال بڑے تھے اور آپ کی وفات کے تین سال بعد
تک زندہ رہے۔ حافظ عینی میں اور آپ میں معاصرانہ چشمک بھی تھی، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر
نے آپ سے بہت کچھ اخذ فیض کیا ہے۔ صحیح مسلم کی دو جلدیں اور مسند احمد کی ایک حدیث آپ سے سنی
ہے اور اپنی تصنیف البدایات میں حافظ عینی سے ان حدیثوں کی روایت بھی کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے
المجمع البیہم المفہرس کے طبقہ ثالثہ میں اپنے اساتذہ کے ضمن میں حافظ عینی کا مختصر سا تذکرہ بھی لکھا ہے
بلاشبہ حافظ صاحب نے علم حدیث میں بے شمار اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا لیکن خصوصی

طور پر جس نے اس فن میں ان کی تربیت کی وہ حافظ زین الدین عراقی ہیں (جن کو اس فن کا مکمل حافظ ابن الترمذی حنفی مصنف ابوہریرہ النقی کی زیر تربیت حاصل ہوا تھا) سخاوی لکھتے ہیں:-

فصکف علی النربین الحسائی وتخرج بہ و بہر آپ زین الدین عراقی کے آستانہ پر فروکش ہوئے ان سے انتفع بہملازمتہ ہی اس فن کی تربیت یابی اور ان ہی کی ملازمت سے نفع اٹھایا۔

حافظ عراقی سے آپ نے اس فن کی (حسب تصریح سخاوی والکثیر من الکتب الکبار والاخراج الصغار) چھوٹی بڑی بہت سی کتا ہیں پڑھیں اور خود ان کی تصانیف میں سے بھی حسبِ پیل کتا ہیں خوب سمجھ کر اور نہایت تحقیق کے ساتھ ان سے پڑھی تھیں (۱) الفیہ (۲) شرح الفیہ (۳) نکات علی ابن الصلاح، اس کے علاوہ ان کی امالی کا بھی ایک بڑا حصہ ان سے حاصل کیا تھا بعض امالی میں ان کے مسئل بھی ہوتے تھے۔ حافظ عراقی ہی نے سب سے پہلے آپ کو حدیث پڑھانے کی اجازت دی تھی۔

حافظہ اور ذکاوت قوتِ حافظہ اور ذکاوت خدا داد تھی، ابن فہد نے لکھا ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ نے کاپورا سفہ دو دفعہ کے پڑھنے سے یاد ہو جاتا تھا۔ پہلی دفعہ استاز سے صحیح کر کے پڑھتے دوبارہ خود پڑھتے اور تیسری دفعہ زبانی مسند دیتے۔

ذکاوت ایام طالب علمی ہی میں عیاں تھی۔ حافظ ابن فہد لکھتے ہیں:-
وکان احسن اللہ تعالیٰ الیہ فی حال طلبہ مفید فی ذی مستفید
اللہ ان کا بھلا کرے کہ یہ عہد طالب علمی ہی میں مفید بصورت مستفید تھے۔

علم و فضل حافظ صاحب کو مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل تھا، سب سے پہلے ادب و تاریخ پر توجہ کی تھی اس کے بارے میں ابن فہد کی شہادت ہے ففاق فی فنونہما ادب و تاریخ دونوں کے فنون میں آپ فائق تھے، فقہ اور عربیت کے متعلق ابن العمد کے الفاظ ہیں ویرع فی الفقہ والحربیۃ آپ فقہ اور عربیت میں ممتاز تھے شعر و سخن کا فطری ذوق تھا۔ بچپن سے شاعری خیر میں بڑی تھی بڑے عمدہ شعر کہتے تھے، ابن العمد کا بیان ہے۔
وتولع بالنظم وقال الشعر کثیر شاعری کے دلدادہ تھے۔ بہت شعر کہے جو انتہا الملیح الی الغایت درجہ کے ممکن تھے۔

ابن العمد نے آپ کے اوصاف کمال میں خصوصیت کے ساتھ یہ الفاظ لکھے ہیں راویۃ للشعر شعر بہت روایت کرتے تھے، ابن فہد آپ کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
وقال الشعر الحسن الذی هو ارق ایسے عمدہ شعر کہے کہ جو نسیم سر سے بھی زیادہ دلاؤیز من النسیم و طارح اکادباء ہیں، اور ادیبوں سے دنگل رہا۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ابن فہد نے آپ کے قصیدہ کا ایک مطلع نقل کیا ہے
مازلت فی سفن العوی تجوی بی : کا نانی عقلی ولا تجوی بی : میں محبت کے سفینوں میں برابر رہتا ہوں : زبیر علی بن جراح نے

ابن العباد نے آپ کے دیوان سے یہ دو شعر نقل کئے ہیں :-

أَحْبَبْتُ وَقَادًا كَجَمْرِ طَالِحٍ ۞ أَنْزَلْتُهٖ بِرِضَا الْغَرَامِ فَوَادِي

(میں نے اس سے محبت کی ہے جو بھٹکنے والے تارے کی طرح دمکتا ہے اور فرط شوق میں چاہت سے اس کو اپنے دل میں اتار رہا ہے)

وَأَنَا الشَّهَابُ فَلَا تُعَانِدْ عَادِي ۞ إِنَّ مِلَّتْ نَحْوًا لِكَوْكِبِ الْوَقَادِ
(اور میں شہاب ہوں اس لئے اگر کوکب درختاں پر مائل ہو گیا تو اس بات سے میرے ناصح کو عناد نہ ہونا چاہئے)

اور حدیث میں تو حافظ صاحب کا جو پایہ ہے محتاج بیان نہیں، حافظ سیوطی لکھتے ہیں :-
وسرع فی الجوانب وقدم فی جمیع فنونہ (حدیث میں ممتاز ہوئے اور اسکے سارے فنون میں مقدم رہے)
اس میں شک، نہیں کہ علم حدیث حافظ صاحب کا خاص فن تھا اور انھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اسی مبارک مشغلہ کی نذر کیا تھا، جس کی بدولت آج بھی وہ حافظ حدیث کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ پہلے شاعر ہی بعد کو محدث اور تیسرے نمبر پر فقیہ علامہ ابن العباد نے آپ کے بارے میں یہ بالکل صحیح نقل کیا ہے کہ

كان شاعرا طبعاً محمداً صناعة ۞ آپ طبعاً شاعر تھے فن کے اعتبار سے محدث فقیہاً تکلفاً اور فقیہاً بہ تکلف

وجہ ظاہر ہے شعر کا سلیقہ فطری تھا، حدیث کو بحیثیت فن حاصل کیا تھا اور فقہ میں محنت کرنی پڑی تھی۔

حافظ سخاوی، الفہرست المصنوع میں لکھتے ہیں کہ :-

اجلہ علماء کا اعتراف

"آپ کے حفظ، ثقاہت، امانت، معرفت تمام، خوبی ذہن،

فرما دیا اور مختلف فنون میں وسعت نظر کی شہادت قرآن نے دی ہے۔ آپ کے استاد عراقی نے اپنے تمام تلامذہ میں آپ کو حدیث کا سب سے بڑا عالم فرمایا تھا۔ تقی الدین فاسی اور برہان الدین جلی و دونوں کی متفقہ شہادت ہے کہ ہمارا آپس میں مسئلہ رہا کہ ہم نے ان جیسے نہ دیکھا، ایک بار فاضل تیزی برش فقیہ نے خود آپ سے دریافت کیا تھا ارایت مثل نفسك (آپ نے بھی اپنا مثل کبھی دیکھا) فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا تُزَكُّواْ اَنْفُسَكُمْ (اپنے آپ کو بڑائیاں مت بخلاؤ)

حافظ ابن ہند نے لحظہ الامحاط میں آپ کا تذکرہ ان شاندار الفاظ میں شروع کیا ہے ابن حجر
..... العسقلانی المصری الشافعی الامام العازمۃ الحافظ ذرید الوقت
مفخر الزمان بقیۃ الحفاظ عمادۃ النہدۃ الامام المحدث المحققین

ان سابق میں گزر چکا کہ حافظ صاحب کا سبب شہرت ابن ہند ہے۔

خاتمتہ الحفاظ المبررین والقضاة المشهورین ابو الفضل
شہاب الدین اور حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اس طرح ابتداء کی ہے
ابن حجر شیعہ اکہ سلام و امام الحفاظ فی زمانہ و حافظ الدیار
المصریۃ بل حافظ الدینا مطلقاً قاضی القضاۃ اور مؤرخ ابن اللہام
کے یہ الفاظ ہیں شیخ الاسلام علیہ السلام امیر المومنین فی الحدیث
حافظ العصر۔

زود خوانی و زود نویس
حافظ صاحب کو تیز پڑھنے کی اس درجہ مشتق تھی کہ حیرت ہوتی ہے
ایک دفعہ صحیح بخاری کو دس نشستوں میں رجوع صرف ظہر سے
عصر تک ہوتی تھیں ختم کر ڈالا، اسی طرح صحیح مسلم کو ڈھائی دن میں پانچ نشستوں میں تمام کیا۔ امام
نسائی کی سنن کبریٰ کو بھی دس ہی نشستوں میں ختم کیا، ہر نشست چار ساعت کی ہوتی تھی، سب سے
بڑھ کر یہ کہ ایک دفعہ اپنے شام کے سفر میں طبرانی کی المعجم الصغیر جس میں ڈیڑھ ہزار کے قریب
حدیثیں مع اسناد کے مروی ہیں، کو صرف ایک مجلس میں مابین ظہر و عصر سنایا، دمشق میں ان کا دو
ماہ دس دن قیام رہا تھا اس اثنا میں اپنے ضروری مشاغل میں مصروفیت اور علمی فوائد نقل کرنے
کے علاوہ سو جلدوں کے قریب کتب احادیث کی اہل شام کے لئے قرارت کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اس قدر تیز پڑھنا جہاں قابل تہریف ہے وہاں اس میں ایک بڑی خرابی یہ
ہے کہ اس تیزی میں پورے طور پر ضبط الفاظ مشکل ہوتا ہے اور اکثر گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر
کی تصانیف میں جو اوہام ہیں غالباً اس کا سبب یہی ان کی زود خوانی ہے چنانچہ سخاوی نے اپنی تصنیفات
میں ان کی بہت سی غلطیاں بیان کی ہیں اسی طرح سبط ابن حجر نے النجوم الزاہرۃ فی قضاۃ القاہرۃ
میں اپنے جد کی مشہور تصنیف رفع الامر عن قضاۃ مصر پر خوب تنقید کی ہے اور جابجا اس کی اغلاط کو
واضح کیا ہے بلکہ حافظ صاحب کے نامور شاگرد محدث برہان الدین بقاعی نے تو عنوان الزمان میں آپ
کے متعلق یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:-

انه یغلط ویلج فی غلطہ (غلطی کرتے ہیں اور پھر اس پر مصر بھی رہتے ہیں)

حافظ صاحب جس طرح زود خواں تھے اسی طرح زود نویس بھی تھے مگر نہایت بدخط تھے
اور اس پر طرہ یہ کہ شیوہ خط یکساں نہ تھا جس کی وجہ سے ان کے خط کا پہچاننا اور پڑھنا سخت دشوار
تھا اور پھر مبیفۃ تک میں اتنی کانٹ چھانٹ چلتی تھی کہ مسودہ بن کے رہ جاتا تھا۔ حافظ صاحب کے
خط کا عکس علامہ راغب طہارخ حلبی نے اپنے مطبع علیہ میں مقدمہ ابن الصلاح مع التقدیر والایضاح
للعراق کا جو نسخہ طبع کیا ہے اسکے شروع میں دے دیا ہے۔

عہدہ قضا
ابتداء میں الملک التوید نے شام کا عہدہ قضا آپ کو پیش کیا اور بار بار
اسکے قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے باصرہ تمام اس پیش کش کو رد

کر دیا۔ مگر محرم ۱۲۷۴ھ میں الملک الاشرف برسبای نے جب قاہرہ اور اسکے مضافات کا منصب قضا
آپ کو تفویض کیا تو آپ نے پوری ذمہ داری اور دیانت کے ساتھ اس منصب کو نبھایا۔ قاہرہ میں آپ
کی مدت قضا حسب تصریح سخاوی اکیس سال ہے مگر اس درمیان میں اس کثرت سے آپ کا عزل و نصب
ہوتا رہا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ بعد کو خود حافظ صاحب کو بھی جیسا کہ سخاوی نے لکھا ہے اس عہدہ
قضا کے قبول کرنے پر سخت ندامت تھی۔

حافظ صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ علم دین خصوصاً حدیث شریف کی
خدمت اس کی نشر و اشاعت، درس و تدریس اور تصنیف و افتاء میں

درس و افتاء

بسر ہوا۔ قاہرہ کے بڑے بڑے مدارس میں مدت تک آپ نے تفسیر حدیث اور فقہ کی تعلیم دی ہے
چنانچہ حنینیہ اور منصورہ میں تفسیر پڑھائی، پیرسیہ، جمالہ، حنینیہ، زینبیہ، شیخونہ، جامع طولون
اور قبہ منصورہ میں حدیث کا درس دیا، خروبیہ، بدریہ، شریفیہ فخریہ، صالحیہ نجمیہ، صلاحیہ اور مویدیہ
میں فقہ کی تعلیم دی، پیرسیہ کے پرنسپل اند شیع بھی رہے۔ دارالعدل میں افتاء کا کام آپ کے سپرد تھا
جامع انہر اس کے بعد جامع عمرو بن العاص میں خطیب رہے، محمودیہ میں خازن کتب بھی تھے، ان تمام
مہر و نبوتوں کے باوجود ایک ہزار سے زیادہ مجالس میں اپنے حفظ سے امامی (لکچرس) بھی لکھوائے۔
صبح تھے۔ قدیمانہ سے کم تھا۔ سر برطاعتا سپید ریش اور نجیف الجسم تھے، گفتار نہایت
حلیہ فصیح اند آواز میں درد تھا۔

اخلاقی وعادات پاکیزہ اخلاق، شیریں گفتار، متواضع اور حلیم تھے، دوستوں سے ملاقات
اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

اخلاقی وعادات

زہد و عبادت گمانے پینے اور پہنے میں پوری طرح احتیاط کرتے تھے کثرت سے روزے رکھتے
اور خوب عبادت کرتے تھے، تہجد کا بھی اہتمام تھا۔

زہد و عبادت

آپ کا قلم حجاج کی تلوار تھا یہ بات عجیب ہے کہ حافظ صاحب کی گفتار میں جس درجہ شیرینی
تھی اسی قدر آپ کا قلم زہر فشاں تھا، چنانچہ ملاکاتب چلبی،

آپ کا قلم حجاج کی تلوار تھا

کشف الطین میں ابوہریرہ الدردنی ترجمہ شیخ الاسلام ابن حجر پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-
کان قلم ابن حجر سیفاً فی مثالب الناس ابن حجر کا قلم لوگوں کے معائب بیان کرنے میں خراب
و لسانہ حسناً و لیتہ عکس لیتقی الحسن نقاد و زبان اچھی تھی، کاش معاملہ اٹا ہوتا کہ اچھی چیز باقی رہتی
چونکہ بچپن سے شعر و شاعری کا مشغلہ تھا اس لئے مدح و ہجو میں شاعروں کی سی بے اعتدالی بات
بات پر غور نہ گیری اور نکتہ چینی افتاد طبیعت میں داخل تھی یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنے معاصرین یا مشائخ
میں سے کسی کا تذکرہ لکھنے کے لئے ہاتھ میں قلم اٹھاتے ہیں تو ان کے اکرام کا لحاظ کئے بغیر جوی جاتی ہے
لکھتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ محدث برہان الدین بقاعی نے عنوان الزمان بتراجم الشیوخ والاعیان میں
اپنے استاذ کے اس طرز عمل کا حسب ذیل الفاظ میں نہایت سخت شکوہ کیا ہے:-

ان فیہ من سعی الخصال ائمہ کلا یعامل
احداً ابہا لیس تحقیقہ من الاکرام فی نفس الامر
ان میں ایک بڑی عادت یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ اس اگر
کا معاملہ نہیں کرتے جس کا وہ حقیقت میں سختی ہوتا ہے۔
خصوصاً حنفی علماء کے تراجم میں تو ان کا قلم سفاکی میں حجاج کی تلوار سے کم نہیں ہوتا، مثلاً ہیر
ائمہ اخاف میں سے (باستثناء امام ابو حنیفہ) شاید ہی کوئی بچا ہو جو آپ کی سنان قلم سے گھاہل
نہ ہوا ہو۔ ذرا لسان المیزان (جو فن رجال میں حافظ صاحب کی مشہور تصنیف ہے) ہاتھ میں اٹھا لیجئے۔
اور امام ابو یوسف امام زفر امام محمد امام حسن بن زیاد اور امام طحاوی وغیرہ کا تذکرہ دیکھئے کہ ان جیسے
ائمہ کے بارے میں بھی انہوں نے کیا کمی اٹھا رکھی ہے، حافظ عصر مولانا انور شاہ کشمیری نے آپ
کے بارے میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

بقي الحافظ ابن حجر وهو ضاحك خفيف
بہا استطاع حتی انه جمع مثالب الطحاوی
والطهون فيه مع ان ابا جعفر اماماً عظيماً
لہ يبلغ الى احد من ائمة الحديث خيرة
الاحضر عنده بمصر وحل في حلقة اصحاب
وقلند عليه رفيع الباری ج ۱ ص ۱۰۱
باقی رہے حافظ ابن حجر تو ان سے جہاں تک بن سکا
کو ضرر ہی پہنچایا حتیٰ کہ انہوں نے امام طحاوی کے بھی مثالب
و مطاعن جمع کر دیے حالانکہ امام ابو جعفر طحاوی بہت بڑے
امام ہیں جن کی یہ شان تھی کہ ائمہ حدیث ہیں سے جس کو بھی ان
کا خبر ملی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے حلقہ تلاوت
میں بیٹھ کر ان کے سامنے زانوئے شاگردی نہ کیا۔

حافظ صاحب کی دوسری کتاب الدرر الکامنه فی اعیان القرن الثامنہ ہے جس میں آپ نے آٹھویں صدی
کے علماء کا تذکرہ لکھا ہے یہ کتاب اب چھپ گئی ہے۔ حافظ صاحب کا جب انتقال ہوا تو یہ کتاب مسودہ کی صورت
میں تھی۔ حافظ سخاوی نے اس کی تبتیض کی تو باوجودیکہ سخاوی حافظ صاحب کے بایہ ناز شاگرد ہیں اور ساتھ
ہی ساتھ استاد کے حد درجہ عقیدت کیش بھی تاہم ان کو بھی اپنے استاد کے اس طرز عمل پر جا بجا تنبیہ کرنی
پڑی چنانچہ شیخ حسین بن علی بن الحجاج العنفاقی الحنفی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

اهبلہ شیخنا علی عاداتہ فی الخفیفۃ
مع تقدمہ فی العلم (الدرر الکامنه ج ۲ ص ۲)
ہمارے شیخ نے جیسا کہ ان کی خفیہ کے بارے میں عام عادت ہی
باوجود ان کے تقدم علمی کے ان کا تذکرہ ہی مہمل رکھا۔

سی طرح علامہ جمال الدین عبداللہ بن محمد بن احمد حسینی نیشاپوری حنفی کے تذکرہ میں حافظ صاحب
کی ابناء النمر سے ان کے کچھ حالات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

ثم نکت علی عاداتہ فی تغلیب
التنکیت علی الخفیفۃ فقال کمان
یبتشیج (الدرر الکامنه ج ۲ ص ۲۸۸)
پھر ہمارے شیخ نے اپنی اسی عادت کے مطابق کہ وہ اکثر خفیہ پر
نکتہ چینی کیا کرتے ہیں ان پر بھی نکتہ چینی کی اور کہہ دیا کہ ان میں
تشبیح تھا

اور قاضی الفضاۃ علامہ محب الدین محمد بن النعمان اپنی شرح ہمایہ کے مقدمہ میں حافظ صاحب کے
متعلق لکھتے ہیں :-

وکان کثیر التبکیت فی تاریخہ علی مشائخہ
ان حجر اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ، اجاب و اصحاب پر بہت

سخت گیر ہیں خصوصاً حنفیہ کے بارے میں تو ان کا طرز عمل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی ان لغزشوں اور کمزوریوں کو کہ جن سے عام طور پر لوگ خالی نہیں ہوتے ظاہر کر کے رہتے ہیں اور جب تک کسی ضرورت سے مجبور نہ ہوں ان کے محاسن اور فضائل کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں، حنفیہ کے بارے میں ان کا سوک وہی ہے جو حنفیہ اور شافعیہ کے بارے میں ذہبی کا ہے یہاں تک کہ سبکی کو کہنا پڑا کہ کسی شافعی اور حنفی کا تذکرہ ذہبی کے کلام سے نہیں لینا چاہیے۔ پس اسی طرح ابن حجر کے کلام سے بھی کسی حنفی کا تذکرہ نہیں لینا چاہیے۔ خواہ وہ متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے۔

واجباً به واصحابه لا سيما الحنفية
فانه يطهر من زلاتهم ونقائصهم
التي لا يعري عنها غالب الناس
ما يقدر عليه ويغفل ذكر محاسنهم
وفضائلهم الا ما لجا انه الضرورة
اليه فهو سالك في حقهم ما سلكه
الذهبي في حقهم وحق الشافعية حتى
قال السبكي انه لا ينبغي ان يؤخذ من
كلامه ترجمه شافعي ولا حنفى، وكذا
لا ينبغي ان يؤخذ من كلام ابن حجر
ترجمه حنفى متقدم ولا متاخر اهـ

یہ بھی واضح رہے کہ پہلے حافظ صاحب کو حنفی مذہب سے اس کے اصول و فروع کے مطابق ہونے کی وجہ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ اپنے حنفی ہونے کی تمنا کیا کرتے تھے لیکن بعد کو ایک خواب کے دیکھ لینے سے ساری عقیدت مخالفت میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ یہ سارا قصہ خود حافظ صاحب ہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے جس کو انھوں نے اپنی مشہور کتاب الجمع الموسیلس المفسر میں ابن البرہان ظاہری کے تذکرہ میں تفصیل سے حوالہ قلم کیا ہے فرماتے ہیں:-

”میں نے ابن البرہان کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا تم تو مر چکے کہنے لگے ہاں، میں نے دریافت کیا مٹی تلے کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ اس پر ان کی حالت متغیر ہو گئی اور مجھے خیال ہوا کہ یہ چل بے بعد کو جب انہیں افاقہ ہوا تو کہنے لگے اب تو ہم بخیریت ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر غتاب فرماتے ہیں میں نے پوچھا کس نے کہنے لگے اس لئے کہ تم حنفیہ کی طرف مائل ہو۔ بیدار ہوا تو سخت متعجب تھا کیونکہ میں بہت سے حنفیہ سے یہ کہہ چکا تھا کہ انی لا ود لکنت علی مذہبکم (بلاشبہ میری یہ خواہش ہے کہ کاش میں تمہارے مذہب پر ہوتا) اور جب انھوں نے دریافت کیا کہ یہ کیوں تو ہیں نے ان سے کہا تھا لکون الفسوع صبیحة علی الاصول (اس لئے کہ اس مذہب کے فروع اصول پر مبنی ہیں) اب میں نے اپنی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا“

یہ ابن البرہان مشہور ظاہری ہیں پہلے شافعی تھے پھر سعید بخوی کی صحبت سے ظاہری مذہب کی طرف مائل ہوئے اور ابن حزم کے مسلک کو اختیار کیا بعد کو ابن تیمیہ کی کتابیں نظر سے گزریں تو ان کے ایسے معتقد ہوئے کہ کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں مانتے تھے طبیعت میں حوصلہ موجود تھا، سلطنت کا خواب دیکھنے لگے لیکن چونکہ صاحب منصب و مال نہ تھے کنبہ قبیلہ بھی موجود نہ تھا مجبور تھے آخر اسی مقصد

کے لئے ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا اور شام و خراسان کے بہت سے لوگ ان کے دام فریب میں آگئے مگر جلد ہی حصّہ میں مع اپنی جماعت کے گرفتار کر لئے گئے اور پھر با بنجیستان کو مصر لایا گیا اور الملک الظاہر برفوق نے ان کو اپنے سامنے کھڑا کر کے بہت ڈانٹا اور ان کے سب ساتھیوں کو کوڑوں سے پٹھایا پھر انھیں مدت دراز کے لئے قید خانہ میں ڈال دیا بعد کو ۷۹۱ھ میں رہا ہوئے اور پھر کبھی سر نہ اٹھایا آخر ۸۰۰ھ میں اسی حالت خمول میں انتقال کیا۔ تاریخ میں ان کا یہ قننہ "قننہ ابن البرہان ظاہری" کے عنوان سے مشہور ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نے بایں ہمہ علم و فضل و وسعت نظر حصّہ ابن البرہان جیسے شخص کو خواب میں دیکھ لینے اور اسکے ایک بات کہہ دینے سے مسائل علیہ میں قطعی فیصلہ کس طرح کر لیا نسبہ ان قاسم العقول

وفات ذی قعدہ ۸۵۲ھ میں اسہال لاحق ہوا خون بھی تھوکتے جاتے تھے بیماری کا سلسلہ ایک ماہ سے زائد متدرج رہا آخر ذی الحجہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو سینچر کی رات میں نماز عشاء کے بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کی۔ انتقال اپنے ہی گھر میں ہوا جو مدرسہ منکوترہ کے دستریب اندرون باب القنطرہ واقع تھا، سینچر کے دن نماز ظہر سے ذرا پہلے قاہرہ کے باہر وسیلہ کے متصل المومنین میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، خلیفہ وقت المستکفی باللہ عباسی اور الملک الظاہر سلطان جہتی مع اراکین و عمائد سلطنت حاضر تھے امرا و اکابر کا یہ حال تھا کہ کاندھا دینے کے لئے جنازہ پر ٹوٹے پڑے۔ آخر سلطان نے خلیفہ کو آگے کیا اور امیر المومنین نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، ابن طولون کا بیان ہے کہ شیخ علم الدین بلقینی نے خلیفہ کی اجازت سے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، اسکے بعد آپ کی نعش کو اٹھا کر قرآنہ صغریٰ میں لائے اور جامع دہلی کے بالمقابل بنو الخزوبی کے قبرستان میں اس علم کے شہاب ثاقب کو سپرد خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و عظمیٰ مغفرۃ جامعۃ۔

وفات سے چند روز پہلے قاضی القضاۃ سعد الدین بن الدیری حنفی عیادت کے لئے تشریف لائے حافظ صاحب کی مزاج پُرسی کی تو آپ نے جواب میں امام ابوالقاسم زرخشری حنفی کے قصیدہ کے چار شعر آپ کو سنائے۔

قَرَّبَ الرَّحِيلُ إِلَى دِيَارِ الْآخِرَةِ	فَا جَبَدَ إِلَى الْهِى خَيْرَ عُثْرَى آخِرَةٍ
دیار آخرت کا سفر قریب ہے	سوار میرے اشد میری عمر کا آخری وقت سب اچھا کر دے
وَارْحَوْ عِظَائِي حِينَ تَبْقَى فَاخِرَةٍ	میری ہڈیوں پر رحم کر جبکہ وہ بوسیدگی سے ریزہ ریزہ ہو کر باقی رہ جائیں
فَاَنَا الْمُسَيِّكِينَ السِّنَى آيَامُهُ	وَلَكْتُ بِأَوْزَارٍ عِنْدَ تُمْتُوا بِنَرَةٍ
سو میں وہ بیمار مسکین ہوں کہ جس کے ایام زندگی متواتر گناہوں میں گئے چلے گئے	

۱۔ باب القنطرہ قاہرہ کا مشہور دروازہ ہے ۲۔ یہ وہ مقام تھا جہاں نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِيَأْخُذَ بِالْعَمَلِ

فَلْيَنصَحْ لِقَوْمِهِ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَنَانٌ مِّنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

اب اگر تو نے رحم فرمایا تو تو ہر رحم کرنے والے سے کریم تو ہے اور تیری بخشش کے سمندر تو اے میرے اللہ امنٹے ہی رہتے ہیں آپ کی وفات پر بڑے بڑے ادبار و فضا نے نہایت دردناک مرثیے لکھے ہیں مشہور ادیب شہاب الدین ابو الطیب احمد بن محمد معروف بہ حجازی الضاری نے بھی آپ کا بڑا المباثریہ لکھا ہے جس میں اشعار بالاک تھیں کر دی ہے، اس کا مطلع یہ ہے:-

كُلُّ الْبَرِيَّةِ لِلْهَيْئَةِ صَائِرَةٌ ۖ وَقَفُولُهَا شَيْئًا فَشَيْئًا سَائِرَةٌ

یہ پورا مرثیہ حافظ ابن فہد نے اپنی کتاب لخطا للاحاط میں نقل کر دیا ہے۔

تصانیف آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے تجاوز ہے، یہ اگرچہ بیشتر حدیث رجال اور تاریخ سے متعلق ہیں لیکن ان میں بہت سی تصانیف ایسی بھی ہیں کہ ان میں ادب، فقہ اصول اور کلام کے مباحث بھی آگئے ہیں، یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آپ نے اپنی حدیث اور رجال کی کتابوں میں حنفی حفاظ حدیث بالخصوص حافظ مغلطائی حنفی اور حافظ جمال الدین زبلی حنفی کی تصانیف سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور غنیمت ہے کہ اس کا حافظ صاحب کو خود بھی اعتراف ہے، بلکہ الدراریہ فی تخریج احادیث الہدایہ اور الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف، تو تمام سترام زبلی کی تخریج ہوا اور تخریج کشاف ہی کی تلخیص ہیں، حافظ صاحب کی تصانیف کے بارے میں بجائے اس کے کہ کسی دوسرے شخص سے اس بارے میں کچھ نقل کیا جائے خود ان کی ہی رائے پیش کرنا مناسب ہے کہ یہ تصنیف راصنف نیکو کند بیان - حافظ سخاوی کا بیان ہے۔

سمعتہ یقول لست راضیا عن شیئ من تصانیفی لا فی عملتها فی ابتداء الامر ثم لم یتیمألی سن تحریرھا صوی شرح البخاری ومقدمتہ والمشتبہ والتہذیب ولسان المیزان بل رایتہ فی مواضع اثنی عشر شرح البخاری والتعلیق والنخبہ ثم قال واما سائر المجہولات فھي کثیرۃ العدد وھيۃ العدۃ ضعیفۃ القوی ظامیۃ الروی

میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی تصانیف میں بجز شرح بخاری مقدمہ شرح بخاری، مشتبہ النسب، تہذیب التہذیب اور لسان المیزان کے اور کسی چیز سے خوش نہیں کیونکہ میں نے ان کو ابتدائی حالت میں تحریر کیا تھا اور پھر ان کو لکھنے کا موقع نہیں ملا بلکہ میں نے حافظ صاحب کو دیکھا کہ آپ نے متعدد مقامات پر شرح بخاری، تعلیق التعلیق اور تہذیب کی تعریف کی ہے۔ پھر حافظ صاحب نے فرمایا کہ باقی سب مجھ سے گئے ہیں تو زیادہ ہیں مگر مواد کے اعتبار سے بیکار ہیں۔ قوتوں کے لحاظ سے کمزور اور سیراب کو لشنہ کر دینے والے ہیں۔

حافظ صاحب کی یہ سب کتابیں بجز المشتبہ اور تعلیق کے زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ تصانیف مذکورہ کے علاوہ بلوغ المرام من ادلة الاحکام بھی حافظ صاحب کی تصانیف میں نہایت مقبول و متداول کتاب ہے جس پر حسب ذیل شرحیں لکھی جا چکی ہیں:-

اس کے لئے حافظ صاحب کی حسب ذیل کتابوں کے مقدمات ملاحظہ ہوں، تہذیب التہذیب، التلخیص المجیر، الدراریہ، الکاف الشاف

۱۔ البدر التمام شرح بلوغ المرام از قاضی شرف الدین حسین بن محمد مغربی صنعانی، یہ نہایت مبسوط شرح ہے، علامہ امیر بمانی کی شرح اسی کی تلخیص ہے۔

۲۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام از علامہ سید محمد بن اسماعیل امیر بمانی المتوفی ۱۲۸۲ھ یہ شرح مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔

۳۔ شرح بلوغ المرام از خاتمة الحفاظ علامہ محمد عابد سندھی حنفی المتوفی ۱۲۵۷ھ یہ شرح تمام نہ ہو سکی۔

۴۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام از سرخیل جماعت اہل حدیث نواب صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ یہ فارسی زبان میں ہے اس میں حافظ صاحب کی التلخیص الجیر اور سبل السلام کے مضامین کو اختصار کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ مکرر طبع ہو چکی ہے۔

۵۔ فتح العلام بشرح بلوغ المرام از مولوی نور الحسن بن نواب صدیق حسن خان، یہ کتاب تمام امیر بمانی کی سبل السلام کا سرقہ ہے چنانچہ مصر میں سبل السلام کے ناشرین نے اس کا شکوہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی سوانح حیات پر ان کے شاگرد رشید حافظ شمس الدین سخاوی کے قلم سے ایک بڑی جامع اور مبسوط کتاب نکلی ہے، جس کا نام الجوہر والدرر فی ترجمہ شیخ الاسلام ابن حجر، یہ کتاب حسب تصریح سخاوی ایک ضخیم جلد یا دو جلدوں کے قریب قریب ہے۔

مقدمہ

تفسیر ابن کثیر

الموسوم بہ

حیات عماد الدین ابن کثیرؒ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

مقامِ دلدارِ کراچی

- ۱۔ سبیلِ تذکرہ
۲۔ تفسیرِ قرآن خواجہ محمد عبدالحی کاروی
۳۔ یوسف علیہ السلام محمد احمد
۴۔ جواہرِ حدیث ادارہ
۵۔ مشاہیر صحابہ ادارہ
۶۔ علمِ حدیث مولانا محمد اشفاق الرحمن کاندھلوی
۷۔ غزل نظمِ خورشیدی
۸۔ علمائے سلف محمد حبیب الرحمن خان شروانی
۹۔ دورِ حاضر عالم اکبر آبادی
۱۰۔ حیاتِ امام حافظ ابن کثیر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی
۱۱۔ نجمہ معراجِ محبتِ مبارک
ماہ نومبر ۱۹۵۳ء قیمت فی پرچہ چھپے آنے

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کشیر

(مولانا عبدالرشید نعمانی)

نام و نسب

ثم المشتق

اسمعیل نام، ابو الفدا کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کشیر عرف ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

اسمعیل بن عمر بن کثیر بن ضور بن ذریع القیسی البصری

آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے، اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب ایک ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

۱۵ ہم نے ان تذکرہ کے مرتب کرنے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی ہے:

- (۱) "اختصار علوم الحدیث" از حافظ ابن کثیر مطبوعہ مطبعہ ماجدہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ اس پر شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے حواشی اور تعلیقات ہیں اور شروع میں ان ہی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے۔ جس میں "حیۃ الامام ابن کثیر" کے عنوان سے پانچ صفحات میں امام موصوف کا تذکرہ لکھا ہے۔ (۲) "تذکرۃ الحفاظ" از حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن۔ (۳) "ذیل تذکرۃ الحفاظ" از حافظ ابوالمحسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۵۵ھ مطبوعہ دمشق۔ (۴) "الجواهر المصیبه فی طبقات الحنفیہ" از عبدالقادر قرشی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ (۵) "الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ" از حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ (۶) "لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ" از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی ۸۵۵ھ (۷) "ذیل طبقات الحفاظ" از حافظ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ دمشق۔ (۸) "کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفنون" از علامہ حاجی غلیفہ المتوفی ۹۶۹ھ مطبوعہ استنبول ۱۲۶۹ھ (۹) "نذرات الذہب فی اخبار من ذہب" از علامہ ابن العماد حنبلی المتوفی ۸۹۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ (۱۰) "البدیع الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع" از قاضی محمد بن علی شوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ (۱۱) "ابجد العلوم" از نواب صدیق حسن قنوجی المتوفی ۱۲۷۵ھ مطبوعہ مطبعہ صدیقی بھوپال ۱۳۱۵ھ (۱۲) "تعلیقات بر ذیل تذکرۃ الحفاظ" از علامہ محدث زاد کوثری المتوفی ۱۳۸۵ھ۔

۱۵ حافظ ابوالمحسن کے ذیل میں یہ لفظ ذال کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔ اور نذرات الذہب میں زار کے ساتھ۔

۱۶ حافظ ابن حجر کی درر کامنہ اور حافظ سیوطی کے ذیل میں القیسی ہی مذکور ہے۔ لیکن حافظ ابن فہد کے ذیل میں یہ سلسلہ وفیات جہاں حافظ ابن کشیر کے دونوں صاحبزادوں، زین الدین عبدالرحمن اور بدر الدین محمد کی وفات کا ذکر آیا ہے۔ دونوں جگہ القرشی لکھا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خاں کی ایضاً العلوم میں، اور محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے مقدمہ میں بھی یہی مرقوم ہے۔

ولادت و تعلیم و تربیت

آپ کی ولادت ۱۰۰۰ھ یا ۱۰۰۱ھ میں بمقام نجد ہوئی، جو ملک شام کے مشہور شہر بصری کے اطراف میں ایک قریہ ہے، اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے۔ ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۱۰۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو پیشی کا داغ اٹھانا پڑا، باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۱۰۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشوونما ہوئی۔ ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی۔ بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبد الرحمن فزاری معروف بابن منیر کا ح شارح تنبیہ المتوفی ۱۰۲۹ھ اور شیخ کمال الدین بن قاضی شہید سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانے میں دستور تھا،

کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا، اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا۔ چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ، معتنفہ شیخ ابوالاسحاق شیرازی المتوفی ۱۰۰۶ھ کو حفظ کر کے ۱۰۱۰ھ میں سنادیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن ماجہ مالکی المتوفی ۱۰۲۶ھ کی مختصر کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین، محمود بن عبد الرحمن اصفہانی، شارح مختصر ابن ماجہ المتوفی ۱۰۲۹ھ سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطی، ذیل تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

۱۰۰۴ھ الحجاز والطبقة یعنی حجاز اور اس طبقہ کے علمائے اپنے سماع حدیث کیا۔

حجاز کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا

۱۰۰۵ھ حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن العاد نے شذرات الذهب میں سنہ ولادت ۱۰۰۰ھ ہجری لکھا ہے اور حافظ ابوالحسن حسینی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور قاضی شوکانی نے البدر الطالع میں ۱۰۰۰ھ بتایا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنه میں سنہ ۱۰۰۰ھ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے۔ اور حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔ یہ سنہ کے بعد یا اسی سنہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

۱۰۰۵ھ حجاز اس عہد کے بڑے نامور محدث گزرے ہیں "مسند الدنیا" (دنیا کو اسناد بتانے والے) اور "حکۃ الآفاق" (جس کی طرف آفاق سے سفر کیا جائے) کہلاتے تھے، ان کا درس ساری دنیا میں مشہور تھا۔ دور و دراز ممالک سے لوگ سفر کر کے آتے اور ان سے حدیث کی سند لے کر واپس دیتے تھے۔ ان کی کنیت ابوالعباس، لقب شہاب الدین اور نام احمد ہے۔ حجاز اور ابن الشنہ عرف ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن ابی طالب بن بی النعم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان الدیر معتزنی ثم العاکھی، حنفی المذہب تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنه میں اور حافظ شمس بن طویل نے الغرر العلیہ فی ذیل الجواہر المفیہ میں آپ کا بڑا مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔ آپ کے شیوخ اور مرویات بہت زیادہ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ، آپ نے اس قدر طویل عمر پائی کہ دادا سے لے کر پوتوں تک کو درس دیا۔ چنانچہ دمشق وغیرہ میں ستر بار سے زیادہ صرف بخاری کا درس دیا۔ اور اپنا وہ اعزاز و اکرام دیکھا کہ جس سے زیادہ ہو نہیں سکتا۔ حفاظ حدیث چُن چُن کر آپ سے حدیثیں سنتے، اور دور دور سے سفر کر کے آتے اور اذحام کئے رہتے تھے۔ وفات سے ایک دن پہلے حبیب الدین ابن المحب نے آپ سے صحیح بخاری شروع کی، دوسرے دن ظہر کا سلسلہ درس جاری رہا۔ عین ظہر کے قریب ۲۵ صفر ۱۰۰۳ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ

اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) عیسیٰ بن المطعم (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر، المتوفی ۶۳۳ھ (۳) عقیق الدین اسحاق بن یحییٰ الادمی المتوفی ۶۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بابن سیدی المتوفی ۶۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزنی (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی، المتوفی ۶۴۹ھ۔

لیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن مزی شافعی مصنف تہذیب الکمال المتوفی ۶۲۲ھ ہیں۔ حافظ مزنی نے نفوس تعلق کی بنا پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا۔ اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مدت مدید تک حاضر خدمت رہے اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر لی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں: "تخرج بالمدنی ولازمه وبرزع۔ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ المتوفی ۶۶۲ھ سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

۵۱ نابا حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم دانی حنفی المتوفی ۶۳۵ھ مراد ہیں۔ حافظ سیوطی نے ذیل تذکرہ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبد القادر شری بھی حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ انھوں نے لمبقات الخفییہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو "الامام الحدیث" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

۵۲ یہ مقبرہ کے نامور محدث بدر الدین یوسف بن عمر حنفی حنفی ہیں "مسند البلاد المصریہ" کہلاتے تھے، علوم اسناد میں منفرد تھے، ۶۳۱ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امام تفتی الدین سبکی۔ احمد و میاطی اور حافظ عبد القادر شری کے فن حدیث میں اُستاد ہیں۔ حافظ قرشی البواہر المفییہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مقبر سے آپ کو دوسری۔ وانی اور حنفی وغیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی۔

منزلت علمی

امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ اور طب میں بھی کمال حاصل تھا چنانچہ علامہ ابن العمامہ حنبلی، ابن حبیب۔ ناقل ہیں:

انتھت الیہ ریاسة العلم فی التاریخ والحديث والتفہم "ان پر تاریخ، حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہو گئی" اور مشہور مؤرخ علامہ ابو المحاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی، الصافی، المستوفی بعد الوافی میں لکھتے ہیں:

وكان له اطلاع عظیم فی الحديث والتفسير والفقه والعربية "حدیث، تفسیر، فقہ اور عربیت میں ان کو بڑی مہارت تھیں" اور حافظ ابو المحاسن حسیبی فرماتے ہیں:

وبرع فی الفقه والتفسير والنحو ومعن النظر فی الرجال والعلل "فقہ، تفسیر اور نحو میں ماہر تھے۔ اور رجال و علل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی"

خاص طور پر علم حدیث میں تو ان کا یہ پایہ ہے کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابو المحاسن حسیبی اور علامہ

۵۱ نابا حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم دانی حنفی المتوفی ۶۳۵ھ مراد ہیں۔ حافظ سیوطی نے ذیل تذکرہ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبد القادر شری بھی حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔ چنانچہ انھوں نے لمبقات الخفییہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو "الامام الحدیث" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

۵۲ یہ مقبرہ کے نامور محدث بدر الدین یوسف بن عمر حنفی حنفی ہیں "مسند البلاد المصریہ" کہلاتے تھے، علوم اسناد میں منفرد تھے، ۶۳۱ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امام تفتی الدین سبکی۔ احمد و میاطی اور حافظ عبد القادر شری کے فن حدیث میں اُستاد ہیں۔ حافظ قرشی البواہر المفییہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔

سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیل لکھے ہیں، اُس میں ان کا تذکرہ لکھا ہے۔ اور خود امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخ حدیث اور فقار درس کا تعارف کرایا ہے، ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

شعرو سخن کا بھی ذوق تھا، لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

تمر بنا الايام تتري وانسا

نساق الى الاجال والعين تنظر

”دن سپا پے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہنکاتے چلے جا رہے ہیں.....“

فلا عائد ذاك الشباب الذي مضى

ولا ذائل هذا المشيب المكدر

”سواب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آسکتی ہے اور نہ یہ کدو بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے“

تیسرے مصرعہ میں اگر ذاك الشباب کی بجائے صفو الشباب ہوتا تو بڑا بلیغ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین

حافظ زین الدین عراقی المتوفی ۸۰۶ھ سے کسی نے پوچھا تھا کہ مغلطائی، ابن کثیر، ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیر ہیں اور سب زیادہ طلب حدیث میں ٹپکنے والے اور مؤلف و مختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور

سب سے شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں۔ اور حافظ ذہبی نے المعجم المختص میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے الامام المفتی المحدث البارع فقیہ متقن ومحدث متقن مفسر اور تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں الفقیہ المفتی المحدث ذی الفضائل اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

وله عناية بالرجال والمتون والفتة خرج و ناظر وصنف و فسر و تقدم۔

”ان کو رجال، متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتناء ہر انھوں نے احادیث کی تخریج کی، مناظرہ کیا، تصنیف کی، تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے“

اور حافظ حسینی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

”الشیخ الامام العالم الحافظ المفید الباسع“ عمل اور حافظ سیوطی فرماتے ہیں: الامام المحدث ذوالفضائل

اور علامہ ابن العباد لکھتے ہیں الحافظ الکبیر اور حافظ ابن حجر المتوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں:

”حفظ من ادركناه لمتون الاحاديث واعرفهم بمجربها

ورجالها وصحيحها وسقيمها وكان اقرا انه و شيوخه

يعترفون له بذلك وما اعرف اني اجتمعت به على

كثرة تردد الى الاستفادات منه“

”ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے

سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے

زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں ان کے معاصرین اور

۱۵ مشہور حفاظ حدیث میں ہیں جنہی تھے۔ حافظ ابن فہد اور حافظ سیوطی نے اپنے اپنے ذیل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ۸۶۲ھ میں وفات پائی *

فرماتے ہیں:

قلت العمدة في علم الحديث معرفة صحيح الحديث وسقيمه وعلله واختلاف طرقه ورجالها وتعديلها واما العالي والنازل ونحو ذلك فهو من الفضلات لا من اصول المهمة " میں کہتا ہوں اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح و تعدیل سے واقفیت ہے۔ رہا عالی و نازل وغیرہ سو یہ زوائد میں داخل ہیں، نہ کہ اصولِ حمہ میں۔

اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں:

"اگرچہ حافظ ابن کثیر پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا۔ لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقہ رواة اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کر سکتے ہوں، بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مڑی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور التکبیل کے جمع کرنے پر لگے رہے اور حافظ ابن حجر کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں، جو فضل و کمال میں مشہور ہیں۔"

اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کر سکا ہوں۔

اور حافظ ابن ناصر الدمشقی الروا فرمیں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں الشیخ الامام العلامة الحافظ عماد الدین ثقة المحدثین عمدة المورخين علم المفسرين۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی (جن کے متعلق کشف الطون نے لکھا ہے کہ "ان کا قلم لوگوں کے اظہار معائب میں برائتھا اور زبان اچھی تھی۔ کاش معاملہ اٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی۔" ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ و اشتغل بالحديث مطالعة في متونه و رجاله حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہتے تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ ریمارک کر گئے ہیں ولم یکن علی طریق المحدثین فی تحصیل العوالی و تمیز العالي من النازل و نحو ذلك من فنونهم و انما هو من محدثی الفقهاء " یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی و نازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں، محدثین کی طرح نہ تھے، بلکہ یہ توفیقاً کے محدث تھے۔

لیکن حافظ سیوطی نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے، وہ

لے اصل عبارت یہ ہو گا ان قلہ ابن حجر سیوطی مثالب الناس ولسانه حسنا وليته عكس ليلقى الحسن (ضمن الجواهر والدرر)

۵۵ جس سند میں وسائل کم ہوں وہ مائی ہے اور جس میں زیادہ ہوں وہ نازل ہے۔ فقہار کا اصل کام ہے مسائل کا استنباط، اس لئے ان کی نظر زیادہ تر متن حدیث پر ہوتی ہے، اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے مسئلہ کیا نکلا؟ سند سے انھیں صرف اتنی بحث ہوتی ہے کہ اس میں جتنے لوگوں کے نام لئے جا رہے ہیں، بس وہ معتبر اور قابل قبول ہوں۔ باقی یہ بات کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں یا کم؟ یہ چیز ان کی نظر میں چنداں اہم نہیں لیکن ارباب روایت میں اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک واسطے کو کم کرنے کے لئے بھی سفسر مستحسن ہے +

علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق

اخیر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہو کہ حافظ ابن کثیر کو اپنے استاد علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق تھا، جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی ابن تیمیہ سے متاثر تھے، جن میں وہ چہرہ سلف سے متفرد ہیں، چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں۔

كانت له خصوصية بابن تيمية ومناضلة عنه واتباعه في كثير من ارائه وكان يفتي براءته في مسئلة الطلاق وامتنح بسبب ذلك واوذي - "ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں ان کی اتباع کرتے تھے، چنانچہ طلاق کے مسئلہ میں بھی ان ہی کی رائے پر فتوے دیتے تھے، جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔"

وفات

اخیر عمر میں بنیائی جاتی رہی تھی، جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۲۸ھ میں وفات پائی (رحمۃ اللہ علیہ) اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن کئے گئے، آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا درد انگیز مہم لکھا ہے، جس کے دو شعر یہ ہیں:

لفقدك طلاب العلوم تأسفوا وجادوا بدمع لا يبید غزیر
ولو مرجوا ماء المدام بالداما لكان قليلا فيك يا ابن كثير

لے حافظ ابن فہد، ذیل تذکرۃ الخطاطین حافظ عراقی کے ترجمے میں لکھتے ہیں اخذ علم الحديث عن شيخ علاء الدين ابن التركاني

مورخین نے حافظ ابن کثیر کے حافظہ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ ابن العباد لکھتے ہیں کان کثیر الاستحضار قليل النسيان بيد الفهم۔

درس افتاء، ذکر الہی، شگفتہ مزاجی

حافظ ابن کثیر کی تمام عمر درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں سرگرم رہی۔ حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ "ام صالح" اور مدرسہ "تنگزیہ" (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدرسے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے، بڑے ذکر شاغل تھے چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے امام ذی التبیہ التہلیل۔ طبیعت بڑی شگفتہ رہائی تھی۔ لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف میں حسن الفاکہۃ کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی بڑا پُر لطف مزاج کیا کرتے تھے۔ غالباً اسی قسم یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حافظ زین الدین عراقی جو فن حدیث میں مہم حافظ علاء الدین ابن الترمذی حنفی مصنف الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی کے تلمیذ خاص اور ان ہی کے ساختہ پر داخۃ تھے۔ شیخ اسلام تقی الدین سبکی کے درس میں حاضر ہوئے تو شیخ الاسلام نے اپنے درس میں بڑی عظمت کے ساتھ ان کا ذکر کیا اور بڑے اہتمام سے ان کا تعارف کرایا اور ان کی معرفت و اتقان کی بہت تعریف کی، اس پر حافظ ابن کثیر بولے کہ مجھے تو ان سے یہ بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ مارشمس روہ پانی جو دھوپ میں گرم ہو گیا ہو، سے وضو کے بارے میں جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے اسی کو نکال سکیں

لے حافظ ابن فہد، ذیل تذکرۃ الخطاطین حافظ عراقی کے ترجمے میں لکھتے ہیں اخذ علم الحديث عن شيخ علاء الدين ابن التركاني

بہ تخرج وانتفع - ۱۲

۱۳ شیخ ابن تیمیہ کی رائے میں اگر تین طلاقیں ایک ہی ساتھ دی جائیں، تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔ ۱۲

کرتے ہیں کہ لہ یولف علی غطہ مثلاً اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔

اور محدث کوثری فرماتے ہیں:

هو من افيد كتب التفسير بالرواية ربه تفسير بالرواية
میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔

اور قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وقد اجمع فيه فاعی، ونقل المذاہب والاحبا
والا تار وتکلم باحسن کلام و انفسہ (اس میں جمع کیا
اور خوب محفوظ کر دیا، مذاہب نقل کئے، حدیثیں لکھیں، آثار و
کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا)۔

مصنف اس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کی
اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی
میں کرتے ہیں۔ پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں
جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کر کے ان کی اسانید و رجال پر
سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد آثار صحابہ و تابعین
کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انھوں
نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علی
کر دیا ہے، اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے بار
نظر محدث ہی کی ضرورت تھی، یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علم
خدمات میں صرف یہی ایک خدمت ہوتی، تب بھی وہ ان کے ف
کے لئے کافی تھی، الحمد للہ! یہ کتاب متداول ہے اور بار بار
ہو چکی ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ - فن تاریخ میں ان کی بیش
تصنیف ہے اور مقرر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، اس میں بد

» شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متاسف ہیں اور اس
کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تھمنے ہی کو نہیں آتے، اور اگر وہ آنسو
کے ساتھ خون بھی ملا دیتے، تب بھی اسے ابن کثیر تمہارے لئے یہ تھوڑا تھا
پس ماندگان میں دو صاحبزادے بڑے نامور ہوئے ہیں ایک
زین الدین عبدالرحمن، جن کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی اور دوسرے
بدر الدین ابوالبقار محمد، یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں انھوں نے
۸۸۰ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ہے، ان دونوں کا ذکر حافظ
ابن قہد نے اپنے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات

آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف
یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حُسن نیت کی برکت
تھی کہ بارگاہ ایزدی سے اُن کو قبول عام اور شہرت دوام کی مسند
عطا ہوئی۔ مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور اُن کی
قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے۔ ذہبی لکھتے ہیں:

”ولہ تصانیف مفیدۃ“ ابن حجر کہتے ہیں:

”سادت تصانیفہ فی البلاد فی حیاتہ و انتفع الناس
بہا بعد وفاتہ“ (ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف شہر شہر
جا پہنچیں، اور ان کی وفات کے بعد لوگ اُن سے نفع اندوز ہوتے
رہے)

اور شوکانی لکھتے ہیں:

”وقد انتفع الناس بتصانیفہ لاسیما التفسیر“ (لوگوں
نے ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر سے نفع اٹھایا)۔

آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر القرآن الکریم - جس کے متعلق حافظ سیوطی تصریح

۳۔ التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاهد میل

سے لے کر احوال آخرت تک درج ہیں، پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اجماع ماضیہ کا ذکر ہے، پھر سیرت نبویہ کا بیان ہے اور اس کے بعد خلافت راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے، پھر شرائط الساعة اور احوال آخرت کا بیان ہے۔ اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے۔

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

اعتمد فی نقلہ علی النص من الكتاب والسنة
فی وقائع الالوف السالفة ومیزبین الصحیح و
التقیم والخبر الا اسرائیلی وغیرہ۔

گزشتہ ہزار سال کے وقائع میں کتاب و سنت کی
تصریح پر اعتماد کیا ہے، اور صحیح، ضعیف اور اسرائیلی روایات
وغیرہ کو جدا کر دیا ہے۔

مورخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں
ہو فی غایۃ الجودۃ (یہ نہایت ہی خوب ہے)۔

امام علامہ حافظ بدر الدین محمود عینی حنفی، شارح بخاری
نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ
ابن حجر نے اس کا اختصار بھی کیا ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ،
محمود بن محمد بن دلتاد نے "البدایہ والنہایہ" کا ترکی زبان
میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں
درج ہیں۔ سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے،
مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ درج کتاب ہونے سے رہ گیا ہے
اس میں مصنف کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات
آگے ہیں۔

صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کا نام التکملة فی
اسماء الثقات والضعفاء لکھا ہے۔ لیکن خود مصنف نے
"البدایہ والنہایہ" اور "اختصار علوم الحدیث" میں ہی نام
لکھا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، فن رجال میں ہے
اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے۔ اس میں
مصنف نے حافظ مزنی کی "تہذیب الکمال" اور حافظ ذہبی
کی "میزان الاعتدال" کو جمع کر دیا ہے اور جا بجا اپنی طرف
سے اُس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں۔ خود مصنف کی رائے
اس کتاب کے بارے میں یہ ہے:

وهو انفع شئ للفقہ البارع وكذلك للحدث
(یہ ان چیزوں میں ہے کہ جو ماہر فقیہ اور اسی طرح ایک محدث
کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہے)۔

۴۔ الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن !

یہی کتاب ہے جو "جامع المسانید" کے نام سے مشہور
ہے۔ مصنف نے اس میں مسند امام احمد بن حنبل، مسند بزار،
مسند ابی یعلیٰ، مسند ابن ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی
روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔
محدث گوثری لکھتے ہیں: هو من انفع کتبہ (یہ ان کی
تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے) اس کتاب کا

قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

۵۔ طبقات الشافعیہ

اس کتاب میں فقہائے شافعیہ کا تذکرہ ہے۔ اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبد الرزاق حمزہ نے شیخ حسین باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ معظمہ میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

۶۔ مناقب الشافعی

یہ رسالہ امام شافعی کے حالات میں ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر "البدایہ والنہایہ" میں امام شافعی کے تذکرہ میں کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے۔ صاحب کشف الطنون نے اس رسالہ کا نام الواضح لنفس فی مناقب الامام ابن ادریس لکھا ہے۔

۷۔ تخریج احادیث ادلة التنبیہ

۸۔ تخریج احادیث مختصر ابن الحباب

التنبیہ اور مختصر یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جن کو مصنف نے عہد طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ ان دونوں کتابوں میں کتب حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے۔

۹۔ شرح صحیح بخاری

اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی، مگر ناتمام رہ گئی، کشف الطنون میں ہے کہ صرف ابتدائی ٹکڑے کی شرح ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر "اختصار علوم الحدیث" میں کیا ہے۔

۱۰۔ الاحکام الکبیر

یہ کتاب بہت بڑے پیمانہ پر احادیث احکام میں لکھنی شروع کی تھی۔ مگر "کتاب الحج" تک لکھ سکے، تمام نہ کر سکے مصنف نے

"اختصار علوم الحدیث" میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ اختصار علوم الحدیث

نواب صدیق حسن خان نے "ہیج الاصول فی اصطلاح الرسول" میں اس کا نام "الباعث الحثیث علی معرفۃ علوم الحدیث" لکھا ہے۔ یہ علامہ ابن صلاح المتوفی ۷۴۳ھ کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" معروف بہ مقدمہ ابن صلاح "جو اصول حدیث" ہے، اختصار ہے۔ مصنف نے اس میں جا بجا مفید اضافے کیے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے متعلق لکھتے ہیں: ولہ فیہ فوائد اس کتاب میں حافظ ابن کثیر کے بہ سے افادات ہیں)

۱۲۔ مسند الشیخین

اس میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے جو حدیثیں مروی ہیں، ان کو جمع کیا گیا ہے۔ مصنف نے "اختصار علوم الحدیث" میں اپنی ایک تصنیف "مسند عمر" کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔ السیرۃ النبویہ

یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے۔

۱۴۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول

یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔ مصنف نے اس کا ذکر اپنی تفسیر "سورۃ احزاب" کے اندر غزوہ خندق کے بیان میں کیا ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں "کتبہ شیخ الاسلام" میں موجود ہے۔

دبقیہ مضمون صفحہ ۴۰ "حیات ابن کثیر"

۱۵۔ کتاب المقدمات

اس کا ذکر مصنف نے "اختصار علوم الحدیث" میں کیا ہے

۱۶۔ مختصر کتاب المدخل للبیہقی

اس کا ذکر بھی "اختصار علوم الحدیث" کے مقدمہ میں کیا ہے

۱۷۔ الاجتهاد فی طلب الجہاد۔

جب فرنگیوں نے قلعہ ایاتس کا محاصرہ کیا ہے، اُس وقت

آپ نے یہ رسالہ امیر منجکت کے لئے لکھا ہے۔ یہ رسالہ مقرر سے

چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ رسالۃ فی فضائل القرآن

یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع

ہو چکا ہے۔

۱۹۔ مُسند امام احمد

ابن حنبل کی مُسند کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا۔ اور

اُس کے ساتھ طبرانی کی معجم اور ابویعلیٰ کی مُسند سے زوائد بھی

درج کئے تھے۔

امام ابن کثیر کی تمام تصنیفات میں یہ خوبی میاں ہے کہ جو

کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں عبارت

سہل اور پیرایہ بیان دلکش ہوتا ہے +

مقدمه
سبیل الرشاد

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ (پ ۴۳، ع ۹)

نہایت مفید اور جامع رسالہ

سَبِيلُ الرَّشَادِ

از

حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حواشی و تعلیقات

حضرت مولانا محمد امیر علوی صاحب میرٹھی دامت برکاتہم العالیہ

ناشر

مَكْتَبَةُ الْحَيِّ وَالْمَدَنِيِّ

محمد حنیف بڑوتوی، اورنگ آباد نمبر ۶/۶۱۰، کراچی نمبر ۱۸۔

مقدمہ

حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

رفیق مجلس الدعوة والتحقیق الاسلامی علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

ہندوستان جنت نشان اس کرۂ ارضی کا وہ خطہ ہے، جہاں سب سے پہلے افراد انسانی کے ابوالآباء حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہبوط واقع ہوا۔ چنانچہ یہ مضمون کتب احادیث کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ حسان الہند علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ ہجری نے اپنی گرانقدر تصنیف سبحة المرجان فی آثار ہندوستان کی فصل اول میں اس سلسلہ کی تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔ اس بنا پر عالم انسانیت میں تعلیم ربانی کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے۔ لیکن یہ عالم انسانیت کا عہد طفولیت تھا۔ پھر جب یہ سونی دھرتی آدمیوں سے آباد ہونے لگی تو ان کی اصلاح و تعلیم کے لئے وقتاً فوقتاً خدا کے برگزیدہ بندے آتے رہے اور ان کو راہِ حق دکھلاتے رہے۔ چنانچہ قرآن عظیم کی تصریح ہے۔

وَ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اَخْلَا فِيْهَا نَذِيْرًا (الفاطر ۲۴)

اور کوئی فرقہ نہیں جس میں کوئی ڈرسانے والا نہ گذرا ہو۔

۱۔ ملاحظہ ہو ”سبحة المرجان“ ص ۳ تا ص ۲۴، واضح رہے کہ علامہ موصوف نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ قلم بند فرمایا ہے جس کا نام ہے ”ثمّة العمر فیما ورد فی الہند عن سید البشر“ اس رسالہ میں تفسیر و احادیث کی کتابوں میں جو کچھ ہندوستان کے متعلق مولانا غلام علی کی نظر سے گذرا تھا اس کو انہوں نے یکجا کر دیا ہے۔ پھر اس رسالہ کو ”سبحة المرجان“ کا جزو بنا کر تمام و کمال اس کی ابتداء میں نقل کر دیا ہے ”سبحة المرجان“ ایک صدی ہونے کو آئی جب ۱۳۰۳ھ (باقی صفحہ آئندہ)

یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا اور کچھ ہندو کی خصوصیت نہیں بلکہ جہاں بھی عالم انسانیت نے جنم لیا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر، ہادی اور نذیر وہاں برابر آتے رہے، اور انسانوں کو دین حق کی طرف بلا تے اور اس کی تعلیم دیتے رہے، تاہم تعلیم و تعلم اور دعوت حق کا یہ سلسلہ مقامی، وقتی اور نسلی تھا کیونکہ عالم انسانیت ابھی عہد طفلی سے عہد شباب کی طرف گامزن تھا اور دنیا مختلف نسلوں، گروہوں اور جغرافیائی حد بندیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ پھر جب عالم انسانیت نے شباب کی منزل میں قدم رکھا اور اس کے قوائے علمی و عملی میں بہار آنا شروع ہوئی اور ایسا وقت آ گیا کہ اب وہ امت واحدہ بن کر تکمیل دین اور اتمام نعمت الہی کی دولت سے مشرف ہو تو حق تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر عالم انسانیت کی روحانی ضرورت کو جس کا وہ زبان حال سے ملتی تھا پورا فرمایا اور اعلان کر دیا گیا کہ

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي

ورضيت لكم الاسلام دينا (المائدہ ۳)

آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر چکا اور تم پر اپنی نعمت کو میں نے پورا کر دیا اور تمہارے واسطے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیاء اور رسل آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجے گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف ہوئی۔ اس میں کالے، گورے، سرخ، سفید، اور زرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس لئے رومی، شامی، فرنگی، حبشی، ترک، تاتار، تاجیک، دیلم، چینی، جاپانی، ہندی، افغانی غرض تمام عرب و عجم اور ہر قوم اور ہر جنس کے لوگ آپ میں

برابر کے حقدار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس (السماء ۲۸)

اور ہم نے تو آپ کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً (الاعراف ۱۵۸)

اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیامبر ہوں۔

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھ سے پہلے جو نبی بھیجا جاتا تھا وہ خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“ اس معنی کی روایتیں کتب حدیث میں بکثرت وارد ہیں، اور اس کی عملی دلیل مطلوب ہو تو سارے پیغمبروں کے حالات پڑھ جائیے سب کے ماننے والوں کو ان کی زندگی میں آپ اسی ملک اور قوم میں محدود پائیں گے۔ جس ملک اور قوم کی طرف ان کی بعثت ہوئی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں خود آپ ہی کی حیات طیبہ میں ہم کو بلال حبشی، عتیبہ رومی اور سلمان فارسی کے بھی نام ملیں گے اور شاہانِ عالم کے نام جو آپ نے دین اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے وہ بھی عموم دعوت کی ایک بڑی بھاری عملی دلیل ہے۔

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد

برنگ اصحاب صورت رابہ بوارباب معنی را

اس بنا پر دین اسلام وہ ابر رحمت تھا جو اس دنیا کے چپہ چپہ پر برسا مگر فیض ہر ایک نے بقدر استعداد اٹھایا۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ ردید و در شوره بوم خس

ہمارے ہندوستان کی قسمت میں بھی اس بارانِ رحمت سے فیض اٹھانا مقدر

۱۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری اور صحیح مسلم، کتاب الساجد

تھا۔ غازیان ہند کو فتح ہند سے کئی صدی پہلے بشارت دی جا چکی تھی۔

عصا بتان من امتی احوزهما اللہ من النار۔ عصابة

تغذوا الهند۔ وعصابة تكون مع عیسیٰ بن مریم

میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے آتش

دوزخ سے بچا لیا ہے ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک

ہوگا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ

ہوگا۔

اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں، اور امام نسائی نے اپنی سنن میں

اور حافظ ضیاء مقدسی نے ”المختارۃ“ میں نیز طبرانی نے بسند جید حضرت ثوبان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں۔

وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة

الهند فان استشهدت کنت من خیر الشهداء وان

رجعت فانا ابوہریرۃ المحرر (مسند امام احمد بن حنبل)

(ج ۲ ص ۲۲۹)

ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان

کے غزوے کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے، تو اگر بھی اس میں شہید ہو گیا تو

بہترین شہیدوں میں ہوگا اور اگر صحیح و سلامت واپس آ گیا تو (دوزخ سے) آزاد

۱۔ ج ۵ ص ۱۷۸ ۲۔ سنن نسائی کتاب الجہاد، غزوة الهند ۳۔ ملاحظہ ہو ”الفتح الکبیر فی فہم الزیادۃ الی الجامع الصغیر“

ج ۲ ص ۲۲۹ طبع مصر ۴۔ سبحة الرجاں ص ۲۱ حافظ نور الدین عیسیٰ نے مجمع الزوائد کی کتاب الجہاد باب غزوة الهند

میں اس روایت کو طبرانی کی المعجم الاوسط کے حوالے سے نقل کیا ہے بحسب ہے کہ حافظ عیسیٰ نے اس روایت کو زوائد

میں شمار کیا حالانکہ یہ روایت تو بعینہ ان ہی الفاظ کے ساتھ سنن نسائی میں موجود ہے اور زوائد میں ان روایات کا ذکر

کیا جاتا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور نہ ہوں۔ نیز حوالے میں صرف المعجم الاوسط کا ذکر کیا ہے مسند احمد کا نہیں حالانکہ مجمع

الزوائد میں انہوں نے مسند احمد کے بھی زوائد کو جمع کیا ہے اور یہ روایت مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

اور سنن نسائی میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند
فان ادركتها انفق فيها نفسى 'ومالى' فان اقبل كنت
من افضل الشهداء فان ارجع فانا ابو هريرة المحرر
(كتاب الجهاد)

ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا
ہے۔ سو اگر مجھے اس غزوے میں شرکت کا زمانہ ملا تو میں اس میں
اپنی جان و مال قربان کر دوں گا پھر اگر میں اس میں شہید ہو گیا۔ تو
افضل شہیدوں میں ہوں گا اور اگر زندہ واپس لوٹ آیا تو میں
دوزخ سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔

واضح رہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ عام امت محمدیہ سے
تھا خاص افراد سے نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تردد تھا کہ
خدا جانے اس غزوہ ہند میں مجھے شرکت کی سعادت نصیب ہو یا نہ ہو غور فرمائیے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی امام احمد بن حنبلؒ المتوفی ۲۴۱ ہجری کی
مسند میں موجود ہے جو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ”غزوہ ہند“ ۳۹۲
ہجری سے تقریباً ہونے دو سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔ مسند احمد ہی کی ایک
کو دوسری روایت میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے
”ہند“ کے ساتھ ”سند“ کے الفاظ بھی آئے ہیں، یہ روایت حسب ذیل ہے۔

حدثنا يحيى بن اسحق حدثنا البراء عن الحسن عن
ابى هريره قال حدثنى خليلى الصادق رسول الله
صلى الله عليه وسلم انه قال يكون فى هذه الامة
بعث الى السند والهند فان انا ادر كته فاستشهدت

فذلک وان انا تذکر کلمۃ رجعت وانا ابوہریرۃ
 المحرر قد اعتقنی من النار (ج ۲ ص ۳۶۹)
 ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم سے براء نے
 حسن بصریؒ کی روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کی یہ حدیث بیان کی کہ مجھ سے میرے محبوب صادق رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس امت میں سندھ اور ہند کی
 طرف لشکر کشی ہوگی، سواگر میں نے وہ زمانہ پایا اور شہید ہو گیا تو
 مراد برآئی اور اگر (اس کے بعد انہوں نے کچھ فرمایا جو یہ تھا کہ)
 میں زندہ لوٹ آیا تو اس حال میں لوٹوں گا کہ میں آزاد ابوہریرہ
 ہوں گا اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ سے آزاد فرما دیا ہوگا۔

حافظ ابن کثیرؒ ”البدایہ والنہایہ“ میں اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ
 تفرد بہ احمد یعنی اس حدیث کے راوی صرف امام احمد ہیں، مگر یہ کوئی قابل
 اعتراض بات نہیں، امام صاحب کی تو بڑی شان ہے، کسی ثقہ کا تفرد بھی قاذح
 صحت نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اس روایت کا ایک راوی براء بن عبد اللہ بن یزید
 الغنوی البصری القاضی جو امام حسن بصریؒ سے اس روایت کو نقل کرتا ہے۔ حافظ
 ابن حجر عسقلانی نے اس کو ضعیف لکھا ہے ۲۔ مگر آئمہ جرح و تعدیل کی تصریحات
 جو اس کے بارے میں ہیں ان پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیادہ ضعیف
 نہیں ہے۔ چنانچہ ابن عدی کہتے ہیں کہ ہو عند اقرب الی الصدق عنہ
 الی الضعف یعنی میرے نزدیک یہ ضعف کے بجائے صدق کے زیادہ قریب
 ہے اور امام بزار فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی وقد احتمل حدیثہ گو یہ قوی
 نہیں تاہم اس کی روایت قابل برداشت ہے اور ایک بار امام موصوف نے اس
 کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ لیس بہ باس یعنی اس میں کوئی خرابی نہیں اور

یعنی یہی الفاظ امام ابو داؤد جستانی سے بھی اس کے بارے میں منقول ہیں۔ غالباً اسی لئے حافظ ابن کثیر نے براء کے بارے میں کچھ اظہار خیال نہ فرمایا، تاہم اس کے ضعف کی بناء پر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ روایت میں ”سند“ کا اضافہ ضعف حافظہ کا نتیجہ ہوگا مگر واقعات اس پیشین گوئی کی بھی صحت کے شاہد ہیں، بلکہ سندھ پر تو ہند سے بھی پہلے لشکر اسلام کا حملہ ہوا تھا۔ بہر حال غزوہ ہند کی پیشین گوئی باسانید صحیحہ حضرت ثوبان و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی روایت سے ثابت ہے اور غزوہ سندھ کی پیشین گوئی بسند حسن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے روایت کا ضعف اتنا شدید نہیں ہے کہ جس کی بناء پر اس کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ حافظہ جلال الدین سیوطی نے تو ”جمع الجوامع“ کے دیباچہ میں یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ:-

وکل ما کان فی مسند احمد فهو مقبول فان

الضعیف الذی فیہ یقرب من الحسن ۲

اور ہر وہ روایت جو مسند احمد میں ہے، مقبول ہے کیونکہ اس میں جو ضعیف روایت بھی ہے وہ حسن کے قریب قریب ہے۔

صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ آخر پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں ۹۲ ہجری میں محمد بن قاسم ثقفی کی سرکردگی میں اسلامی فوج سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ۹۵ ہجری میں اسلامی فتوحات کا سیلاب سندھ کے تمام حدود کو پار کر گیا جس کے نتیجہ میں سندھ کا تمام علاقہ اسلامی قلمرو میں داخل ہو گیا اور ایک عرصہ تک سندھ میں اموی اور عباسی خلفاء کی طرف سے والی مقرر ہو کر آتے رہے۔ پھر چوتھی صدی کے اواخر میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور سومنات کے بتکدے کو تاراج کر کے دم لیا۔ اب غزنین سے لاہور تک اسلامی راج تھا۔ محمود

۱۔ تہذیب و تہذیب میں اس کا تذکرہ پڑھے ۲۔ ملاحظہ ہو ”کنز العمال“ ج ۲ ص ۳ دائرۃ المعارف

غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد تقریباً دو سو سال تک غزنین سے لاہور تک حاکم و متصرف رہے۔ غزنویوں ہی کے عہد حکومت میں ہمارے پاکستان کے مشہور بزرگ اور ولی اللہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۶۵ ہجری نے اپنے قدم مہمنت لزوم سے لاہور کو نوازا، حضرت ممدوح نے اپنی مشہور تصنیف ”کشف المحجوب“ میں جس کا شمار تصوف کی اعلیٰ ترین کتابوں میں ہوتا ہے اس سرزمین کے بارے میں اپنا جو ”رویائے صادقہ“ بیان کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں:-

ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام ”وفقی اللہ“ بدمشق شام بودم بر سر
گو مؤذن رسول خدائے صلی اللہ علیہ وسلم خفیۃ خود را بمکہ دیدم
اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمد و
پیرے را در برگرفتہ، چنانکہ اطفال را در برگیرند بشفقۃ، من پیش
رویدم، بردست و پالیش بوسہ دارم، و در تعجب بودم تا آن کیست و
آں حالت چیست! وے بر باطن و اندیشہ من مشرف شد،
مرا گفت ایں امام تو و اہل دیار تست یعنی ابوحنیفہ، مر ابدان خواب
امید بزرگست و با اہل دیار خود ہم، و درست گشت از ین خواب مرا
کہ وے یکے از آناں بودہ است کہ از اوصاف طبع فانی بودند و
باحکام شرع باقی و بدان قائم۔ چنانکہ برندہ دے پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم بودہ است و اگر دے خود رفتے باقی الصفت بودے،
و باقی الصفت یا خطی بود یا مصیب چوں برندہ وے پیغامبر صلی اللہ
علیہ وسلم بود فانی الصفت باشد بقائے صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
، و چوں بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نگیر و بر آنکہ بدو قائم
بود نیز صورت نگیرد و ایں رمز بطیف است!

۱۔ کشف المحجوب ص ۱۳۱ طبع سرقد ۱۳۰۳ھ و ص ۸۶ طبع لاہور ۱۳۹۸ھ

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق خیر دے۔
 شام کے شہر دمشق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت
 بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے سو رہا تھا، خواب میں کیا
 دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
 باب بنی شیبہ سے ایک پیر مرد کو اپنی گود میں لئے اس حال میں
 اندر تشریف لارہے ہیں کہ جس طرح بچوں کو پیار سے گود میں
 اٹھاتے ہیں۔ میں دوڑ کر حاضر خدمت ہوا اور آپ کے ہاتھ
 پاؤں کو بوسہ دینے لگا اور تعجب میں تھا کہ یہ کون صاحب ہیں اور
 یہ کیا حالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اندرونی
 اندیشے کو دریافت کر لیا اور مجھ سے فرمایا یہ ابوحنیفہ ہیں جو
 تمہارے بھی امام ہیں اور تمہارے اہل ملک کے بھی۔ مجھے اس
 خواب سے اپنے بارے میں بڑی امید ہے اور اپنے اہل دیار
 کے بارے میں بھی۔ اور مجھے اس خواب سے یہ بات بھی ثابت
 ہوئی کہ امام اعظم ان حضرات میں سے ہیں کہ جو اپنے اوصاف
 طبع کے لحاظ سے فانی اور احکام شرع کے لحاظ سے باقی ہیں اور
 ان ہی کے ذریعہ قائم ہیں۔ چنانچہ ان کو لے کر چلنے والے پیغمبر
 صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اگر وہ اپنے آپ چلتے ہوتے تو باقی
 الصفت ہوتے اور باقی الصفت غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہے اور صحیح
 بھی، اور اب جب ان کو اٹھا کر چلنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
 ہوئے تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بقائے صفت کی وجہ سے فانی
 الصفت ٹھہرے اور چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر خطا کی کوئی
 صورت نہیں، اس لئے جس کا قیام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

عالی سے وابستہ ہو اس پر بھی خطا کی صورت نہیں بن سکتی (یاد رہے) یہ ایک لطیف رمز ہے۔

اب تک مسلمانوں کی حکمرانی لاہور تک تھی۔ ۵۸۹ ہجری میں سلطان معزالدین سام غوری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے آخری فرماں روا پر تھی راج کو شکست دیکر دہلی کو دار السلطنت قرار دیا۔ اس وقت سے لے کر ۱۲۰۳ھ تک اس برصغیر ہندوپاک کے علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط و اقتدار برقرار رہا۔ اب حدیث صحیح اور اس رویاے صادقہ کی روشنی میں اس کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پڑھ جائیے۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر بلکہ سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ تک آپ کو کوئی غیر حنفی فاتح اور غازی نہیں ملے گا۔ اس ملک کے اولین غازی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا صحیح مصداق ہیں۔ ان ہی حضرات کی برکت سے ظلمت کدہ ہند نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ ہندوستان میں ان فاتحین کے قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ صوفیہ، اہل دل اور علماء کی آمد شروع ہوئی اور مکان ہند جوق در جوق اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے۔ عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے جو شریعت محمدیہ کی سب سے پہلی تشریح اور تمام مذاہب میں سنت کے زیادہ قریب ہے اور ایمان و عمل میں اخلاص کی دولت صوفیہ کی بدولت نصیب ہوئی۔ چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں۔

رعایای آن ملک کلہم اجمعین حنفی مذہب اند۔
اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالے سے ناقل ہے۔
مرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بووہ

اند ۲

اور حضرت مجدد الف ثانی مغل امپائر کے فرماں روا کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

”سلطان وقت خود را حنفی مذہب می گیرد و از اہل سنت میداند“
اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحصیل التعرف فی الفقہ والتصوف میں ارقام فرماتے ہیں۔

”و اہل الروم و ماوراء النہر و الہند حنفیون“^۱
اہل روم، اہل ماوراء النہر اور اہل ہند سب حنفی ہیں۔
اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں۔

روزے در حدیث لوکان الدین عند اللہ یا لئالہ رجال اور جل من ہولاء یعنی اہل فارس، وفی روایتہ، لئالہ رجال من ہولاء بلا شک مذاکرہ می کردیم۔

ایک دن اس حدیث پر ہم گفتگو کر رہے تھے جس میں آتا ہے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اس کو ان میں سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا ان میں سے ایک شخص ضرور حاصل کر کے رہے گا۔ اور ایک روایت میں بغیر شک کے ہولاء کا ہی لفظ مذکور ہے یعنی اہل فارس کے کچھ افراد ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔

فقیر گفت، امام ابوحنیفہ دریں حکم داخل ہست کہ خدائی تعالیٰ علم فقہ را بردست دی شائع ساخت و جمیع از اہل اسلام را بآن فقہ مہذب گردانید خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است و بس، در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند و قضاة و اکثر

۱۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب دوسم و پنجاہ و یکم حصہ چہارم ص ۶۰ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۹ھ ص ۲ اس کتاب کا عکسی نسخہ برادر عزیز مولوی محمد عبدالحلیم چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے اور میں نے یہ عبارت اسی کے ص ۳۶ سے نقل کی ہے۔

مدرسائے واکثر عوام حنفی۔
 فقیر (یعنی میں) نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اس حکم میں داخل ہیں کہ
 حق تعالیٰ نے علم فقہ کی ان کے ہاتھوں اشاعت فرمائی اور اہل
 اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعے آراستہ فرمایا خصوصاً
 پچھلے دور میں کہ بس یہی مذہب نری دولت ہے تمام شہروں اور
 تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں۔ قاضی اور اکثر مدرسین اور اکثر
 عوام حنفی ہیں۔

اور تہیات الہیہ میں لکھتے ہیں:
 وجمہور الملوک وعامۃ البدان
 متمذہبین بمذہب ابی حنیفۃ ۲
 بیشتر سلاطین اور عام ممالک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے
 مذہب کے پیرو ہیں۔

واضح رہے کہ نجات ابدی کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ علم۔ عمل اور
 اخلاص۔ پھر علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس سے مقصود مجرد اعتقاد اور یقین
 قلبی ہے اور جس پر ایمان کا دار و مدار ہے اور جس کی تفصیل علم عقائد و کلام
 میں مذکور ہے، اور دوسرا وہ علم جس سے مقصود عمل ہے اور علم فقہ جس کے بیان
 کا متکفل ہے۔ اہل ہند عقائد و فقہ دونوں میں امام اعظم کے مسلک کے پیرو
 ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ عقائد و فقہ دونوں میں اسلامی دنیا کی اکثریت کے مقتداء
 ہیں، علم عقائد میں امام صاحب کی متعدد تصانیف یادگار ہیں جیسے (۱) کتاب
 الفقہ الاکبر (۲) کتاب العالم والمختلعم (۳) کتاب الرسالۃ الی عثمان البتی یہ سب

۱۔ ملاحظہ ہو "کلمات طیبات مجموعہ مکتوبات شاہ ولی اللہ مکتوب یازدہم ص ۷۷ طبع مطبع الحکوم مراد آباد ۱۲۰۸ھ
 - واضح رہے کہ کاتب کی غلطی سے "البلدان" کی بجائے مطبوعہ نخت میں "الیونان" طبع ہو گیا ہے جو محض غلط
 ہے۔ ۲۔ تہیات الہیہ ج ۱ ص ۲۱۲ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ

کتابیں مطبوع و متداول ہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ حنفیہ کے عقائد کو ایک مستقل رسالہ میں اس نام سے جمع کر دیا ہے۔ بیان عقیدۃ فقہاء المملۃ ابی حنیفہ و ابی یوسف و محمد بن الحسن رحمہم اللہ، یہ رسالہ ”العقائد الطحاویہ“ کے نام سے مشہور و متداول ہے۔ امام طحاوی کے معاصر ماوراء النہر کے مشہور امام، امام اہل السنۃ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۰ھ نے جو امام الہدی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان عقائد کو عقل و نقل کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ مدون فرمایا ہے اور بڑی عمدہ تصانیف اس سلسلہ میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ تمام حنفی دنیا اس بارے میں آپ کی مرہون منت ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اپنی پیش بہا تصانیف، احکام القرآن، شرح معانی الآثار بیان مشکل الآثار وغیرہ کے ذریعہ فقہ حنفی کی خدمت کی ہے، اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کو خوب مدلل و مبرہن کیا ہے، بعینہ وہی کام امام ابو منصور ماتریدی نے اپنی گرانقدر تصانیف تاویلات القرآن، کتاب المقالات، کتاب التوحید وغیرہ کے ذریعہ حنفی عقائد کے بارے میں انجام دیا ہے۔ جزا ہما اللہ تعالیٰ عننا وعن سائر المسلمین خیر الجزا۔ ہندوستان ماوراء النہر اور روم کا تمام خطہ بلکہ تمام حنفی عقیدۃ ماتریدی کہلاتے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ عقائد کے اعتبار سے گواہل السنۃ والجماعۃ میں بنیادی طور پر کوئی اہم اختلاف نہیں ہے۔ تاہم عقائد ماتریدیہ اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ ان کی تدوین فلسفہ کے اثر سے قطعاً پاک ہے اور ان کی بنیاد خالص کتاب و سنت پر ہے، چنانچہ مجتہد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جو علم عقائد و کلام میں امامت و اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں فرماتے ہیں۔

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلائیات کلام حق بجانب حنفی است،
تکوین را از صفات حقیقیہ می داند، ہر چند بظاہر رجوع بقدرت
ارادت می نماید۔ لیکن بدقت نظر و نور فراست معلوم می گردد کہ

صفت علیحدہ است علیٰ ہذا القیاس، ودر خلائیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی است و در اقل متردد و اس فقیر را در توسط احوال حضرت پیغمبر علیہ والہ الصلوٰۃ والتسلیمات در واقعہ فرمودہ بودند کہ تو از مجتہدان علم کلامی، از اس وقت در ہر مسئلہ از مسائل کلامیہ اس فقیر را رای خاص است و علم مخصوص، در اکثر مسائل خلافیہ کہ ماتریدیہ و اشاعرہ در انجا متنازع اند و ابتداء ظہور آن مسئلہ حقیقت بجانب اشاعرہ مفہوم می گردد و چون بہ نور فراست حدت نظر نمودہ می آید واضح میگردد کہ حق بجانب ماتریدیہ است۔

اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ علم کلام کے اخلاقی مسائل میں حق حنفیوں کی طرف ہے چنانچہ تکوین کو حق تعالیٰ کے حقیقی صفات میں جانتا ہوں اور ہر چند کہ بظاہر صفت تکوین قدرت و ارادہ ہی کی طرف لوٹی نظر آئی ہے۔ لیکن دقت نظر اور نور فراست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل صفت ہے علیٰ ہذا القیاس (اور مسائل خلافیہ کلام کا حال ہے) اور فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق حنفی مذہب کی جانب سے اور بہت ہی کم میں متردد (کہ دوسری جانب بھی ان کے حق ہونے کا احتمال ہے)

اور اس فقیر کو انشاء احوال میں حضرت پیغمبر علیہ والہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے واقعہ میں فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے اس وقت سے مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی ایک خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔ اکثر وہ اختلافی مسائل کہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین نزاع سے، ان

میں مسئلہ کے ابتداء ظہور میں تو حقیقت اشاعرہ کی جانب معلوم ہوتی ہے لیکن جب نور فراست سے گہری نگاہ ڈالی جاتی ہے تو واضح ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے۔

در جمیع مسائل خلافیہ کلامیہ رای ایں فقیر موافق رای علماء ماتریدیہ است والحق کہ ایں بزرگواران را بواسطہ متابعت سنت سدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقہ شان عظیم است کہ مخالفان ایشان را بواسطہ خلط فلسفیات آن شان میسر نیست اگرچہ ہر دو فریق از اہل حق اند۔

علم کلام کے تمام مسائل خلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماء ماتریدیہ کے موافق ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی اتباع سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بدولت ایسی بڑی شان ہے کہ جو شان ان کے مخالفین کو فلسفہ کے مسائل کو ملا دینے کے سبب میسر نہیں، اگرچہ دونوں فریق اہل حق سے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں:- و در میان علماء اہل سنت طریق اصحاب شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ زیبا است کہ اقتضای مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقات فلسفہ کردہ۔ طریق نظر و استدلال بطریق فلسفی در میان علماء اہل سنت و جماعت از شیخ ابوالحسن اشعری ناشی شدہ است، و خواستہ کہ معتقدات اہل سنت را با استدلال فلسفی تمام سازد و ایں دشوار است و دلیر ساختن است بر طعن اکابر دین و گزاشتن است طریق سلف را ثنا اللہ سبحانہ علی متابعتہ آرا اہل الحق المقتبستہ من انوار النبوة علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا و اکملہا ۲

علمائے اہل سنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیسا زیبا ہے کہ مقاصد پر اکتفا فرماتے ہیں اور فلسفیانہ باریکیوں پر رخ نہیں کرتے۔ فلسفیانہ طرز پر بحث و استدلال کا طریقہ علمائے اہل سنت و جماعت کے درمیان شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ اہل سنت کے عقائد کو فلسفیانہ استدلال سے مکمل کیا جائے اور یہ دشوار بات ہے اور اکابر دین کے طعن پر جرأت دلانا اور سلف کے طریقے کو چھوڑنا ہے۔ اللہ سبحانہ آرا اہل حق کی پیروی پر کہ جو انوار نبوت سے جگمگا رہی ہے ہمیں ثابت قدم رکھے۔ ذات رسالت مآب پر اتم و اکمل صلوات و تسلیمات۔

اور فقہ حنفی کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں۔ بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ می شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید و سائر مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر می درآیند و بظاہر ہم کہ ملاحظہ نموده می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان، و ایں مذہب با وجود کثرت متابعان اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز است و در استنباط طریق علیحدہ دارد، و ایں مبنی از حقیقت است۔

بغیر کسی تکلف و تعصب کے شائبہ کے کہا جاسکتا ہے کہ نظر کشفی میں اس مذہب حنفی کی نورانیت ایک بڑے سمندر کی طرح معلوم ہوتی ہے اور بقیہ مذاہب ایسے نظر آتے ہیں جیسے کہ حوض اور نہریں، ہولی ہیں اور ظاہر میں بھی دیکھا جائے تو اہل اسلام کا سواد اعظم

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ امام ابوحنیفہ ہی کا پیرو ہے نیز یہ مذہب اپنے قبیحین کی کثرت کے باوجود اصول فروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور طرز استنباط میں جداگانہ طریقہ کا حامل ہے، اور یہ بات بھی اس کی حقانیت کی خبر دیتی ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:-

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذاهب الحنفی طريقة الیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ لـ

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو اس سنت معروفہ کے سب سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں مدون و منقح ہوئی ہے۔

ایک اور وجہ مذہب حنفی کی حقانیت کی یہ بھی ہے کہ جب سے اس مذہب کا شیوع ہوا اسلامی دنیا کے غالب حصہ میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا۔ قسطنطنیہ کے فاتح یہی ہیں، ہندوستان کے فاتح یہی ہیں اور اسی مذہب کے ذریعہ کم و بیش ایک ہزار سال تک دنیا میں اسلامی نظام نافذ رہا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فیوض الحرمین کے بالکل آخر میں ملت حقہ اور مذہب حق کی ایک شناخت یہ بھی لکھی ہے کہ:-

بان یکون حفظة المذهب هم القائمون بالذب عن

الملة او یکون شعارهم فی قطر من الاقطار هو الفارق

بین الحق والباطل (ص ۱۰۳ و ۱۰۴)

اس مذہب کے پاسبان ہی ملت اسلام کی طرف سے دفاع کے لئے کھڑے ہوں، یا ممالک میں سے کسی خاص ملک میں ان کا شعار ہی حق و باطل میں فرق کرنے والا ہو۔

اب براعظم ایشیا کی پوری اسلامی تاریخ پڑھ جائیے آپ کو اسلامی اقتدار کا نشانہ خفی ہی ملیں گے۔ بارہ سو سال سے اس براعظم میں علم جہاد ان ہی کے ہاتھ میں رہا ہے، یہی دین حق کے پاسبان اور ملت اسلام کے محافظ رہے ہیں۔ بالخصوص ہندوپاک اور سرزمین روم و ماوراءالنہر میں ہر جگہ کفر سے نبرد آزمائی ان کا شیوہ رہا ہے اور کفار عجم کے مقابلے میں یہی ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں یہی تھے جو ان تمام ممالک میں حق و باطل کے ہر معرکہ آرائی میں ہر جگہ حق کا شعار اور صداقت کا نشان رہے ہیں۔

تیسری چیز اخلاص جو علم و عمل کے لئے بمنزلہ روح ہے اس کا حصول سلوک طریقہ صوفیہ سے وابستہ ہے سوا الحمد للہ سرزمین ہندوپاکستان شروع ہی سے جب سے غازیان اسلام نے ادھر کا رخ کیا حضرات قدسی صفات کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوتی رہی ہے۔ دور غزنوی میں ان بزرگوں کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حضرت حسین رنجانی رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور ادھر حضرت علی ہجویری صاحب ”کشف المحجوب“ کا داخلہ ہو رہا تھا۔ غوریوں کے عہد میں جب قبة الاسلام دہلی یہاں کے مسلمانوں کے فرماں رواؤں کا دارالملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بزرگان قادریہ۔ حضرات چشت اہل بہشت، سب کی آمد کا تافتا بندھ گیا۔ کشمیر فتح ہوا تو کبراء ہمدانیہ کا وہاں ورود ہوا۔ ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور چمکا اور کفر زار ہند میں اسلام کو وہ فروغ ہوا کہ باید و شاید، ہندوستان جیسی سنگلاخ زمین کے جہاں کے باشندے اپنے آپ کو پوتر اور دوسروں کو ملجھ سمجھتے

تھے۔ جن کے نزدیک دوسروں کا مذہب قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانا تک گوارا نہ تھا بلکہ ان کے سائے سے پرہیز کرنا بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ بطوع و رغبت داخل اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو بفضلِ تعالیٰ اہل اسلام کی تعداد پچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے وہ ان ہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا صدقہ اور ان ہی کے اخلاص کی برکت ہے اور گواس میں شک نہیں کہ اس برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سہروردی۔ فردوسی، ہمدانی، قادری سب ہی سلاسل کے بزرگوں کی کوششوں کو بڑا دخل ہے لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ان بزرگوں کی برکات خاص خاص خطوں اور علاقوں تک محدود رہیں۔ ملتان کے حدود میں سہروردیہ کا اثر رہا، اودھ کے علاقہ میں قادریوں کا دلی اور بہار کے نواح میں فردوسیوں کا اور کشمیر میں ہمدانیوں کا لیکن پورے برصغیر پر جن بزرگوں نے علی العموم اقلیم دلی پر فرماں روائی کی وہ حضرات چشت اہل بہشت تھے۔ بعد کو مغل دور حکومت میں ان کی جگہ قافلہ سالاران اہل دل حضرات اکابر نقشبندیہ ہوئے جن کا اثر اس برصغیر سے نکل کر روم و عرب اور ماوراء النہر تک پہنچا، اور عالم اسلام کا بہت بڑا حصہ ان کے انوار سے معمور ہو گیا۔ حضرت مجتہد رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ:-

تخم از بخارا و سمرقند آورده در زمین ہند کہ مایہ اش از خاک یشرب
و بطحا است کشتند و بآب فضل سالہا آن را و سیراب داشتند و
بر بیت احسان آنرا مرے ساختند، چون آن کشت و کار بکمال
رسید این علوم و معارف ثمرات بخشید۔
بخارا و سمرقند سے تخم لا کر سرزمین ہند میں کہ جس کی اصل یشرب و
بطحا کی خاک سے ہے اس کو بویا اور فضل خدا کے پانی سے برسوں

اس کو سینچا۔ اور اخلاص کی تربیت سے اس کی پرورش کی پھر جب یہ کھیتی باڑی اپنے کمال پر پہنچی تو یہ علوم و معارف پھل دینے لگے۔

اور ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

مخدومادر ہندوستان ہم ولایت میسرست.....امروز در ہندوستان آئی میسرست کہ در اکثر جانیست، از کثرت فیوض و وارات رشک بقاع و بلاد است، و از مزج صباحت و ملاحت و شباهت تام بترت یثرب و بطحادر حسن و لطافت دارد از انوار و برکات آن بیش از بیش امیدوارست۔

مخدومادر ہندوستان میں بھی ولایت میسر ہے..... آج کل ہندوستان میں وہ چیز میسر ہے جو اکثر جگہوں پر نہیں ہے یہ فیوض و واردات کی کثرت سے دوسرے مقامات اور شہروں کے لئے باعث رشک ہے اور خوب روئی و نمکینی کی باہمی آمیزش کی بدولت یثرب و بطحا کی خاک سے حسن و لطافت میں شباهت تام رکھتا ہے (اور بندہ) اس کے انوار و برکات سے زیادہ سے زیادہ امید رکھتا ہے۔

یہ ہے اس ہندوستان جنت نشان میں شمع اسلام کے فروزاں ہونے کی مختصر سی داستان صداقت نشان، پھر دو وقت اس سرزمین پر ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈرتھا کہ اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنے شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا نصیب دشمنان کہیں ہمیشہ کے لئے بجھ نہ جائے۔ ایک اکبری دور الحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ

سَبِيلُ الرَّشَادِ
 علیہ نے اپنی تربیت باطنی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی
 کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا۔ جزا ہما اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزا۔
 دوسرا نگریز کا عہد نحوست عہد بالخصوص ۱۷۳۳ء کا ہنگامہ رست و خیز کہ جس میں اس
 ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور ہر طرف مسلمانوں کے
 خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ طرح طرح کے فتنوں نے سراٹھایا۔ لامذہبیت،
 نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔ اہل بدعت نے زور باندھا اور ہر طرف سے
 اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں
 اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا۔ دہلی کے عربک کالج سے دو طالب علم نکلے جن کی علمی
 تربیت مولانا ملوک العلی اور مولانا عبدالغنی صاحب محدث مجددی رحمۃ اللہ علیہما
 نے کی تھی اور باطنی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ صاحب فاروقی مہاجر کی
 رحمۃ اللہ نے اخلاص کی دولت اور چشتیہ و نقشبندیہ کی نسبت حاجی صاحب کے
 آستانے سے ملی اور مجددیہ کے برکات اور خاندان ولی الہی کے علوم و فیوض ان
 دونوں بزرگان مذکور الصدر کے خوان علمی ہے۔ میری مراد ان دونوں طالب
 علموں سے حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمد اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد
 قاسم رحمۃ اللہ علیہما سے ہے۔ قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا۔ آگے چل کر
 ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا۔ کہ ایک ایسی درس گاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس
 دورِ زوال و انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان کی علمی و
 دینی تربیت کا مرکز ہو۔ حق تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے۔ وہ مدرسہ جو
 ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں جاری ہوا۔ دیوبند جیسی گمنام بستی میں، چھتہ کی مسجد کے اندر،
 انار کے درخت کے نیچے، جس کے پہلے مدرس مولانا محمود دیوبندی اور پہلے
 طالب علم مولانا محمود حسن (شیخ الہند) تھے اور ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ ہجری کو جس کی
 بنیاد کا پہلا پتھر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے رکھا، اور بعد

میں جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہم نے ایک ایک اینٹ رکھی اور جس کی پہلے سال کی آمدنی کل چھ سو انچاس روپے چار آنے تھی۔ کل دو مدرس ایک عربی اور ایک فارسی و ریاضی کے مقرر ہوئے تھے اور کل بیس طالب علم شروع میں شریک ہوئے تھے، سوچئے آج ایک سو سال گزر جانے پر کس عظمت کا حامل ہے اور اس سے دین حنفی و مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی، بقول مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ:-

”ذرا سوچئے ان لوگوں کو جو تقریباً ایک صدی سے عالم دین بن بن کر دارالعلوم دیوبند سے نکل رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود وہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہے۔ ان میں حکیم الامت مرشد تھانوی۔ شیخ الہد حضرت مولانا محمود حسن، حضرت امام کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد انپٹھوی وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقہ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں۔“

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ”خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں، اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا جاتی ہے۔“ مولانا نانوتوی نے اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحب سے فرمایا۔ مولانا یعقوب نے اس خواب کو سن کر فرمایا کہ ”یہ خواب دیکھنے والے شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی۔ امیر شاہ خان صاحب جو اس خواب کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب اور اس کی تعبیر خود مولانا

نا تو ی سے سنی ہے۔ اس خواب کی جو تعبیر دی گئی آج اس کی حقیقت اظہر من الشمس ہے۔ مولانا گیلانی نے اس سلسلہ میں بہت صحیح فرمایا ہے کہ:-

”تیرھویں صدی کے آخر میں مسلمانان ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنہ غیر مقلدیت کے طوفان کی وجہ سے پیش آ گیا تھا اور قریب تھا کہ یک جہتی کا یہ شیرازہ بکھر کر پراگندہ ہو جائے۔ شتر بے مہاری کے اس سیلاب میں ڈر تھا کہ سلف کے سارے کارنامے شاید تہ وبالا ہو کر رہ جائیں، اس کڑے وقت اور کٹھن گھڑیوں میں درس حدیث کے قاسمی یاد یو بندی طریقہ نے خصوصیت سے کام کیا اور دین کی وہ تشریحی شکل جو امام ابو حنیفہ اور ان کے ماننے والے ائمہ و علماء کی جدوجہد کی بدولت صورت پذیر ہوئی۔ یہ ان کا صدقہ ہے کہ دین کا یہ حنفی قالب شکست و ریخت، ٹوٹ پھوٹ کے خطرے سے ہندوستان میں محفوظ رہا۔“ ۲

آخر میں جناب آل احمد سرور پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا یہ محاکمہ بھی پڑھ لیجئے جو ان کے قلم سے ان الفاظ میں تراوش ہوا ہے۔

”ہر ایک تحریک اپنے اندر مختلف قسم کے اثرات چھپائے رکھتی ہے۔ علیگڑھ کی تحریک ایک انقلابی تحریک تھی، یہ ترقی پسند تحریک تھی، یہ بادشاہت کے نشہ کو اتار کر حقیقت کی تصویر دکھانا چاہتی تھی، مذہب میں عقلیت، سماجی زندگی میں رسم و رواسے بیزاری تعلیم و تربیت میں مغربیت اور اجتماعی اخلاق کی تلقین کے ذریعہ سے اس نے انقلابی خدمات انجام دیں۔ مگر ۱۸۹۰ء کے قریب اس تحریک کی مغرب دوستی انگریز پرستی بننے لگی تھی اور اس لحاظ سے یہ ان علماء کے مقابلے میں پیچھے تھی جو دیوبند کے ذریعے سے حریت اور سیاسی جدوجہد کے علمبردار تھے“ ۳

محمد عبدالرشید نعمانی

۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ

۱۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۳۳ و ۱۳۵ ج ۲ ایضاً ص ۱۳۳ تا ۱۳۶ ج ۳ ملاحظہ ہو، تنقید کیا ہے“ از پروفیسر آل احمد سرور شائع کردہ مکتبہ جامع دہلی ص ۸۳-۱۹۵ء

مقدمہ
تذکرہ علمائے ہند

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

تذکرہ علمائے ہند

تالیف مولوی رحمان علی مرحوم

مرتبہ و مترجمہ

محمد ایوب قادری بی۔ اے

لٹریچر اسسٹنٹ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

فہرست

ڈاکٹر سید معین الحق، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی

شائع کردہ: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی - کراچی

تعارف

جناب مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اعیان علماء کے حالات کو جس طرح محفوظ کیا ہے دنیا کی تمام قومیں اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، سب سے پہلے راویان حدیث کے تذکرے قلمبند ہوئے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں جس کا کبھی کسی سلسلہ روایت میں نام آیا، ان سب کے حالات زندگی نہایت تفشیش و تلاش سے جمع کئے گئے، پھر علم رجال کے سلسلہ نے اتنی وسعت اختیار کی کہ ہر شعبہ کے رجال علم کو محیط ہو گیا۔ چنانچہ فقہاء، قراء، مفسرین، حفاظ حدیث، مؤرخین، نحاة، ادباء، شعراء، صوفیہ، قضائے، اطباء، حکماء ان سب کے حالات پر اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے۔

علم رجال ہمیشہ سے فن حدیث کا ایک شعبہ رہا ہے اس لئے جس ملک اور جس قوم نے حدیث نبوی کی جتنی خدمت کی اسی قدر اس نے اپنے رجال علم کو محفوظ رکھا برصغیر پاک و ہند میں اس مقدس علم کے ساتھ جیسا کہ اعتناء کیا جائے سب سے آخر میں کیا گیا یہی وجہ ہے کہ علم حدیث کی اشاعت سے پہلے یہاں صوفیہ اور مشائخ کے تذکرے تو مل جاتے ہیں لیکن خاص طور پر علماء کے حالات پر کوئی کتاب نہیں ملتی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

اصل اس است کہ مردم ہند در حفظ احوال مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم استقامت داشتہ اند و بہ ضبط احوال دانشمندان کم پرداختہ و کتاب مستقل دریں باب از سلف و خلف استماع نیفتاد۔ کتاب عین العلم ناطق است کہ مصنف او از اجلہ و علماء و اتقیاء روزگار بود، بقول اصح ہندی الاصل

اصل یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں نے مشائخ طریقت کے حالات کو محفوظ رکھنے کا تو اہتمام کیا اور علماء کے حالات کو مدون کرنے کی طرف توجہ کم کی، اور کوئی مستقل تصنیف سلف و خلف کی اس بارے میں سنی نہ گئی، کتاب عین العلم جو اس پر مطلق ہے کہ اس کا مصنف اجلہ علماء اور اتقیاء روزگار میں سے تھا وہ بقول اصح ہندی نثراد ہے۔

لاعلی قاری عین العلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس کا مصنف جیسا کہ شیخ ابن حجر نے اس کتاب کے مقدمہ کی شرح میں تصریح کی ہے ہندوستان کے فضلاء و صلحا میں تھا۔ تاہم مؤرخین میں سے کسی شخص نے اس کے حالات کو جمع نہ کیا۔ اور ایسی عالی تصنیف کے ہوتے ہوئے بھی گویا اس کا نام صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔

لاعلی قاری در شرح عین العلم گوید ہو من فضلاء الهند و صلحا اھم علی ما صرح بہ الشیخ ابن حجر فی شرح مقدمتہ (کسے از مورخاں احوال اور اضطرب نہ کرو باوجود ایں تصنیف عالی گویا نامش از صفحہ روزگار محو گردید۔) (ماثر الکرام تاریخ بلگرام ص ۲۲۳)

مصنف عین العلم کی طرح خدا جانے اور کتنے فضلاء و زمانہ اور علماء و یگانہ ہوں گے کہ ہم اپنی بد مذاقی کے سبب آج ان کے نام و نشان تک سے واقف نہیں، بہر حال علماء ہند میں سوائے ان چند خوش قسمت افراد کے جن کا تذکرہ تاریخ ملوک کے ذیل میں ضمیمہ محفوظ ہو گیا۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اکثر و بیشتر گمنامی کی نذر ہو کر رہ گئے اور اس لئے اس امر کی شدید ضرورت تھی کہ یہاں کے رجال علم کے حالات کو جو پردہ خفایں مستور ہو چکے تھے جو لور تلاش سے فراہم کیا جاتا اور اس پر مستقل کتاب لکھی جاتی سب سے پہلے اس ضرورت کا احساس جس قلب میں پیدا ہوا وہ ایک محدث ہی تھا ہماری مراد اس سے شیخ عبدالحق دہلوی ہیں، چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب تالیف قلب الالیف بکتابتہ فہرست التوالیف کے طویل مقدمہ میں جو تذکرہ مصنفین دہلی کے نام سے حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکا ہے متعدد مشاہیر اہل علم کی نشان دہی کی ہے اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف نہ کرنے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے یوں محذرت فرمائی ہے۔

کاتب سطور نے (اللہ اس کے اوقات کو ضائع ہونے اور فتور پڑنے سے بچائے) پادشاہوں اور امیروں کی تذکرے کو اس دیار کے تاریخ نامہ میں کہ جس کا نام "ذکر ملوک" ہے اور یہی نام اس کی تاریخ تصنیف پر بھی مشتمل ہے قلم بند کیا ہے۔ اور شائع صلی کا تذکرہ کتاب اخبار الاخبار میں جو شائع و مشہور ہو چکی ہے ذکر کر دیا۔

کاتب سطور عھم اللہ اوقاتہ عن الضیاع والفتور تذکرہ ملوک و امراء و درتایخ نامہ ایں دیار کہ مسمی بذکر ملوک و متضمن تاریخ تصنیف است ضبط نمودہ، ذکر شائع صلیاء در کتاب اخبار الاخبار کہ موسوم بہ سمت شیوع و اشتہار است ذکر کردہ، اما ذکر فضلاء از علماء و شعراء بعد از جزم و یقین باتکہ

سلسلہ ذکر ملوک۔ تاریخ نامہ جس سے یہ سلسلہ نکلتے ہیں۔

بسیار بودند چوں نام و نشان ایشان پیدا نیست و
اعمال و آثار تصنیفات و تالیفات ہویدار توانست
نوشت (تذکرہ مصنفین دہلی ص ۷۶ و ۷۷)
لیکن فضلاء کا ذکر خواہ وہ علماء ہوں یا شعراء باوجود اس
جزم و یقین کے کہ وہ بہت ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کا نام و نشان
پیدا نہیں اور ان کی تصنیفات و تالیفات کے آثار ظاہر
نہیں نہ لکھو سکا۔

بعد میں جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے علامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۸۶ھ سب سے پہلے شخص
ہیں جنہوں نے برصغیر میں اس موضوع پر مستقل تصنیف کی اور اپنی مشہور کتاب "ماثر الکرام" لکھی جو فارسی زبان میں
خاص طور پر قصبہ بلگرام اور عموماً برصغیر پاک و ہند کے مشائخ و فضلاء کا تذکرہ ہے خود علامہ آزاد نے بھی اپنی اس
ادبیت پر فخر کا اظہار کیا ہے اور سجا کیا ہے۔ چنانچہ ماثراً الکرام کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-
جز من از یاران کیست کہ این قدر ہمت در میرے سوا دوستوں میں اور کون ہے کہ جس نے وطن
احیاء اسم و رسم وطن صرف کر وہ۔ کے نام و نشان کو زندہ کرنے کے لئے اس قدر ہمت
صرف کی ہو۔

تاہم یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی نے اپنے معاصرین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ
مخدوم محمد ہاشم نقیہ سندھ جیسے اعیان علماء کا تذکرہ کہ جن میں سے ہر ایک آسمان علم کا مہر و ماہ ہے کس طرح نظر انداز
کر دیا۔ حالانکہ ان سے بدرجہا فروتر علماء و معاصرین کا تذکرہ ان کی کتاب میں موجود ہے۔
علامہ آزاد بلگرامی نے اپنی ایک اور عربی تصنیف "سبحۃ المرجان فی آثار ہند وستان" میں بھی متعدد اکا بہ
اہل علم کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس کے بعد فاضل لکھنوی مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محل المتوفی ۱۳۰۴ھ کی ایک
عربی تصنیف "ابناء الخللان بآباء علماء ہند وستان" کا نام ان کی تصانیف میں آتا ہے لیکن افسوس ہے
کہ یہ کتاب پوری نہ ہو سکی اور اس کا کوئی حصہ اب تک شائع نہ ہوا۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مولانا نے مقدمہ "عمدۃ الرعاۃ"
میں اپنے تذکرہ میں لکھا ہے دراصل اس موضوع پر ان کی تین کتابوں کے مجموعہ کا نام ہے (۱) "خیر العمل بذکر تراجم
علماء فرنگی محل" جس میں علماء فرنگی محل کے حالات ہیں۔ (۲) "النصیب الاوفی تراجم علماء المائۃ الثالثۃ عشر" اس میں
تیرھویں صدی کے علماء کا تذکرہ ہے۔ (۳) "رسالۃ فی تراجم السابقین من علماء ہند" یہ ہندوستان کے علماء و متقدمین کے
حالات میں ہے۔

اسی عہد کے ایک اور عالم محمد مہدی دراصل متوفی ۱۲۹۹ھ نے علماء و مدراس و حیدرآباد دکن کے

حالات میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "حقیقۃ المرام فی تذکرۃ العلماء والاعلام" یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور ۱۲۷۹ھ میں مطبع منظر العجائب مدراس میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ زیادہ تر اپنے معاصرین علماء کے حالات پر مشتمل ہے اسی طرح شیخ خیر الدین محمد الہ آبادی نے علماء جون پور کے حالات میں تاریخ العلماء فی اخبار العلماء اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے علماء فرنگی محل کے حالات میں عربی زبان میں آثار الاول فی تراجم علماء فرنگی محل لکھی بعد کو اردو میں بھی اس موضوع پر بہت سی تصانیف آگئی ہیں جن میں (۱) تطیب الاخوان بذکر علماء الزمان (۲) تذکر علماء فرنگی محل (۳) تذکرۃ کاملان رام پور (۴) تذکرۃ علماء سہسوان (۵) مشائخ بنارس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ تذکرے زیادہ تر مقامی علماء کے حالات پر مشتمل ہیں، ضرورت اس کی تھی کہ ہندوستان کے عام علماء کا تذکرہ یکجا لکھا جاتا چنانچہ اس سلسلہ میں مولوی رحمان علی صاحب نے سبقت کی اور تذکرۃ علماء ہند کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو فارسی زبان میں ہے۔ اور آجکل نہایت مشہور و متداول ہے۔ مولوی رحمان علی اپنے معاصر علمائے بدایوں و بریلی سے حد درجہ متاثر تھے، اس لئے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ دوسرے اکابر اہل علم کے ساتھ انھوں نے وہ معاملہ نہیں کیا جو ایک غیر جانب دار تذکرہ نویس کا فرض ہوتا ہے چنانچہ بعض حضرات کا دوسرے سے تذکرہ ہی نظر انداز کر دیا اور بعض کا ذکر بھی کیا تو بادل نخواستہ کیا دوچار سطروں سے زیادہ نہ لکھ سکے۔

اس موضوع پر سب سے زیادہ جس نے کام کیا وہ مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی مصنف "گل رعنا" المتوفی ۱۳۴۱ھ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے آٹھ ضخیم جلدوں میں عربی زبان میں ایک نہایت بیش بہا کتاب لکھی جس کا نام نزہۃ النواظر و ہجۃ المسامع والنواظر ہے۔ اس کتاب کی اب تک سات جلدیں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ امید ہے کہ عنقریب آٹھویں جلد بھی شائع ہو جائے گی۔ یہ برصغیر پاک و ہند کے علماء کا سب سے عظیم الشان اور جامع ترین تذکرہ ہے تاہم موصوف چونکہ تحریک اصحاب حدیث سے خاصے متاثر تھے اس لئے خالص فقہاء احناف کے تذکرہ میں ان کا قلم اس نراخ دلی کا مظاہرہ نہ کر سکا جو ان علماء کے تذکرہ میں کرتا ہے جن کا تعلق راست یا بالواسطہ دعوتِ عمل بالحدیث سے رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں کہیں کہیں آپ کو بعض ان علماء احناف کے خلاف جہنوں نے عدم تقلید پر قدغن کی ہے تعصب کا الزام ملے گا۔ اور کسی کسی جگہ کسی خالص حنفی عالم کو محض اس بناء پر کہ اس نے حدیث و سنت پر عمل کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی زمرہ اہل حدیث میں پائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 محمد عبدالرشید نعمانی
 ۲۴ رجب ۱۳۸۵ھ

ہر حال جامع تذکرے ہی دو ہیں جن میں دوسرا زیادہ تفصیلی ہے۔ تاہم یہ محفل نہ رہے کہ یہ دونوں تذکرے بھی زیادہ تر یو۔ پی اور بہار کے علماء کے حالات پر مشتمل ہیں اور دوسرے صوبوں کے علماء کا تذکرہ ان میں بہت کم ہے۔ البتہ مولانا عبدالحی صاحب کے یہاں گجرات کے علماء کا بھی اچھا خاصا تذکرہ آگیا ہے۔ اس لئے سندھ، سرحد، بلوچستان، پنجاب اور بنگال اور اسی طرح برصغیر کے دوسرے نواح کے علماء کا ایک جامع اور مفصل تذکرہ مرتب کرنے کا کام ابھی تشنہ تکمیل ہے اور جب تک یہ فرض ادا نہ ہو جائے، ہم اس فرض کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے اس مفید کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ اور ثقافت پر ریسرچ کے سلسلہ میں سوسائٹی نہایت گراں بہا خدمات انجام دے رہی ہے۔ کارپروڈان سوسائٹی بالخصوص اس کے فاضل سکریٹری ڈاکٹر سید عین الحق کی مساعی جمیلہ قابل صد تحسین و آفریں ہیں۔ امید ہے کہ حکومت اور ملت دونوں اس تحقیقی و علمی ادارے کی ہر طریقے سے ہمت افزائی کریں گے۔

ہمارے دوستوں میں جناب محترم محمد ایوب صاحب قادری کو اس موضوع سے خصوصی شغف ہے، وہ عرصہ سے علماء و روہیل گھنڈہ پر کام کر رہے ہیں چنانچہ متعدد علماء پر ان کے تحقیقی اور پراثر معلومات مقالات مجلہ العلم کراچی میں شائع ہو چکے ہیں، مولوی رحمان علی صاحب کی کتاب تذکرہ علماء ہند کا پیش نظر ترجمہ بھی ان ہی کے قلم کار ہون منت ہے۔ جس پر جا بجا حواشی میں انہوں نے مفید معلومات کا اضافہ کر دیا ہے، اور مصنف پر تعقیبات بھی کئے ہیں۔ قادری صاحب اپنی اس کوشش پر مستحق مبارک باد ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے اور آئندہ کے لئے زیلہ سے زیادہ ان کو علمی کام کرنے کا موقع عطا کرے۔ آمین۔

محمد عبدالرشید نعمانی

کراچی

۲۴ رجب ۱۳۸۵ھ بوقت ظہر

مقدمه

حالات بزرگان دین

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

حالات بزرگان دین
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

از حضرت امام محمد عبدالرشید نعمانی صاحب ظلال

الحمد للہ وکفی ووسلاد علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حق تعالیٰ سب سے بڑی نعمت جس کا شکر بندوں کی انتظامت سے باہر ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے۔ جو ترجمانِ غیب بن کر ہدایت خلق اللہ کے لئے اس خاکدانِ عالم میں تشریف لائے۔ اور دین کے ہر شعبہ کی اس تفصیل اور وضاحت سے تبلیغ کی کہ عالمِ انسانیت پر اللہ تعالیٰ کی محبت تمام ہو گئی۔ اب جس کا جی چاہے اُن کی دعوت قبول کر کے سیدھا جنت میں جائے اور جس کا جی چاہے بالکل نہ مانے اور جہنم کی راہ لے۔ پھر حضرات انبیاء علیہم السلام کا وارث ان حضراتِ ثنائین اور اہل اللہ کو بنایا کہ جو ہر دور میں دین حق کے وصل رہے اور حیاتِ مذمت و رشد و ہدایت ان کا شعار رہا۔ پہلے خاص خطے، خاص علاقے اور مخصوص متعین زمانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی۔ پھر جب دنیائے انسانیت نے عالمِ طفلی سے عالمِ شباب میں

قدم رکھا اس کی وسعتیں سمٹنے لگیں۔ اور سارے جہان میں دین کی دعوت کی راہ پیدا ہونے لگی تو حضور ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لئے رسول بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی بنیاد و اساس تین چیزوں پر ہے۔

۱۔ ”تصحیح عقائد“ یعنی مبدا معاد، مجازات، اور ایمانیات کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر ایسا پختہ یقین و ایمان رکھنا کہ جس میں ذرا شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ علمی اصطلاح میں یہ علم عقائد و کلام کہلاتا ہے اور اس فن کی تدوین متکلمین راجل سنت و جماعت نے کی ہے۔ نجات اس پر منحصر ہے کہ ان کی بتلائی ہوئی تفصیل کے مطابق عقائد کو درست رکھا جائے۔ شکر اللہ مساعیہم۔

۲۔ ”تصحیح اعمال“ یعنی طاعات و عبادات، باہمی معاملات اور زندگی کے تمام کاروبار میں شریعت کے مطابق اس طرح عمل کیا جائے کہ جو میزان شریعت پر بالکل درست اترے۔ یہ علم فقہ کہلاتا ہے۔ اور اس کی تفصیل و توضیح حضرات فقہاء کے ذمے ہے اور ہی اس فن کے متکفل ہیں۔

۳۔ تصحیح اخلاص و احسان جو دین حنیف کی اصل و اساس ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

وَمَا أَمْرُهُ إِلَّا بَعْدُ وَاللَّهُ

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ

مُحْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حَقًّا۔ اللہ کی بندگی کریں۔ اسی کے واسطے اپنی بندگی کو خالص کر کے (ابراہیم کی طرح) یکسو ہو کر۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے۔

۲ نما الا اعمال بالنیات یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے اعمال کے قبول ہونے نہ ہونے کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اور احسان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے سوال پر ارشاد فرمایا تھا۔

الاحسان ان تعبد الله
کانک تراہ فان لم تکن توکلاً قائلاً
کی اس طرح بندگی کرو گویا تم
یواک اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر

تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو
تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

عبادت میں اگر پہلی کیفیت نصیب ہو جائے تو اس کو اصطلاح فن میں
”مث ہدہ“ کہتے ہیں اور دوسری کو ”مراقبہ“ مقاصد شرعیہ میں یہ تیسری چیز
سب سے ادق اور عمیق ہے اور اس کا شریعت میں وہی مقام ہے جو
جسم میں روح کا ہے۔ اور لفظ میں معنی کا اس فن کی تفصیلات حضرات
صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کے ذمے ہے اور وہی اس فن کے متکفل ہیں۔
ظاہر ہے اگر طاعات و عبادات سے اخلاص نکل جائے تو وہ بے جان ہو کر
رہ جائیں گی۔ اور ایمان اخلاص سے خالی ہو تو اس کا نام تفاق ہے اس میں

احسان نہ ہو تو اس کا ثمرہ بے عملی اور طاعات سے فرار ہے۔

یاد رہے علماء امت پر رخصت و حق کا ترتیب اسی صورت میں متحقق ہوتا ہے جبکہ وہ اپنی ساری توانائیاں اس نور کے باقی رکھتے ہیں صرف کریں جو انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم سے ماخوذ ہے اور اس کی اشاعت میں پوری سرگرمی سے حصہ لیں۔ تاکہ یہ امت نور ہدایت سے منور ہو کر قریب الہی کے مراحل طے کرتی چلی جائے۔ اور یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں عہد نبوت سے لے کر آج تک ہر دور میں اور ہر ملک میں طبقہ بعد طبقہ علماء ربانین اور اہل اللہ کا ایک گروہ کثیر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس پر ہزاروں نعمتیں نازل ہوں۔ اس فریضے کی ادائیگی میں بڑی جانفشانی اور تن دہی کے ساتھ منہمک رہا ہے۔ پھر ہندوستان جنت نشان (برصغیر ہندوپاک) جس کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں کہ

”دیار ہندوستان کہ مقام خاص غرباء و مجان و دوستان است“

ان علماء ربانین اور بزرگان دین سے کیونکر خالی رہ سکتا تھا۔ برصغیر ہندوپاک کی وسعت کو دیکھتے ہوئے ان ہزار ہا داعیان حق کے تذکرے و تراجم پر بیسیوں کیا سینکڑوں کتابیں اب تک فارسی، اردو بلکہ عربی میں لکھی جا چکی ہیں۔ اور ان میں سے بہت سی چھپ کر بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جناب وحید اللہ صاحب قلم قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے بھی ان اصحاب قلم کی

لے ملاحظہ ہو مقدمہ اخبار الاخبار فارسیہ، طبع مطبع مہتابی، دہلی ۱۳۳۲ ہجری۔

بزم میں ہار پایا۔ جھٹوں نے اپنی سعادت اس کار خیر میں سمجھی کہ بزرگانِ دین کے حالات لکھے اور جمع کئے جائیں کہ

عند ذکرو الصالحین تنزل لہم رحمۃ بزرگوں کا تذکرہ ہو تو نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ حالات بزرگانِ دین کے نام سے اپنی کتاب کے دو حصے شائع کر چکے ہیں۔ اب تیسرا حصہ زیرِ اشاعت ہے۔ کتاب کا ہر حصہ دس بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ مصنف کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ جو کچھ اس کے قلم سے نکلے صحت کے معیار پر پورا اترے۔ مجھے امید ہے کہ انھوں نے اس سلسلہ میں پوری محنت اور دیانت داری سے کام لیا ہوگا۔ کیا اچھا ہوتا جو یہ ہر بزرگ کے ترجمے میں اس کے ماخذ کا بھی تذکرہ کر دیتے۔ بہر حال میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس سعی کو مشکور فرمائے۔ اور اس کو قبولیت سے نوازے آمین۔

اچھا تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کے حالات کو یا تو ان کے عہد کے اعتبار سے طبقہ وار مرتب کیا جاتا یا پھر حروفِ تہجی کی ترتیب ان کے ناموں کے لحاظ سے ان حضرات کا تذکرہ لکھا جاتا۔ مگر مؤلف کا ذوق یہ ہے کہ وہ ہر حصے کا آغاز ایک ایسے بزرگ کے تذکرہ سے شروع کرتے ہیں جن کی ولادت دسویں صدی میں ہوتی ہے اور وفات گیارہویں صدی میں۔ اور پھر جن نو بزرگوں کو ان کا ذوق تالیف منتخب کرتا ہے ان کا تذکرہ کیف ما تلفق لکھ کر کتاب کا ایک جز مکمل کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اسی ذوق کے مطابق صدیقی صاحب نے تیسرے حصے کا آغاز حضرت شیخ امام عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ترجمے سے کیا ہے۔

شیخ ممدوح کا شمار ہندوستان کے سرآمد علماء میں ہوتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ برصغیر کے علمی حلقوں نے جتنا فائدہ حضرت شیخ کی تصانیف بے بہا سے اٹھایا۔ ہے اتنا کسی ہندوستانی عالم کی تصانیف سے نہیں اٹھایا۔ شیخ ہی کی بدولت یہاں درس حدیث کا سلسلہ جاری ہوا۔ فاضل سیالکوٹی ہوں یا علماء فرنگی محل یا خانوادہ ولی اللہی سب ہی شیخ علامہ کے خوان علمی کے خوشہ میں ہیں۔ شیخ ممدوح کے خاندان کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی اس دو دمان ٹالی شا میں محدث پیدا ہوتے رہے۔ اور علم حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ یاد رہے شیخ کے بعد ہندوپاک میں حدیث شریف کی نون کتابوں کی بھی شہر لکھی گئی یا عاشیہ تحریر ہوا ان میں شیخ موصوف کی تصانیف سے خصوصاً فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت شیخ کا دودھ ایسا پر ختم اور پر آشوب دور تھا کہ جس میں اہل نظر کو بجا طور پر یہ اندیشہ لاحق تھا کہ ہمیں اس ملک میں اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں اور شہیدوں نے اپنے خون سے اور علماء ربانی نے اپنے نور علم سے اور اہل دل نے اپنی شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا۔ فہیب دشمنان کہیں ہمیشہ کے لئے بجھ نہ جائے۔ یہ تھا اکبری دور الحاد جس کے اثر بد کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اپنے مجاہدانہ سعی سیم اور تربیت باطنی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسلسل علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا۔

اکبر کو جو جاہل محض تھا گر لہ کر نے کے لئے اس کے دین فروش درباری کیسے کیسے ہتھکنڈے اختیار کرتے تھے۔ ان کو سمجھنے کے لئے صرف ایک مثال

کافی تھے مصنف دبستان نے لکھا ہے کہ

”گائے کو ذبح کرنے اور اس کے کھانے کو حرام قرار دیا گیا۔
 کیونکہ اطباء نے کہا ہے کہ گائے کا گوشت غارشی، داء، جذام
 اور فیل پاریسیہ امراض پیدا کرتا ہے اور رومی الہفتم ہے۔
 اور ہندوؤں نے اپنا شریعہ کر دیا کہ گائے سے تو اتنے سارے
 فائدے ہیں پھر اس کو جان سے مارتا ہے انصافی ہے۔ اور
 یزدانی (پارسی) کہنے لگے کہ بے آزار جانور کو قتل کرنا ظلم ہے۔
 اور ظالم اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوتا ہے۔“

یہ تو غیر مسلموں کا طرز عمل تھا اور ان کا شکوہ بھی کیا کہ ان سے اس کے
 سوا اور توقع بھی کیا کی جاسکتی تھی تعجب تو اس پر ہے کہ بعض لائبریریوں
 فروش نام نہاد علماء بھی اس کا پرستی ان کے ہمنوا ہو گئے۔ چنانچہ مولف دبستان
 کے الفاظ ہیں کہ

و علمائے وقت نیز کتاب	اور علماء وقت نے بھی امام محمد الدین محمد
”صراط المستقیم“ امام محمد الدین	بن یعقوب بن محمد فیروز آبادی کی کتاب
محمد بن یعقوب بن محمد فیروز آبادی	”صراط مستقیم“ کو ٹاکر بتلایا کہ وہ اس کتاب
آوردہ نمودند کہ می گوید ”آنکہ	میں یہ لکھ رہے ہیں کہ ”یہ جو مشہور ہے کہ گوشت
مشہور ست افضل طعام الدنیا	دنیا و آخرت کا بہترین کھانا ہے یہ ثابت نہیں۔
والآخرہ اللحم ثابت نشدہ	

..... و حضرت خلیفہ الحق اور خود حضرت خلیفۃ الحق (بادشاہ)
خود ہم بشر گشت کہ گلا و نباید کو بھی بشارت ہوئی کہ گائے کو ذبح
گشت یہ نہ کہ ناچا ہے۔

”صراط مستقیم“ جس کا دوسرا نام ”سفر السعادت“ بھی ہے، محدود
نے تو اس سے اپنی مطلب برآری کا کام لیا اور بادشاہ وقت کی خوشنود

لے ملاحظہ ہو دبستان مذاہب ص ۳۲۵ طبع نول کشور لکھنؤ ۱۲۹۸ ہجری۔ واضح رہے
مؤلف دبستان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا محمود حسن خاں
صاحب گوئی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ جاں مالک نے ”تاریخ ایران میں جس
کا ترجمہ مرزا حیرت شیرازی نے کیا ہے۔ اس کا مصنف شیخ محمد حسن فانی کشمیری کو
بتایا ہے۔ لیکن مآثر الامراء (ج ۲ ص ۳۹۳) میں اس کے مصنف کا نام ذوالفقار
او دستاوی اور موبد تخلص لکھا ہے۔ یہ ص ۲۱۲ مآثر الکرام میں جہاں عثمان ہاؤنی کے موقوف
پر بحث ہے وہاں بھی مؤلف دبستان کا یہی نام مذکور ہے۔ یہ کتاب گیارہویں صدی
کے وسط میں لکھی گئی ہے۔ جس میں فارسی زبان کے بہت سے جدید الفاظ استعمال
کئے گئے ہیں۔ کتاب بڑی دلچسپ ہے۔ اس کا مصنف ایک سیاح درویش تھا۔
جس نے سارے ہندوستان کی سیاحت کر کے جملہ اہل مذاہب و ادیان سے جو کچھ
اپنے اپنے مذہب کے بارے میں تفصیلات سنی تھیں قلمبند کر دی ہیں۔ کتاب کے
مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ”دبستان“ غیر مسلم پارسی موبد تھا۔

نعمانی

حاصل کی۔ ان کا مقصد بادشاہ کے سامنے اس کتاب کو پیش کرنے سے صرف
 اس کے ذلیق و ضلال کی تائید کرنا تھی لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ
 علیہ جو اس وقت مرکز سلطنت قبتہ الاسلام دہلی میں تشریف فرما تھے اور جن
 کی نظروں کے سامنے اکبر کی بے دینی کے یہ سارے روح فرسا مناظر گزر رہے
 تھے۔ وہ بھلا کب جین سے بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت مددوح نہایت ثبات
 و استقامت کے ساتھ پوری کوشش اس فتنہ الحاد کے ازالہ میں نہمک
 ہو گئے اور اپنی تمام توانائیاں اس کے اثرات بد کو زائل کرنے میں صرف کر دیں۔
 حق تعالیٰ نے بھی ان کو عطر طویل عطا فرمائی اور ان کے کام میں بڑی برکت دی۔
 ایک طرف ان کے حلقہ درس سے علماء ربانی کا ایک گروہ حدیث نبوی
 کی سند لے کر ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل رہا تھا اور دوسری طرف ان
 کی گرانقدر تصانیف جن کا تعلق علم عقائد و کلام، سیرت نبوی، حدیث شریف
 اور تذکرہ اولیاء و مناقب ائمہ مجتہدین سے ہے مدون و مرتب ہو کر ملک کے
 گوشہ گوشہ میں رچی ہیں۔ شیخ مددوح علیہ الرحمۃ کی ان مساعی جمیلہ نے جو پوری
 تندرہ ہی اور یکسوئی کے ساتھ بڑی خاموشی سے مسلسل جاری ہیں۔ نہ صرف یہ
 کہ اس سیلاب الحاد کو ختم کر کے رکھ دیا بلکہ ان کے آثار و برکات سے اس
 دور سے لے کر اس عہد تک کے مسلمان برابر نفع اندوز ہیں۔ شیخ علیہ الرحمۃ
 کے قلم فیض رقم نے اس دور الحاد کے ہرزہ ہر کا تریاق فراہم کیا ہے۔ مجد فیروز آباد
 کی کتاب "مراط مستقیم" کی بھی حضرت مددوح نے بڑی مفصل و مدلل شرح
 لکھی ہے جس سے مجد شیرازی کے علم کی پوری قلعی کھل گئی ہے۔ یہ کتاب

مجموعہ ایضاً

اپنے موضوع پر بڑی جامع اور بے بہا کتاب ہے۔ اور اہل علم کے لئے نعمت
فیہ مترقبہ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اسی طرح گزشتہ صدی میں حضرت امام العصر مولانا نور شاہ محدث
کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایسے بے نظیر عالم تھے جن کے بارے میں
بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ہند کے سر زمین سے اتنا برا محقق اور وسیع النظر
عالم پیدا نہیں ہوا۔ اس حصے میں ان کے معاصرین میں بھی حضرات کا تذکرہ آیا
ہے وہ اگر آسمانِ علم کے درختِ اَل سارے تھے تو حضرت شاہ صاحب
علیہ الرحمۃ آفتاب۔ و الحمد لله الاولیٰ و آخریٰ، اللهم لا تخر منا اجرهم
ولا تفتننا بعدہم۔

محمد عبد الرشید نعمانی
۲۴ رجبی الاول ۱۴۱۷ھ شب پنجشنبہ

مقدمہ

پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

پرویز کے بارے میں

علماء کا متفقہ

فتویٰ

مع

اضافاتِ جدیدہ

شائع کردہ

شعبہ تصنیف۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ بغیر کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے آج بھی مسلمانوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں اس کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا تھا۔

ہنوز آل ابر رحمت در فغان است خم و مخمانہ با مہر و نشان است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی جو امانت امت مسلمہ کے سپرد کی تھی اسکی امت مسلمہ نے جس طرح حفاظت کی دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ حفاظت آپ کی تعلیم کو زبانی یاد کیا قرار دے جوہ قرأت، رسم خط اور الفاظ کی ادائیگی اور لہجہ کی حفاظت کی مفسرین نے اس کی تشریح و تفسیر کو ضبط کیا محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال اور احوال کو محفوظ رکھا، فقہاء نے تمام احکام کو مدون کیا۔ مسکبین نے ایمانیات و عقائد کو ہر قسم کی تحریف و تغیر سے بچایا۔ صوفیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیات اندرونی سوز و گداز اور نسبت احسانی کو باقی رکھا۔ اہل عربیت نے زبان عربی کا تحفظ کیا اور صرف و نحو اشتقاق اور لغت وغیرہ کی تدوین کی بغرض تعلیم نبوی کی حفاظت کیلئے جس گوشہ سے بھی کسی خدمت کی ضرورت تھی امت نے اس کی تکمیل کی۔

اور اس طرح گلشن اسلام ہمیشہ سدا بہار رہا کہ اسکی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی تھی۔ لیکن جس طرح ہر باغ میں کچھ ثودہ و پودے اور بے کار درخت اور پل بوٹے اگ آتے ہیں جن کا وجود اس باغ کی بہار پر اثر انداز ہوتا ہے اور اگر بالی ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکے تو باغ کی بہار کا ستیا نام ہو کر رہ جاتے۔ اسی طرح اسلام میں بھی حاملین ملت کے بالمقابل ہر دور میں کچھ نوابت ملت پیدا ہوتے رہے جن سے باغ اسلام کی بہار پر برا بھلا ال کا خطرہ منڈلاتا رہا اور حاملین ملت ان نوابت ملت کا برابر استیصال کرتے رہے جس سے اس باغ کی بہار ہمیشہ بے خزاں رہی۔ یہ نوابت یعنی خود و خود ساختہ افکار و خیالات کے حامل کبھی اس امت میں اندر ہی سے پیدا ہوئے اور کبھی غیر وہاں کے افکار و نظریات کو لیکر باہر سے اس امت میں آ شامل ہوئے۔

پھر جس طرح بلغ کے خود رو پودوں میں بعض کا ضرر کم ہوتا ہے اور بعض کا زیادہ اسی طرح ان نواب
میں بھی بعض کا ضرر کم تھا اور بعض کا زیادہ، مل و نخل کی تاریخ جن لوگوں کے سامنے ہر وہ آسانی
انوارہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے فرق باطلہ میں سے کس فرقہ کا اس امت پر کتنا ضرر مرتب ہوا ہے۔ ان تمام
فرقوں میں سب سے زیادہ جس فرقہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا وہ فرقہ باطنیہ ہے جس نے سارے اسلام کی
تحریف کر کے بکسر اسے اتحاد زندقہ اور اباحت کا ہم آہنگ بنانے کی مذموم کوشش کی لیکن حاکمین ملت نے
فتنہ باطنیہ کا بیخ و بن سے استیصال کر کے رکھ دیا اور ان کے تمام افکار و خیالات کا قلع قمع کر کے
ملت کو اس کے ضرر سے نجات دی۔

انگریز کے عہدِ نخست ہند میں یہاں جو تحریکیں اسلام کو مسخ و محرف کرنے کیلئے اٹھیں ان میں
سب سے پہلی تحریک نیجریٹ کی ہے، پھر ایک طرف قادیانیت نے نئی نبوت کے روپ میں جنم لیا اور دوسری
طرف چکڑاویت نے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کیا۔ اس کے بعد خاکسار تحریک نے سراٹھایا اور پھر ان
سب تحریکوں کا سراٹھایا ہوا ملغوبہ مسٹر پرویز کے حصہ میں آیا اور ان سب پر کمیونزم کا تعفن اور مستزاد ہوا۔
چنانچہ پرویزی لٹریچر میں کمیونزم کا پورا معاشی ڈھانچہ اور اس کی مذہب بیزاری، نیجریٹ کی مادہ پرستی،
قادیانیت کا انکارِ وجود، چکڑاویت کا انکارِ سنت، خاکسار کی تحریفِ تاویل سب خرابیاں یکجا موجود ہیں
اور مسٹر پرویز کے قلم کی روانی نے ان غلامتوں میں اور اضافہ کر دیا ہے ہر فنِ ادب میں رجسٹرار علی رحیم۔

علماء کرام نے اگرچہ فتنہ پرویزی کے نمودار ہوتے ہی اس کے خلاف آواز بلند کر دی تھی لیکن جب
اس فتنہ کا زور بڑھنے لگا اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو تمام علماء کی خدمت میں مسٹر پرویز کے عقائد و نظریات
کے بارے میں ایک استفتاء پیش کیا گیا اور ہر مکتب فکر کے علمائے بلا کسی ادنیٰ اختلاف کے ان عقائد و نظریات
کے کفر مزعم ہونے پر ہر تصدیق ثبت کر دی اور صاف لکھ دیا کہ جو شخص اس قسم کے عقائد و خیالات کا
اظہار کرے اس کے کافر و ملحد ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں علماء کرام کا جب یہ متفقہ فتویٰ
شائع ہوا تو مسٹر پرویز جو ساری عمر مسلمانوں کی کافر گری میں مشغول رہے اور ان کو اپنے خود ساختہ دین
کی طرف دعوت دیتے رہے اپنی تکفیر پر اس قدر سخت برہم ہوئے کہ بارہا کے ضبط نہ رہا اور لگے علماء کی تحقیر کرنے۔
کہ ان کا تو کام ہی ہے لوگوں کو کافر بنانا۔ مسٹر موصوف سے غصہ میں اور کچھ نہ بن سکا تو وہی پرانا رنگ آلود
حریت کال لیا جو ان سے پہلے ان کے پیش رو خاکسار استعمال کر چکے تھے اور خاکساروں کا بھی یہ حربہ

اپنا نہیں تھا بلکہ وہ اسے قادیانیوں سے مانگ کر لائے تھے۔ تفصیل اس جمال کی یہ کہ جو وقت قادیانیوں کے خلاف تمام علماء کا متفقہ فتویٰ ان کی تکفیر کے متعلق شائع کیا گیا تو مرزا غلام احمد قادیانی کے مشہور جیلے محمد حسن امروہوی نے ایک سالہ اس مضمون کا مرتب کیا کہ تکفیر تو ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے چنانچہ فلاں فرقہ نے فلاں فرقہ کیلئے یہ لکھا ہے اور فلاں شخص نے فلاں کو کافر کہہ دیا ہے لہذا اس فتویٰ تکفیر سے بالکل متاثر نہ ہونا چاہئے۔

پھر جب خاکساروں کے خلاف فتویٰ نکلا تو انھوں نے بھی اپنے مرکز نشر و اشاعت "ادارہ علیہ ہندیہ" سے ایک طویل مقالہ اسی مضمون کا شائع کیا اور اس میں وہ تمام باتیں تمام و کمال دہرائیں جو محمد حسن قادیانی کے رسالہ میں مذکور تھیں۔ اب مشر پرویز کے خلاف کفر کا فتویٰ شائع ہوا تو انھیں بھی بمصدق اتوا صوبہ بلہم قوم طاغوت اپنے پیش روؤں کی یہی غوغا آرائی دل سے پسند آئی اور لگے ان کی لے میں لے ملانے تشابہت قلوب بھڑقانہم اللہ انی یوفی کون۔ چنانچہ مشر موصوف نے "ادارہ علیہ ہندیہ" کے مقالہ کی مدد سے فوراً ایک مقالہ "کافر گری" کے نام سے لکھا اور اس کو جا بجا شائع کیا تاکہ کسی نہ کسی طرح اس فتویٰ کی اہمیت کم کر دی جائے۔ حالانکہ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کی غلط تکفیر کر دی تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دنیا میں جب بھی کسی کی تکفیر کی گئی تو وہ غلط ہی کی گئی۔ اور جب بھی کسی کی تکفیر کی جائیگی تو وہ ہمیشہ غلط ہی ہوگی۔ روزانہ ڈاکٹروں کے علاج میں غلطی ہو جاتی ہے حج اپنے فیصلوں میں غلطی کرتے رہتے ہیں لیکن کتنا احمق ہے وہ شخص جو یہ کہنے لگے کہ ڈاکٹروں کا تو کام ہی ہے غلط علاج کرنا اور حجوں کا تو شغل ہی ہے ہمیشہ غلط فیصلے دینا۔ پھر ایک ہے کہ ایک دو ڈاکٹروں یا ایک دو حجوں کا غلطی کرنا اور ایک ہے تمام ڈاکٹروں اور تمام حجوں کا ایک فیصلہ پر متفق ہو جانا۔ جو شخص ان دونوں میں فرق نہ کرے وہ کتنا بیوقوف ہے۔ پھر جس طرح علاج کا ایک اصول ہے مقدمات کے جانچنے کا ایک طریق ہے اسی طرح کفر و اسلام کے امتیاز کا بھی ایک معیار ہے۔ مشر پرویز کا کفر اتنا واضح ہے کہ ہر عامی جو اسلام کے مبادیات سے واقف ہو ان کے خیالات و عقائد پر مطلع ہونے کے بعد ان کے کفر میں شک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مشر پرویز کے عقائد و نظریات آپ کے سامنے ہیں آپ پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں: اللہم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ۔

محمد عبدالرشید نعمانی

۹ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

مشر پرویز نے اپنے اس مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں "ادارہ علیہ ہندیہ" کا جن الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے وہ یہ ہیں:۔۔۔ ہم نے ان فتوؤں میں و بیشتر کو محترم پیر رشید الدولہ صاحب سجادہ نشین

حضرت شاہ دولہ صاحب کجرات کے ایک مقالہ سے لیا ہے اور جسے ادارہ علیہ ہندیہ لاہور نے شائع کیا تھا اور جس کا عنوان تھا "یعنی مولوی کا غلط مذہب نہ ہو بلکہ وہ اس کے نقل کے لئے ہیں" اس کے لئے ہم پر صاحب کے شکر گزار ہیں۔ (طلوع اسلام - اپریل ۱۳۸۲ء)

مشر پرویز نے اپنے اس مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں "ادارہ علیہ ہندیہ" کا جن الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے وہ یہ ہیں:۔۔۔ ہم نے ان فتوؤں میں و بیشتر کو محترم پیر رشید الدولہ صاحب سجادہ نشین

مقدمه
شرح الکافیہ فی التصوف

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

شرح الكافي في التصوف

اذ
مير عبد الواحد بلگرامي

مع
مكتوب مير عبد الواحد بخند مستشيخ اله داد در باب سماع
به تقدّمه و تصحيح محمد عبد الرشيد اخواني

ذواد

شرح الکافیہ فی التصوف از میر عبد الواحد بلگرامی

پیش لفظ

شاہجہاں نے جو اپنے زمانہ میں یہ کہا تھا کہ ”پورب شیراز مملکت ماست“ سو بالکل صحیح کہا تھا۔ اس زمانہ میں علم و فضل کے لحاظ سے ہندوستان میں پورب کا خطہ شیراز کی ہمسری کہہ سکتا تھا۔ بلگرام پورب کا ایک مردم خیز قصبہ ہے جس کی خاک سے بڑے بڑے صاحبان فضل و کمال پیدا ہوئے۔ علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے مشائخ و فضلاء بلگرام کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے ”ماثر الکرام تاریخ بلگرام“۔ یہ کتاب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی میں صوفیائے کرام کے حالات ہیں اور دوسری میں علماء غلام کے۔ ”ماثر الکرام“ ۱۳۲۸ھ میں مفید عام پریس آگرہ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

صاحب کمالان بلگرام میں ایک بزرگ گزرے ہیں میر عبد الواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے عہد کے بہت بڑے صوفی اور صاحب علم تھے۔ موصوف نے علم لدنی میں بہت سی پیش پایا تھا۔ انیف یادگار چھوڑی ہیں۔ آج سے آٹھ دس سال قبل کی بات ہے کہ کراچی میں ایک کتب فروش کی دکان پر چھوٹی تقطیع کا ایک مخطوطہ ملا جس پر تحریر تھا رسالہ مرج البحرین، ساتھ ہی کچھ اور رسائل بھی مجلد تھے۔ ”مرج البحرین و جامع الطریقین“ حضرت شیخ عبدالحی محمدی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف ہے جس کا تعارف خود مصنف ہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے فرماتے ہیں:

”اس رسالہ ایست مسیحی ”مرج البحرین و جامع الطریقین“ جامع طریقہ فقہ و تصوف و شریعت و طریقت و نامہ دباطن و صورت و معنی و نشر و لب و علم و حال و صحو و سکھ و مذہب و مشرب و عقل و عشق اگر آں را صراط مستقیم و طریق قویم نام کنند جائز باشد و اگر دین خالص و سبیل اسلم لقبش نہ مند و ابود، و دعوت حق و منہج رشاد گویند درست افتد، و میزان عدل و دستور العمل گردانند راست آید۔ متفہم را از انکار مشرب تصوف باز دارد و متصوف را در دائرہ مذہب فقہ

درآمد و مستفید گرد و بوسے مگر فقیہ محب مستشرق احوال و مونی محقق مقید باعمال و محروم بود
از دے ہر متعسف متعصب عزیز و متصوف متوغل بعیر۔ مرج البحرین ملتقیان بدینہ صما
برزخ لایبغیان (مقدمہ مرج البحرین)۔

مرج البحرین کا ایک نفیس مخطوطہ برادر عزیز مولوی محمد عبدالحمید چشتی سلمہ اللہ اقدس کے پاس بھی موجود
تھا جس کو وہ ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ میں ہمیشہ اسے رشک کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ اس
وقت جو اس کتاب کا یہ دوسرا مخطوطہ نظر سے گزرا۔ نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر فوراً اسے ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔
گھر آ کر اس مجموعہ کا جائزہ لیا تو اس میں بعض اور نادیر چیزیں بھی ملیں۔ جن میں ایک رسالہ ”عقل کل“ ہے جو
شاہ غریب ولد شاہ نصرت قادری کی تصنیف ہے۔ اور جس میں بعض حقائق تصوف کی تفصیل ہے۔ اور
دوسرا رسالہ بھی ’شرح کافیہ‘ ہے جو علامہ عبدالواحد بلگرامی کی ذہانت و طباعی کا شاہکار ہے۔
’الکافیۃ فی النسخ‘ فن نخو میں علامہ جمال الدین ابو عمر عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب المالکی
النخوی المتوفی ۶۴۶ھ کا مشہور متن ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب عہد مصنف سے لے کر
آج تک برابر داخل درس ہے۔ اس پر سینکڑوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اور ہر دور کے مصنفوں نے اس پر
طرح طرح سے طبع آزمائی کی ہے۔ ان شرح میں ملا جامی کی شرح زبان زد خاص و عام ہے۔ علامہ عبدالواحد
بلگرامی بھی اس متن کے شارحین میں شامل ہیں لیکن ان کی افتاد طبع نے اس بارے میں ایک نئی راہ نکالی
ہے جو شارحین کافیہ میں سے کسی کو آج تک نہ سوجھی تھی۔ یعنی متن نخو سے تصوف کے مسائل کا استخراج کیا
ہے اور ان کی اس شرح کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابن حاجب کی کتاب فن نخو کا متن نہیں بلکہ علم تصوف
کا خلاصہ ہے جس کو فاضل شارح اپنے زور بیان سے مفصل و مدلل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وہ بات ہے
جو خود مصنف کتاب شیخ ابن الحاجب کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئی ہوگی۔ علامہ بلگرامی کی یہ کارگزاری زور و باطنی
کے لحاظ سے کسی طرح بھی فیضی کی تفسیر بے نقط سے کم نہیں ہے۔ بھلا نخو کے مسائل سے تصوف کے مسائل
کا نکالنا کوئی آسان کام ہے! یہ خدمت صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کو قدرت نے غیر معمولی

(۱) آزاد بلگرامی نے اس سلسلہ میں دو شخصوں کی اور نشاندہی کی ہے جو اس بارے میں میر میر عبدالواحد کے ہم عنان ہیں۔ ایک
میر ابوبقار اور دوسرے علامہ مہن بہاری لیکن ان دونوں بزرگوں نے صرف غیر مصروف کی بحث تک اس موضوع پر دم نہ اٹھایا
ہے۔ میر ابوبقار نے عربی میں شرح لکھی ہے اور علامہ مہن نے فارسی میں۔ میر ابوبقار میر موصوف کے معاصرین اور علامہ مہن
کا زمانہ ان کے بعد کا ہے۔

طلبہ اعلیٰ اور ذہانت سے نوازا ہو۔

تیسری چیز جو اس مجموعہ میں ملی وہ ان ہی علامہ عبدالواحد بلگرامی کا وہ مکتوب ہے جو مسئلہ سماع میں اٹھوں تے اپنے ایک معاصر عالم شیخ الہ داد مفتی صاحب کن خطہ لکھنؤ کو لکھا تھا۔ علامہ بلگرامی نے مفتی صاحب کو جس انداز میں خطاب کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی جہالت علمی کے غیر معمولی معترف تھے۔ یہ مکتوب لائق مطالعہ ہے۔ ضروری نہیں کہ مسئلہ سماع میں علامہ بلگرامی سے اتفاق کیا جائے لیکن اختلافی مسائل میں علامہ کا جو انداز خطاب ہے وہ لائق اتباع ہے۔ اگر ہمارے زمانہ کے علماء بھی اختلافی مسائل پر اسی انداز سے قلم اٹھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپس میں اس ناگواری کا مظاہرہ ہو جس سے آج کل ہم دوچار ہیں۔ ہم نے علامہ بلگرامی کے ان دونوں نوادر کو وقف عام کرنے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ ان کو مجاہد الجباعہ میں شائع کر دیا جائے۔ میں جب کراچی سے بہاولپور آیا تھا تو یہ مخطوط بالکل صحیح سالم حالت میں تھا لیکن اب جو کراچی سے منگوا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ 'شرح الکافیہ' کی عبارت بعض مقامات پر کرم کتابی کی نذر ہو چکی ہے۔ یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ

ہمیں ورق کہ سید گشت مدعا انجامست

مگر مشیت ایزدی میں کیا چارہ۔ درخشاں بقضاء اللہ۔ بلکہ اس سے اشاعت کے خیال کو اور تقویت پہنچی کہ ابھی تو اس کا صرف ایک آدھ فقرہ یا ایک آدھ لفظ ہی ضائع ہوا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ پورا مخطوطہ ہی حوادث کی نذر ہو جائے، اور پھر اس کے ضیاع پر کف افسوس ماننا پڑے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس شرح الکافیہ کا کوئی اور مخطوطہ بھی کسی کتب خانہ میں محفوظ ہے یا نہیں۔ اگر کسی صاحب کو اس کے دوسرے نسخے پر اطلاع ہو تو وہ براہ کرم اس خلا کو پُر کر دیں جو کرم کتابی کے اس ظلم کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ ہم نے ان تمام مقامات پر جہاں شرح کافہ میں کوئی عبارت بڑھی نہ جاسکی بیاض چھوڑ دی ہے اور حاشیہ پر اس کی نشاندہی کر دی ہے کہ یہ عبارت یہاں پڑھی نہ جاسکی۔

یہ واضح رہے کہ علامہ بلگرامی نے شرح کافہ صرف بحث مرفوعات تک لکھی ہے۔ یہ بھی پورے متن کی شرح نہیں بلکہ تخلیق بالقول ہے۔

علامہ عبدالواحد بلگرامی کی شخصیت اگرچہ علماء ہندوستان میں مشہور و معروف رہی ہے۔ اور بہت سے مصنفین نے ان کا تذکرہ لکھا ہے لیکن علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے جس تفصیل سے ان کا تذکرہ اپنی کتاب 'کاشف الکرام' میں قلمبند کیا ہے اس طرح کسی نے بھی نہیں کیا۔ اور دراصل یہ حق بھی ان ہی کا تھا کہ عربی کی مشہور مثل ہے "صاحب البيت ادعى بما فيه" (گھر والا ہی گھر کا حال خوب جانتا ہے)۔ آزاد آزاد نے جو کچھ

لکھا ہے ہم اسے بلا کم و کاست ذیل میں درج کیے دیتے ہیں:

”میر عبد الواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہر بن سید شاہ بدھ مذکور تیس سالہ سید قطب فلک، ولایت و مرکز دائرہ ہدایت بود۔ صاحب آیات ظاہرہ و کرامات باہرہ از اجداد ایشاں سید ماہر و علاقہ حکومت از بلگرام بہ قصبہ سرہ رفت و در آنجا محل اقامت افگند و سرہ مع بست و چار موضع از پادشاہ وقت در انعام او مقرر شدہ بعد زمانے باز میںداران آنجا مخالفت روئے داد و مقاتلہ در میان آمد۔ سید بعضے اولاد شریعت شہادت چشید۔ مرقد او در قصبہ سرہ است و ماہر و کبیرہ متصل سرہ مشہور و آثار قلچہ بنا کردہ سید در آنجا باقی است و بقیہ اولاد با دیگر متعلقان از قصبہ سرہ در مکان گنو گھاٹ آمدہ سکونت گرفتند۔ و آنجا ہم پائے اقامت افشردن نتوانستند ناچار از آنجا برآمدہ در قصبہ سانڈی کہ از بلگرام بر چار کردہ است بار اقامت کشادند۔ یکے از اصفا سید ماہر و بہ تحصیل علم پرداخت و بعد فراغ تحصیل سند منصب قضاء قصبہ ہاڑی از بادشاہ وقت حاصل کرد۔ سید ماہر و بہ سپر عقبہ گزاشت از ال حملہ اولاد و دوسرے بتقریب منصب قضاء در قصبہ ہاڑی رفتہ لنگر اقامت انداختند۔ و در عہد اکبر و شاہ قصبہ ہاڑی در انعام ایشاں شد۔

میر عبد الواحد قدس سرہ از اولاد سپر سیوم است کہ در قصبہ سانڈی ماند و کہ خدائی صبیہ ایشاں با سید محمود اصغر جدا علای سے مالتفاق افتاد و بنا بر الفتی کہ با فرزند خود داشت فرمود۔ ”فلاں مرا بہ بلگرام طلبید“ و در موطن آباء کرام تشریف آوردہ اول در محلہ زمیندان پورہ قریب خانہ سید محمود ساکن شد۔ بعد چندی بر کنار آبگیر سلحدہ رفتہ قدم اقامت افشرد۔ حق تعالیٰ در ذریت او خیر و برکت پدید آورد۔ و از اولاد او در ان محل یکمتر فرصت محلہ عظمیٰ معمور شد۔ و در اوائل سبیت بخدمت مخدوم شیخ صفی الدین رسائی پوری بجا آورد و مورد التفات خاص گردید۔ و او ہر دہ سالہ بود کہ شیخ صفی ازیں عالم رحلت فرمود۔ بعد از واقعہ شیخ بخدمت شیخ حسین سکندرہ پیوست و تربیت ہائے فراوان یافت۔ چنانچہ خود در سنا بل می گوید:

”این فقیر مرید مخدوم شیخ صفی است و خلافت مخدوم شیخ حسین دارد۔ مخدوم شیخ حسین را با پدر این فقیر الفتی و محبتی تام بود و میان یک دیگر اختصاص کلی داشتند۔ و پدر فقیر نیز خلیفہ مخدوم شیخ صفی بود۔ بدین سبب این فقیر رجوع بہ مخدوم حسین کرد و مخدوم شیخ حسین نیز عنایتہا و نوازشہائے فراوان ارزانی داشت کہ بارزادہ ماست و جامہ خلافت نیز پوشانیدند اگرچہ فقیر الیاقت این جامہ نبود۔ اما شکرانہ در گاہ باری تعالیٰ می گذارم کہ پیوند محبت با ایشاں دارم:

عہدین بالبر شیریں دہنای بست خدا ماہمہ بندہ و این قوم خداوندانند“

(انتہی)

شیخ عبدالقادر بدآونی در منتخب التواریخ می نویسد:

”شیخ عبدالواحد بلگرامی بسیار صاحب فضائل و کمالات و ریاضت و عبادت است -
و اخلاق سنی و صفات رضیه دارد و مشرب ادعای است - بیشتر ازین بچند سال نقاش و
صوت به هندی می بست و می گفت و حال می درزید - درین ایام خود را از همه گذرانید و
شرحی بر نر همة الارواح نوشته محققانه - و همچنین در اصطلاحات صوفیه فیلی رسائی نوشته -
ازال جمله رسائی نام و غیران تصانیف لائقه نیز دارد - اگر چه مرید بجائے دیگر است اما
بهره تمام از صحبت شیخ حسین سکندر یافته و هر سالی از بلگرام بجهت عرس شیخ می آمد - اکنون
که ضعف بصر پیدا کرده نمی تواند رفت و در قنوج توطن می داشت - در سال تصد و هفتاد و
هفت که فقیر از لکهنؤ به بلگرام رسیدم شب به عیادت آمد - و آن ملاقات اول بار بود که
حکم مریم داشت و گفت این همه گلمائے عشق است و مخدومی شیخ عبداللہ بدآونی
نیز اتفاقاً چون رجال الغیب از بدآول هال جاتشریف آوردند یقین شد که اگر شب قدر
در یافته باشم آل شب خواهد بود - و میر طبع نظم بلند دارد -“

تا این جا عبارت شیخ عبدالقادر صاحب منتخب التواریخ است - و او میر عبدالواحد را شیخ عبدالواحد
نوشت به اعتبار شیخت و بزرگی - چنانچه شیخ عبدالقادر جیلانی گویند آخر خود می نویسد که میر طبع نظم بلند دارد - و
کلام شیخ که آن ملاقات اول بار بود دلالت می کند که ملاقات او بامیر عبدالواحد مکرر واقع شد و شیخ عبدالقادر
در آغاز حال از رفقای حسین خاں بود و حسین خاں یکی از نوکران درگاه اکبری است - چندی در لکهنؤ بجاگیر
داشت و شیخ عبدالقادر در لکهنؤ همراه بود و ملاقات خود بامیر عبدالواحد در سال تصد و هفتاد و هفت
نوشته و در ضمن سنوات در وقایع سال مذکور می نگارد که

”درین سال پرگنه لکهنؤ از حسین خاں تغیر شد و خان مذکور به تقریبی از ره ولایت اوده در حدود
کوه سواک در آند و با کفار کوستان جنگ کرد و اکثر رفقا او شهید و مجروح شدند - و فقیر درین
سفر بر خست حسین خاں از لکهنؤ به بدآول آمدم انتی کلامه ملخصاً -“

کسی که از لکهنؤ قصد بدآول کند بلگرام در عرض راه می افتد - ظاهراً در همین سفر در بلگرام بامیر عبدالواحد
ملاقات دست داد - و عبارت او که ”شب به عیادت آمد“ می خواهد که بیمار باشد و نیز عبارت او که ”حکم مریم
داشت و گفت این همه گلمائے عشق است“ می خواهد که زخمی باشد - اما کلام او در احوال حسین خاں ناظر است
برین که با حسین خاں بکوستان نه رفت و از لکهنؤ بر خست حسین خاں متوجه بدآول شد - درین صورت از زخمیان

جنگ کہ ہستان نمی تواند شد۔ و در وقائع تسع و سبعین و تسعائے بیان می کند کہ
 "فقیر از کانت کولہ بتقریب زیارت مزار فیض الانوار بدیع الحق والدین شاہ مدار قدس سرہ بہکن پو
 رسید۔ و بدام عشق گرفتار گشت۔ غیرت الہی چندی انقوم معشوق را مسلط ساخت و نہ زخم
 شمشیر پیالے بر سر و دست و دوش خورد و ہمہ پوست مال رفت بگر زخم سر کہ استخوان را شکست
 بمنز رسید و تنی منزلی بار آورد و در گہ بنصر اند کے بریدہ شد و آل جہاں را سیر کردہ آمد و بجز گذشت
 و جراح حاذق در قصبہ بانگہ مؤ پیدا شد و در عرض یک ہفتہ زخمها فراہم آمد۔" اتنی کلامہ ملخصاً

عبارت سابق یعنی "حکم مرہم داشت و گفت این ہمہ گھمائے عشق است" با این واقعہ مناسبت تمام
 دارد۔ اما اختلاف سالی ابا می کند و شیخ عبداللہ کہ از بد اوّل آمدہ و در شب بملاقات میر عبد الواحد شریک
 صحبت شد و در نسخہ بجلے شیخ عبداللہ شیخ عبدالقادر بنظر درآمد غلط کاتب است صحیح شیخ عبداللہ است۔
 و میر علاء الدولہ بن میر بیگہ سیفی قزوینی در نفائس المآثر آوردہ کہ:
 "میر عبد الواحد از اکابر سادات قنوج است۔ و خالی از نشاء فقر و درویشی نیست و سلیقہ شعر
 خوب دارد۔"

و شیخ محمد غوثی مندوی در کتاب گلزار ابرار نوشتہ کہ: "سید عبد الواحد بن سید ابراہیم قوچی خداوند مجاہد و مثلاً
 صاحب محنت حال و فصاحت مقال بر تہ ہتہ الادب ارجح شرح لائق متین بر نگاشتنہ فراوان توجیہ و تاویل بکار بردہ
 جمیع مقاصد عبارات را منوہ سمیت حقیقت گردانیدہ است۔" (انتہی)

پوشیدہ نماید کہ حضرت سید در قنوج کہ خدا شدہ چند سہ در آن شہر اقامت داشت بنا بر آن دریں ہر دو کتاب اورا از
 قنوج نوشتہ اند و اقامت او در قنوج از کلام شیخ عبدالقادر بدراونی ہم مستفاد می شود۔ و از جملہ تصانیف
 میر عبد الواحد حقانی ہندی در شرح قصہ پیمار بداور و علی شہادت و شرح مصطلحات دیوان خواجہ حافظ شیرازی
 است۔ و اشر تصانیف او کتاب سنابل است در سلوک و عقائد۔ و تفتہ و رشہ رمضان المبارک ۱۱۳۵ھ
 خمس و ثلثین و مائتہ الف۔ مؤلفہ اوراق و رداد الخلافہ شاہ جہاں آبا و خدمت شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ
 را زیارت کرد۔ ذکر میر عبد الواحد قدس سرہ در میان آمد۔ شیخ مناقب و آثار میر تاویر بیان کرد و فرمود:
 "شبے در مدینہ منورہ پہلو بر لبستر خواب گذاشتم و در واقعہ سے بینم کہ من و سید صبیحۃ اللہ بروچی معاً
 در مجلس اقدس ررات پناہ علی اللہ علیہ وآلہ وسلم باریاب شدیم۔ جمعی از صحابہ کرام و اولیاء
 امت حاضر اند۔ درینہا شخصے است کہ حضرت با اولب تبسم شیریں کردہ حرفہائی ز نذر و اتفات کلام

دارند۔ چون مجلس آخر شد از سید صبغة اللہ استفادہ کر دم کہ این شخص کیفیت کہ حضرت با او
التفات باین مرتبہ دارند گفت میر عبد الواحد بگرامی و باعث مزید احترام او این است کہ نابل
تصفیہ او در جناب حضرت رسالت پناه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقبول افتاد۔
حضرت میر در سابل می گوید کہ:

”روزی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جملہ احوال خود را در راه رضای خداوند تعالی تصدیق کرو۔
حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام از پیر رسید ما خلفت لعیالک فقال اللہ ورسولہ۔
جبریل امین در رسید گفت یا رسول اللہ فرمان می شود پیرس از ابو بکر من تنہا بیست نبوم
کہ بانام من نام رسول را ہم ذکر کردی۔ سبحان اللہ و بحمدہ کثیرا ایں کدام منزلت و ایں چه
رہبت و قربت است کہ حق سبحانہ برگزین نام رسول غیرت می برد۔ دانشہا و معنیہا ایں جا
پیشہ گم کنند۔ بخاطر یک ایں ضعیف می رسد کہ سر عتاب آنست کہ سید ابو بکر پایہ معرفت
تو بجائے رسیدہ است کہ رسول را از ما جدا نمی بینی زیرا کہ او در ما محو است و ما در و ثابت
ہیں چرا جدا ذکر کردی کہ گفتہ اند از عرش تا فرش محمد را غلام چوں حق متجلی شد محمد کدام۔ و نیز
بخاطر می رسد کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ جواب بر قدر مقام عیالی و اہل بیت خود گفتہ است نہ
بر وفق مقام خود چہ رسول علیہ السلام از ما خلفت لعیالک پیر رسیدہ بود و اگر ما خلفت
لنفساک پیر رسیدی جواب از مقام معرفت خود دادی یعنی اللہ و جدہ گفتی۔“

و نیز در سابل می گوید:

”یکے از یاران مؤلف شیخ نظام نام داشت۔ دختر مغلیہ را تعلیم می کرد۔ دختر در غایت
جمال بود جوانی را نظر بر جمال او افتاد شفیقتہ شد و حال نامرادی و درد مندی خود شیخ نظام
باز نمود۔ شیخ نظام گفت تو ہر روز ہمراہ من بیجا۔ من او را تعلیم می کنم تو آنجا بنشین و می نگری
ما چرا مدتے گذشت۔ روزی آن جوان درو مند با شیخ نظام آہستہ گفت۔ ایں دختر را
بگویند ع۔ آب بمن دہد۔ شیخ نظام دختر را گفت قدح آب خوردن بیا۔ دختر قدح
پر آب آورد۔ گفت بدست ایں جوان بدہ۔ دختر قدح پیش جوان برد۔ جوان قدح از
دست او گرفت و جان بہ جمال آفرین سپرد۔“

و از نوادر تصانیف او شرح کافیہ ابن حاجب است بطور حقائق تا بحث غیر منصرف (۱)۔ دریں مقام بندہ

از ادبے اس شرح کو غیر منصرف کی بحث تک بتایا ہے حالانکہ یہ بحث مرفوعات تک ہے۔

اذا داکل آل لحنه بطریق اختصار ایراد میرود :

”الکلمة لفظ ای محفوظ علی السنتنا و ملحوظ علی قلوبنا و محفوظ بهما بواطننا“ یعنی کلمہ توحید در مرتبہ اقرار بر زبانها و محفوظ است و در مرتبہ تصدیق بر دلها و ملحوظ و در مرتبہ احوال باطن ما از و ملحوظ - مصنف رحمتہ اللہ علیہ انتقال دگر مرتبہ اقرار کرد و دو مخدوف فرو گذاشت بحکم آنکه حکم کردن بر اسلام و سبب جریان تکالیف احکام منوط در بوط مرتبہ اقرار است و قرینہ حذف مفهوم از عبارت مصنف است که می گوید وضع لمعنی مفرد نهاده میشده است یعنی لازم گردانیده شده است قبول آن کلمہ توحید بر رقاب و نواصی بجهت تحصیل معنی که فرد و مجرد است از کفر و نفاق و معاصی - پس لفظ مفرد قرینہ حذف است زیرا که افراد سہ مرتبہ دارد - افراد از کفر، افراد از نفاق و افراد از معاصی - فالاضداد من الکفر فی رتبة الاقرار والاضداد من النفاق فی رتبة التصديق والاضداد من المعاصی فی رتبة الاحوال لان من نقى ربه تعالى موحداً يبدل الله سيئاته حسنات و هي اسم و آل کلمہ توحید سہ نوع است - یکے اسم چه اقرار و تصدیق فقط - اسم توحید و صورتها و است - و فعل دوم فعل توحید و عمل اوست و آل دریافت احوال است و حذف سیوم حرف توحید را است و این توحید عظمی است که از استغداد انسانی بر طرف است و از علامات آن هر دو توحید مذکور بے نشان و بے کیف که علامة الحرف خلوة من علامات الاله و الفاعل -

مخفی نماند که دو تشریح دیگر اجبار است غربی و فارسی تا بحشت غیر مشرف بطور حقائق در نظر فقیر رسیده نام شارح عربی میر ابوالبقا است فلما سر امضاء میر با شد - و نام شارح فارسی ملا موہن بهاری که از مسید متاخر است - و چون سیست بزرگی میر عبد الواحد سامحه افروز اکبر بادشاه گردید - معتقدی را نزد میر فرستاد و از کمال تمنا در خواست ملاقات نمود - میر قصد اردو سئے متعلی کرد - و چون بدر گاه سلطانی رسید بادشاه اعزاز و اکرام تمام بقتدیم رسانید - و پانصد بیگمہ زمین از بلگرام بطریق سیورغال نیاز کرد - شش و دوی بخانه حضرت میر در آمد نابینا گشت فریاد بر آورد و حضرت میر او را توبه داد و دعا کرد تا حق سبحانه و تعالی حاسه بصر او را باز گردانید -

و یکے از کفار جنیان بر دست حضرت میر بدولت اسلام مشرف اند و شد همیشه همان سز می بود - خدمت بجای آورد - عمر گرامی از صد سال متجاوز بود - و سال ایشان در شب جمعه سیوم ماه رمضان ۱۰۱۰ مبعثه

عشر و الف اتفاق افتاده - عزیزی در تاریخ گوید:

"چورفت واحد صوری و معنوی گفتم هزار و هفتاد و شش هجده ماه صوم سیوم"

مصرع ثانی تاریخ صوری و معنوی است اما بست عدد بحساب جلی زائد می شود آن را بتقیه لطیف
خارج کرد - یعنی واحد صوری که نوزده است و واحد معنوی که یک است مجموع بست عدد برآمد - مرقوم منور
در بگرام زیارت گاه خاص و عام است -

(نکته الکرام از ص ۲۵ تا ص ۳۳)

محمد عبدالرشید نخانی

یکم صفر الحیر ۱۳۸۵ هـ

مقدمہ
اصول البزدوی
الموسوم بہ
ترجمة الامام البزدویؒ

از

محقق العصر
مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

اصول البزدوی

[کنز الوصول الى معرفة الاصول]

تأليف

الامام فخر الاسلام على بن قمح البزدوی الحنفی المتوفى سنة ٢٢٤ھ

”وهو كتاب عظيم الشأن جليل البرهان محتو على لطائف الاعتبارات
باوجز العبارات تأبى على الطلبة هرامه واستعصى على العلماء زمامه“
وكشف الظنون، حاجي خليفه،
وبها مشه

تخریج احادیث اصول البزدوی

للمحافظ قاسم ابن قطلوبغا الحنفی المتوفى سنة ٨٤٩ھ

ويليه

اصول الكرخی

مع ذكر امثلهما ونظائرها وشواهدهما
من الامام نجم الدين كحفص عمر بن احمد النسفي

میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب باغ کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمة الامام البزدوى

بقلم الفقير اليه تعالى محمد عبد الرشيد النعماني

هو علي بن محمد بن الحسين بن عبد الكريم بن موسى بن عيسى بن مجاهد ابو الحسن المعروف بفخر الاسلام البزدوى الفقيه الاصولي المحدث المفسر الامام الكبير بما وراء النهر -
و"البزدوى" بفتح الباء المنقوطة بواحدة وسكون الزاء وفتح الدال المهملة وفي آخرها الواو،
هذه النسبة الى "بزدة" وهي قلعة حصينة على ستة فراسخ من "نسف" على طريق "بخارا" كذا
ضبطه الحافظ السمعاني في "الانساب" وقال الحافظ السيد محمد مرتضى البجرامي في "تاج العروس
من جواهر القاموس":

"(بزدة) ويقال "بزدة" قد اهلها الجوهري وهي (بلدة من اعمال نسف) وهي قلعة حصينة
على ستة فراسخ منها (والنسبة) اليها بزدوى وبزدوى" -

وفخر الاسلام لقب جماعة وعند الاطلاق يراد به صاحب الترجمة الامام البزدوى صرح به
الحافظ عبد القادر القرشي في كتاب الالقباب من "الجواهر المضية" -

وهو من بيت علم وحديث اجتمع لهم رئاسة الدنيا والدين وتالوا منهما الحظ الوافر الذي لم
ينله غيرهم -

فاما ابو الحسن محمد بن الحسين بن عبد الكريم البزدوى فقد كان فقيها حقيقيا اماما
فاضلا متكلمنا اخذ الفقه والكلام عن جده عبد الكريم عن الامام ابي المنصور الماتريدي ^{رحمه الله}

له قال اخصاص الترجمة صدام الاسلام ابو اليسر محمد بن محمد بن الحسين بن عبد الكريم البزدوى في "كتاب اصول الدين" ما نصه: (يتبع)

وأما جده الأعلى عبد الكريم بن موسى البزدوى فكان اماماً فقيهاً محدثاً متكلماً. قال الكفوى: اخذ عن امام المهدي ابي منصور الماتريدي عن ابي بكر الجوزجاني عن ابي سليمان عن محمد. قال الحافظ ابوسعد السمعي في "كتاب الاساب":

"وابو محمد عبد الكريم بن موسى بن عيسى البزدوى جد ابي الحسن روى عنه ابو عبد الله الغنjar" وقال الحافظ عبد القادر القرشي في "الجواهر المضية":

"عبد الكريم بن موسى بن عيسى ابو محمد الفقيه البزدوى، تفقه على الامام ابي منصور الماتريدي، سمع وحديث، ذكر في "تاريخ نسف" انعمت سنة تسعين وثلاث مائة في رمضان"

وأما صاحب الترجمة فخر الاسلام ابو العسر واخوه صدر الاسلام ابو اليسر فانهما كانا واسطى عقد البيت البزدوى اليهما انتهت رياستهم وبهما اكملت سيادتهم وهما المعروفان بالصديقين البزدوين^{عليه}

وقد وجدت للشيخ الامام الزاهد ابي منصور الماتريدي السمرقندي كتاباً في علم التوحيد على مذهب اهل السنة والجماعة وكان من رؤساء اهل السنة والجماعة صاحب كرامات، حكى لي الشيخ الامام والدي رحمه الله من جده الشيخ الامام الزاهد عبد الكريم بن موسى رحمه الله كراماته، فان جدنا كان اخذ معاني كتب اصحابنا وكتاب التوحيد وكتاب التأويلات في خلق من الشيخ الامام ابي منصور الماتريدي" (ص ٣٥٢ طبع القاهرة ١٣٨٣هـ)

وقال في بحث خلق الايمان:

"لا يجوز الاطلاق بان الايمان مخلوق ونحن نتخار هذا القول فان مذهب ابي حنيفة وهو مائة نوح بن ابي مريم الجامع عن ابي حنيفة رآه لنا والدنا الشيخ الامام ابو الحسن محمد ابن الحسين بن عبد الكريم رحمه الله عليه هذا الحديث عن نوح بن ابي مريم" (ص ١٥٥)

وقال في مسئلة البعث:

"وقد روى لنا الشيخ الامام محمد بن الحسين بن عبد الكريم حديثاً متصلاً الى رسول الله عليه السلام: من قتل عبده عبثاً عجز الى يوم القيامة فيقول قتلني هذا عبثاً" (ص ١٥٨ و ١٥٩)

وقال الحافظ القرشي في "كتاب الاساب": من الجواهر المضية:

"(الصديقين البزدوين) جد علي هكذا ذكرها صاحب "الفنية" هما الاخوان الامامان ابو اليسر (يتبع)

قال الحافظ السمعاني في نسبة "الزردى" من "كتاب الانساب" :

"والمشهور بالانتساب اليها أبو الحسن علي بن محمد بن الحسين بن عبد الكريم بن موسى بن عيسى الزردى
فقيه ماوراء النهر واستاذ الأئمة وصاحب الطريقة على مذهب أبي حنيفة رحمه الله، سمع الحديث
من (رباض) روى لنا عنه صاحب أبو المعالي محمد بن نصر بن منصور المديني الخطيب
بسمرقند، ولم يحد ثنا عنه سواه"

وترجم له ياقوت الحموي في "معجم البلدان" وابن الأثير في "اللباب في تهذيب الانساب" وقال عنه :
"الفقيه بماوراء النهر صاحب الطريقة على مذهب أبي حنيفة رضى الله عنه روى عنه صاحب"

وأبو العسر فابو اليسر هو محمد بن محمد وأبو العسر هو الأمام علي بن محمد
وقال المولى احمد بن مصطفى المعروف بطاش كبرى زادة في مفتاح السعادة :
"وللأمام فخر الإسلام الزردى اخ مشهور بابي اليسر ليسر تصانيفه كما ان فخر الإسلام مشهور
"بابي العسر" لعسر تصانيفه" (٢٣ ص ٥٥)

له لفظة "الطريقة" تطلق على الطريقة التي وضعها الأئمة لسلوك طريق المناظرة والجدل. ثم اطلقت هذه
اللفظة على كل كتاب صنف في هذا الباب - قال ابن خلدون في "المقدمة" :

وأما الجدل وهو معرفة آداب المناظرة التي تجري بين اهل المذاهب الفقهية وغيرهم فانه لما كان
باب المناظرة في الرد والقبول متشعبا وكل واحد من المناظرين في الاستدلال والجواب يرسل
عانه في الاحتجاج ومنه ما يكون صوابا ومنه ما يكون خطأ فاحتاج الأئمة الى ان يضعوا آدابا واحكاما
يقف المتناظران عند حدودها في الرد والقبول، وكيف يكون حال المستدل والمحجج وحيث
يسوغ له ان يكون مستدلا وكيف يكون محججا منقطعاً وحل اعتراضه ومعارضته واين يجب عليه
السكوت وتخصمه الكلام والاستدلال، ولذلك قيل انه معرفة بالقواعد من الحدود والآداب
في الاستدلال التي يتوصل بها الى حفظ رأي وهدهمه كان ذلك الرأي من الفقه او غيره

وهي طريقتان طريقة الزردى وهي خاصة بالدلالة الشرعية من النص والاجماع والاستدلال
وطريقة العميدى وهي عامة في كل دليل يستدل به من اى علم كان واكثره استدلال

وهذا العميدى هو اول من كتب فيها ونسبت الطريقة اليه. وضع الكتاب المسمى
بالارشاد مختصراً وتبعه من بعده من المتأخرين كالنسفي وغيره جاوا على اثره وسلكوا
مسلكه وكثرت في الطريقة التاليف. وهي لهذا العهد هجورة لنقص العلم والتعليم في
الأمصا الإسلامية وهي مع ذلك كمالية وليست ضرورية والله سبحانه وتعالى اعلم
وبه التوفيق - اه

ابوالمعالى محمد بن نصر بن منصور المدينى الخطيب بسمرقند
وفي الطبقة الخامسة والعشرين من "سير النبلا" للذهبي ما نصه :

"شيخ الحنفية عالم فائز الفهر ابو الحسن علي بن محمد بن الحسين بن عبد الكريم البزدوى صاحب
الطريقة. قال السمعاني ما حدثنا عنه سوى صاحبه ابي المعالى محمد بن نصر الخطيب. قال وكان
امام الاصحاب بما وراء النهر وله التصانيف الجلييلة درس بسمرقند ومات بكش في رجب اثنتين
وثمانين واربعائة. وكان احد من يضرب به المثل في حفظ المذهب، وولد في حدود سنة
اربعمائة" له

ووصفه الامام عبد العزيز البخارى في مقدمته كتابه "كشف الاسرار شرح اصول البزدوى" بالشيخ الامام
المعظم والكبير الهام المكرم العالم العامل الراى مؤيد المذهب النعمانى قدوة المحققين اسوة المدققين
صاحب المقامات العلية والكرامات السنية. فخر الانام فخر الاسلام ابي الحسن علي بن محمد بن الحسين البزدوى هـ
وصدر الشريعة في مقدمته كتابه تنقيح الاصول (بالشيخ الامام مقتدى الائمة العظام).

وترجم له الامام عبد القادر القرشى في "الجواهر المضئية في طبقات الحنفية" وقال عنه :
"على بن محمد بن الحسين بن عبد الكريم بن موسى بن عيسى بن مجاهد ابو الحسن المعروف
بفخر الاسلام البزدوى الفقيه الامام الكبير بما وراء النهر صاحب الطريقة على مذهب ابو حنيفة
ابو العسر اخو القاضي محمد ابي اليسر ذكره صاحب الهداية في الكفالة والوديعة باسمه
توفي يوم الخميس خامس رجب ستة اثنتين وثمانين واربعائة وحمل تابوته الى سمرقند ودفن بها
على باب المسجد -

ومن تصانيفه (المبسوط) احدى عشر مجلدا و (شرح الجامع الكبير) و (الجامع الصغير)
وله في اصول الفقه كتاب كبير مشهور مفيد رحمه الله تعالى

وترجم له الشهاب المقرئ في "تذكرته" ونقل ما قاله المقرئ برمته الحافظ قاسم بن قطلوبغا
في كتابه "تاج التراجم" ومن "تاج التراجم" العلامة طاش كبرى زادة في كتابه مفتاح السعادة. وقال :

له الفوائد البهية، ترجمة البزدوى -

«وكتابه في اصول الفقه مشهور قال قاسم بن قطلوبغا في «طبقات الحنفية» قد خرجت احاديثه
ولم اسبق اليه»

وترجم له المولى علي بن ابراهيم الله الشهير بابن الحنائي في طبقات الحنفية فذكر في ترجمته نحو ما ذكره الحافظ
القرشي في «الجواهر» -

وقال المولى محمود بن سليمان الكفوي المتوفى سنة ٩٩٩ هـ في كتابه «كتاب اعلام الاخيار من فقهاء
مذهب النعمان المختار» :

«علي بن محمد بن عبد الكريم بن موسى البزدوي الامام الكبير الجامع بين اشتات العلوم. امام
الدين في الفروع والاصول. له تصانيف كثيرة معتبرة منها (المبسوط) احدى عشر مجلد او
(شرح الجامع الكبير) و(شرح الجامع الصغير) وكتاب كبير في اصول الفقه مشهور (باصول البزدوي)
معتبر ومعتد، وكتاب في تفسير القرآن) يقال: انه فائتة وعشرون جزءاً كل جزء مصحف و
(غناء الفقهاء) في الفقه. ولد في حدود سنة اربع مائة، ومات في خامس رجب سنة اثنتين و
ثمانين واربع مائة. وحمل تابوته الى سمرقند -

له وهذا الكتاب قد طبع بالموصل مرتين باسم «طبقات الفقهاء» لمولانا طاش كبرى زادة وهو خط الجمت فان طاش
كبرى زادة ليس له تصنيف في هذا الباب وانما هذا الكتاب لابن الحنائي، قال في كشف الظنون عند ذكره «طبقات الحنفية» ما نصه
«وجمع المولى علي بن ابراهيم ابن الحنائي مختصراً على احدى وعشرين طبقة كتب فيه المشاهير يد ابالا امام و
ختم بآين كمال باشا. اوله الحمد لله رب العالمين»

ومن طالع هذا الكتاب يجهده حيا وصفه صاحب الكشف والله اعلم.

قال الفاضل الكنوي العلامة ابو الحسنات محمد عبد الحفي في «الفوائد البهية في تراجم الحنفية» :

«ثم كلام الكفوي ههنا وكلامه في ترجمة احمد بن ابي اليسر محمد بن محمد وكلامه في ترجمة عبد الكريم بن موسى
على ما مر كل ذلك نص على ان عبد الكريم جد لفخر الاسلام واخيه ابي اليسر صدر الاسلام، وهو مخالف
لما ساق غيره ممن يعتمد عليه مما يدل على انه جد لوالد فخر الاسلام» هـ

له وفي «التعليقات السنية على الفوائد البهية» للفاضل الكنوي ما نصه :

«وقد ارجع بعض معاصرينا في كتابه «الحطة بذكر الصحاح الستة» وفاته سنة اربع وثمانين وثمان مائة وهو

خطا فاحش صدر من تقليد صاحب كشف الظنون فانه ارجع عند ذكره شرح جامع البخاري كذلك و

ارجع هو عند ذكر الاصول كما ارجع جماعة سنة اثنتين وثمانين واربع مائة ولا يخفى على من ولع (يتبع)

ووصف بحر العلوم العلامة عبد العلي محمد بن نظام الدين الانصاري في ديباجة فواتح الرحمت بشرح مسلم الثبوت ما نصه :

«الامام الاجل والشيخ الاكمل رئيس الائمة والعالمين فخر الاسلام والمسلمين، لقبه اقر من الصبح الصالح، واسمه يخبر عن علوه على كل حاذق ذاك الامام الاملى فخر الاسلام والمسلمين على البرزوى» -

وقال صاحب «معجم المؤلفين» عنه :

«فقيه، اصولي، محدث، مفسر»

وعده الامام ابن كمال باشا في طبقة الفقهاء المجتهدين في المسائل التي لا رواية فيها عن صاحب المذهب وتبعه على ذلك عامة من جاء بعده من مصنف طبقات الاصحاب.

واما صاحبه ابو المعالي محمد بن نصر بن منصور المديني الخطيب بسمرقند فقال السمعاني في نسبة «المديني» من كتاب الانساب :

«(المديني) بفتح الميم والدال المهملة المكسورة بعد ها الياء آخر الحروف وفي آخرها النون هذه النسبة الى عدة من المدن منها مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم واكثر ما ينسب اليها يقال المديني، والى مدينة السلام بغداد، والى مدينة اصبهان، والى مدينة تيسابور، والى المدينة الداخلة بمصر، والى مدينة بخارا، والى مدينة سمرقند، والى مدينة شمس وغيرها من المدن»

وساق تراجم المعروفين بهذه النسب تحت كل نسبة ثم قال :

«والسابع منسوب الى مدينة سمرقند وهي الساعة باقية مسكونة معمورة منها شيخنا ابو المعالي محمد بن نصر بن منصور بن علي بن محمد بن محمد بن يعلى بن الفضل بن طاهر بن سلمة بن علقمة بن علاثة بن عوف بن احوص بن خالد بن كلب بن صعصعة بن عامر العوفي العامري الخطيب المديني السمرقندي ثقة على علي بن محمد البرزوي والسيد ابي شجاع العلوي وكان شيخا مسنا كبيرا جليل القدر سمع السيد ابا المعالي محمد بن محمد بن يزيد الحسيني وابا علي الحسن بن عبد الملك النسفي وابا الحسن علي بن محمد بن الحسين البرزوي وغيرهم سمعت منه الكثير في داره بسمرقند وكان قد نال المائة سنة

بمطالعة كشف الظنون انه فيه اوهاما كثيرة ومناقضات كبيرة في تواريخ مواليده العلماء ووفيات الفضلاء فمن قلده تقليدا بجمان غير ان يتقده نقد فقد وقع في الزلل والله العاصم عن الخطأ والخلل - اه

وذكر غيره ان مولده سنة ٢٥٢ وتوفي في شعبان سنة خمسين وخمسمائة وصلى عليه بمصلى السيد
البغدادي ودفن بجارديزة وحضرت الصلوة عليه وكان الجمع كثيرا جدا خارجا عن حد العدد
والاحصاء -

وترجم له الحافظ القرشي في "الجواهر المضية" ومحمود بن سليمان الكفوي في كتاب اعلام الاخير من
فقهاء من هب النعمان المختار -

واما ابنه الحسن بن علي البزدوي فقال ياقوت الحموي في ذيل (بزدة) من كتابه "معجم البلدان" :
"وابنه القاضي ابوتاب الحسن بن علي البزدوي، كان ابيه من هذه القرية وولى القضاء بسمرقند و
كذلك ولى القضاء ببخارى ثم عزل فانصرف الى بزدة فسكنها وسمع الحديث ورواه، ومات
بسمرقند سنة ٥٥٧، ومولده سنة ثيف وسبعين واربعمائة -"
وقال السمعاني في "الانساب" في ترجمة ابيه فخر الاسلام:

"وكتبت عن ابنه ابى ثابت الحسن بن علي كتاب المسند لعلي بن عبد العزيز البغوي وكان يروي عن
ابى الحسن علي بن محمد بن خدام البخاري وروي لنا عن ابى علي الحسن بن عبد الملك السقي ايضا -"
وقال الحافظ القرشي في الجواهر المضية:

"ابوتاب الامام بن الامام ولد بسمرقند ولمات والده حملة عمه القاضي ابواليسر المعروف
بالصدر الى بخارى ورواه احسن تربية ونشأ مع ولده وتفقه على عمه ببخارى ثم انتقل الى مرو
وسكنها مدة من الزمان ثم لمات ابن عمه ابو المعالي القاضي احمد بن ابى اليسر منصرفا من
بخارى ولى القضاء ببخارى وبقى على ذلك مدة ثم صرف عنه وانصرف الى بزدة وسكنها، وكان
حسن الصمت ساكنا وقررا لازما بيته حسن الصلاة، قال السمعاني سمعت منه المسند الكبير
لعلي بن عبد العزيز في ثلاثين جزءا -"

وترجم له الكفوي في "الكتاب" -

واما اخوه الامام صدر الاسلام البزدوي فقال السمعاني في "الانساب" :

"واخوه علي ابواليسر محمد بن محمد بن الحسين البزدوي المعروف بالقاضي الصدر املي ببخارى الكثير
ودرس الفقه وكان من فحول المتأخرين، روى لنا عنه ابنه ابو المعالي احمد بن محمد بن محمد بن

الحسين البزدوى القاضى بمرو قد سما حاجاً

وقال الحافظ القرشى فى "الجواهر المضية" :

"ابو اليسر..... اخو الامام على البزدوى تفقه عليه ركن الائمة عبد الكريم بن محمد مصنف

"طلبة الطلبة" وابوبكر محمد بن احمد السمرقندى صاحب التحفة شيخ صاحب البدائع وولده

القاضى ابو المعالى احمد..... قال عمر بن محمد النسفى فى كتاب القند وكان شيخ اصحابنا

بما وراء النهر وكان امام الائمة على الاطلاق والموفود اليه من الافاق ملائ المشرك والمغرب

بتصانيفه فى الاصول والفروع وكان قاضى القضاة بسمرقند توفى ببخارى فى رجب سنة

ثلاث وتسعين واربع مائة رحمه الله تعالى -

وفى الطبقة الخامسة والعشرين من "سير النبلاء" للذهبي ما نصه:

"العلامة شيخ الحنفية بعد اخيه الكبير ابو اليسر محمد بن محمد بن الحسين بن عبد الكريم المحدث

ابن موسى بن مجاهد النسفى قال عمر بن محمد فى "القند" كان امام الائمة على الاطلاق و

الموفود اليه من الافاق ملائ الكون بتصانيفه فى الاصول والفروع، وولى قضاء سمرقند واملى

الحديث، توفى ببخارى فى تاسع رجب سنة ثلاث وتسعين واربع مائة ومولده سنة احدى

وعشرين واربع مائة - له

وترجم له الحافظ قاسم فى تاج التراجم وابن الحناتى فى مختصر طبقات الحنفية والكهوى فى كتاب اعلام الاخبار

واما ابن اخيه ابو المعالى احمد بن محمد البزدوى فقال الحافظ القرشى فى "الجواهر المضية":

"ابو المعالى بن ابى اليسر عرف بالقاضى الصدر من اهل بخارى الامام بن الامام..... مولده سنة

اثنين او احدى وعشرين واربعمائة ببخارى. وهو ابن اخى ابى الحسن على بن محمد بن الحسين

ابن عبد الكريم البزدوى الفقيه بما وراء النهر صاحب الطريقة على مذهب ابى حنيفة - تفقه

على والده حتى برع فى العلم. قال السمعانى وسمع منه ومن ابى المعين ميمون بن محمد المكولى

ولقى الاكابر وافاده والده عن جماعة، ولى القضاء ببخارى وحملت سيرته املى مدة ببخارى و

ورد مرو فى الحج فقرأت عليه بها وحدث ببغداد ورجع من الحج وتوفى بسرخس فى جمادى الاولى

له الفوائد البهية ترجمة على البزدوى -

سنة اثنتين وأربعين وخمسمائة وعقد له العزاء بها ثم حمل إلى بغداد - قال أبو سعد إمامنا فاضل
مفتي مناظر حسن السيرة رضي الأخلاق ومن بيت الحديث والعلم، رحمه الله تعالى -
وترجم له الكفوى في "الكتائب" -

وأما تصانيفه فذكر البحاثه اسمعيل باشا البغدادى في كتابه هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين
منها (١) كتر الوصول إلى معرفة الأصول و (٢) الأمالى و (٣) تفسير القرآن و
(٤) شرح الجامع الكبير في الفروع و (٥) سيرة المذهب في صفة الأدب و (٦) شرح تقويم الأدلة
في الأصول و (٧) شرح الجامع الصغير للبغدادى و (٨) شرح الجامع الصغير للشيبانى في
الفروع و (٩) شرح زيادات الزيادات للشيبانى و (١٠) غناء الفقهاء في الفروع و (١١) كشف
الاستار في التفسير في مائة وعشرين جزءاً و (١٢) المبسوط في الفروع أحد عشر مجلداً ١
وهذا نص ما أورده الشيخ مصطفى بن عبد الله الشهير بجاحي خليفه وبكاتب جليلي المتوفى سنة ١٠٦٧ هـ
في كشف الظنون من التعريف بتصانيفه :

(١) "تقويم الأدلة في الأدلة في الأصول للقاضي الإمام أبي زيد عبيد الله بن عمر الدبوسي الخنفي
المتوفى سنة ثلاثين وأربع مائة مجلد أوله الحمد لله رب العالمين ثم
وشرحه الإمام فخر الإسلام علي بن محمد البرزوي الخنفي المتوفى سنة اثنتين وثمانين وأربع مائة
بالقول وهو شرح حسن اعتبره العلماء الخفينة

(٢) الجامع الصغير المشهور بصحيح البخاري وهو أول الكتب الستة في الحديث
وأفضلها على المذهب المختار فقد اعتنى الأئمة بشرح الجامع الصغير قد يما وجد
فصنفوا له مشروحاتها شرح الإمام فخر الإسلام علي بن محمد البرزوي وهو شرح مختصر
(٣) الجامع الصغير في الفروع للإمام المجتهد محمد بن الحسن الشيباني الخنفي المتوفى سنة
سبع وثمانين ومائة وهو كتاب قديم مبارك وله شرح كثيرة منها شرح الإمام
فخر الإسلام علي بن محمد البرزوي فرغ من تأليفه في جمادى الآخرة سنة سبع وسبعين وأربع مائة
(٤) الجامع الكبير في الفروع للإمام المجتهد أبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني الخنفي
هو كاسم مجلدات مسائل الفقه جامع كبير قد اشتمل على عيون الروايات ومتون الدلائل

بمحيط كاد ان يكون معجزا ولتمام لطائف الفقه منجزا..... وكتبه له شروحا وجعلوه مبينا مشرفا
منها..... شرح فخر الاسلام على بن محمد البردوي.

(٥) سيرة المذهب (؟) في صفة الادب لفخر الاسلام على بن محمد بن الحسين البردوي الحنفي.

(٦) كشف الاستار في التفسير للامام البردوي هو على بن محمد المتوفى سنة ٤٨٢هـ.

(٧) مبسوط فخر الاسلام على بن محمد البردوي في احد عشر مجلدا

(٨) اصول الامام فخر الاسلام على بن محمد البردوي الحنفي المتوفى سنة اثنتين وثمانين واربعمائة ،
اوله الحمد لله خالق السم والارض القسم ثم وهو كتاب عظيم الشأن جليل البرهان محتو على
لطائف الاعتبارات باوجز العبارات تأني على الطلبة مرامه واستعصى على العلماء زمامه
قد انغلقت الفاظه وخفيت رموزه والحاطه فقام جمع من الفحول باعباء توضيحه وكشف
خبياته وتليجه منهم الامام حسام الدين حسين بن علي الصغناقي الحنفي المتوفى سنة
عشر وسبعمائة وسماه الكافي ذكر في اخره انه فرغ من تاليفه في اواخر جمادى الاولى سنة
اربع وسبعمائة - والشيخ الامام علاء الدين عبد العزيز بن احمد البخاري الحنفي المتوفى
سنة ثلاثين وسبعمائة وشرحه اعظم الشروح واكثرها افادة وبيانا وسماه كشف الاسرار
اوله الحمد لله مصور السم في شبكات الارحام الخ - والشيخ امل الدين محمد بن محمود البارق
الحنفي المتوفى سنة ست وثمانين وسبعمائة وسماه التقرير ، اوله الحمد لله الذي كمل
الوجود بافاضته الحكم من آيات كلامه المجيد الخ ذكر فيه انه كتاب مشتمل من الاصول
على اسرار ليس لها من دون الله كاشفة حدثني شينجي شمس الدين الاصفهاني انه حضر
عند الامام المحقق قطب الدين الشيرازي يوم موته فاخرج كرايس من تحت وسادته
نحو خمسين قال هو فوائد جمعت على كتاب فخر الاسلام تتبعته عليه زمانا كثيرا ولم اقدر حله
فخذها لعل الله تعالى يفتح عليك بشرحه قال فاشتغلت به سنين ثم اوجها اولم
ازل في تأمله ليلا ونهارا عرضت اقيسته على توانين اهل النظر وتعرضت بمقدماته
بانواع التفطيش والفكر فلم اجد ما يغني الفهم الا الانتاج من الثاني مع اتفاق مقدمتيه
في الكيف وذلك ما شبهه مما يجوز اهل الجدل ثم لم يتهيا لي شرحه وتعين طرحة انتهى

فبدأ بشرح مختصر بين ضماؤه مهما أمكن - ومن شروحه شرح الشيخ أبي المكارم أحمد بن حسن الجاربردي الشافعي المتوفى سنة ست وأربعين وسبعمائة - وشرح الشيخ قوام الدين الاتراري الحنفي المتوفى في حدود سنة سبعمائة - وشرح الشيخ أبو البقاء محمد بن أحمد بن الضياء الملكي الحنفي المتوفى سنة أربع وخمسين وثمانمائة - وشرح الشيخ عمر بن عبد المحسن الأرنجاني في مجلدين أوله الحمد لله الذي جعل أصول الشريعة مهيأة المباني التي قد ذكر فيه أنه أخذ عن الكركشي بواسطة شيخه ظهير الدين محمد بن عمر البخاري وهو شرح يقال أقول وما عداه من الشروح بقوله كذا - ومن التعليقات المختصرة عليه تعليقة الأمام حميد الدين علي بن محمد الضرير الحنفي المتوفى سنة ست وستين وثمانمائة - وتعليقة جلال الدين رسولان أحمد التباتي الحنفي المتوفى سنة ثلاث عشرة وسبعمائة - ومن الشروح الناقصة شرح الشيخ شمس الدين محمد بن حمزة الفناري المتوفى سنة أربع وثلاثين وثمانمائة وهو على ديباچته فقط - وشرح علاء الدين علي بن محمد الشهير بمصنفك المتوفى سنة خمس وسبعين وسبعمائة وسماه التحرير وشرح المولى محمد بن فرامرز الشهير بملاحض المتوفى سنة خمس وثمانين وثمانمائة ولوقم لفاز المسترشدون به بتمام المرام وللشيخ قاسم بن قطوبغا الحنفي المتوفى سنة تسع وسبعين وثمانمائة شرح أحاديثه - ومن شروح البزدوي الموضح والشافي -

میر محمد کتر خانہ آرام باغ، کراچی

مقدمہ
الحزب الاعظم

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

الحزب الأعظم

والورد اللفحة

للعلامة المحدث علي القاري المتوفى ١٠١٤ هـ

مع التخرير

للعلامة الشيخ محمد عبد الرشيد النعماني

والترجمة

للشيخ المحدث محمد بدر عالم الميرتھی ثم المدنی

الناشر

مجلس الدعوة والتحقيق الاسلامی

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن - کراچی - پاکستان



الحمد لله الذي جعل الليل والنهار خلفته لمن اراد ان يذكره و اراد شكورا، و امر العباد بالدعاء في الشدة والرخاء ثم وعد بالاجابة لمن دعاة تضرعا وخفية في اى ساعة شاء من ليل ونهار غداة وعشيا واصيلا وبكورا، والصلاة والسلام على سيد ولد آدم سيد الوري محمد المصطفى الذي حاز قصب السبق في تعليم المسئلة والدعاء ففاق جميع الرسل والانبياء انه كان عبداً شكورا وعلى اله واصحابه وولد عاة الى ملته الذين اجتهدوا في الدعاء والتضرع والابتهال الى الله سبحانه وتعالى حتى الاجتهاد فرضى الله عنهم ورضوا عنه واولئك كان سعيهم مشكورا.

اما بعد

فان كتاب الحزب الاعظم والورد الافخم للامام العلامة المحدث المولى على القارى رحمه الله البارى من احسن ما صنف في الدعوات الماثورة في القرآن والحديث واثار السلف الصالحين التي جرت على السنة الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين وعباد الله الصالحين سلام الله عليهم اجمعين وقد رزق القبول فيما بين الانام من العلماء الاعلام والمشائخ الصوفية الكرام حتى صار وردهم في الليالي والايام وهذا الحزب وان جمعه المؤلف الاعلام من كتب ائمة هذا الشأن كالامام الحافظ محي الدين ابى زكريا يحيى ابن شرق النورى الدمشقى الشافعى والامام المحدث المقرئ محمد بن محمد بن محمد ابن الجزرى الشافعى والامام الحافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوى الشافعى والامام العلامة الحافظ جلال الدين عبد الرحمن بن ابى بكر السيوطى الشافعى رحمه الله عليهم اجمعين

لكن سر الادعية كلها من غير عز الى ماخذها، فطالما كان يتعلم في صدي ان اتبع ماخذ
 وانفحص ما جعوا اذا ظفرت فيها برواية اعزوها الى من خرجها واسندها كما ذكرها صاحبها لما اخذ
 والعهد عليه وابين المأخذ بعد كل رواية. اذ قد القس منى بعض خالص الاخوان السيد الشرف
 عبد الجليل البهاولي يوري نزول المدينة المنورة من اصحاب الشيخ العارف المحدث بدر عالم
 الميرتحي ثم المد في تخريج روايات الكتاب فقلت لبليك ذاك بغيتي وملتقى ولكن الامر بيد الله
 سبحانه وتعالى فلما شرعت في التخريج عاقتني عوائق ومحقتني عوارض مرضت فطال مرضي،
 اصابني دواد وكثر نزول الماء في العين واخذني اليرقان فضعفت قوتي وقلت حيلتي ومع ذلك
 فلم اظفر على جميع المأخذ فكتاب الكلم الطيب والقول المختار في المأثور من الدعوات والاذكار
 للمحافظ السيوطي لم اراه الى الآن، اما "الجامع الكبير" المعروف بجمع الجوامع وان لم اراه ايضا
 لكن الامام المحدث الزاهد علي المتقي رحمه الله قد رتب الجامعين في كتاب سماه كنز العمال في
 سنن الاقوال والافعال وقد طبع والله الحمد فاغتنى عن الاصل وبالجملته وقع التأخير في
 اكمله لذلك ثم من الله على بالصحة والعافية ووفقني كما لم في اقصر مدة وتعد الزوق
 على اربعة من الاحاديث او خمسة لعدم الوصول على مأخذها.

والحزب الاعظم قد شرح جماعة من علماء الدولة العثمانية كالشيخ ابراهيم بن
 عبد الله الساقري الرومي الحنفى سماه "فيض الارحم وفتح الاكرم في شرح الحزب الاعظم"
 فرغ منه سنة ١٣٢٠هـ اربع وثلاثين ومائتة والف والشيخ احمد بن عمر بن ايوب الازميري الرومي
 الحنفى الواعظ المتوفى سنة ١٢٨٥هـ ثمانين ومائتة والف سماه "فتح الرب الاكرم في شرح الحزب الاعظم"
 اولها الحمد لله الذي امرنا بالذكر والدعاء، والشيخ محمد بن يوسف الازميري الحنفى وسماه
 "فتح الله الاعلم في كشف اسرار الحزب الاعظم" وله الحمد لله الذي وفقنا لبيان الحزب
 الاعظم، والشيخ محمد بن محمود بن صالح بن حسن الطرنبذوني المدرس بجامع السلیمانیه
 الشهير بالمدني المتوفى سنة ١٢٨٥هـ مائتين والف سماه "الدرا المنظر في شرح الحزب الاعظم"

أوله الحمد لله، الذي أجلب من دعاء، ذكر هذه الشرح الأربعة اسماعيل باشا البغدادي
 في كتابه "إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون" ولما رآه واحداً منها سوى الأول فقد
 رأيت منه نسخة خطية في خزنة صاحب العلم وهب الله شاه في قرية بيدجند وبالسند.
 ولبعض علماء الهند تعليقات وجيزة على الحزب الأعظم ملتقطة من الشرح طبعت
 بهوامش نسخة الحزب المطبوعة في المطبعة النظامية بكانبور بالهند سنة ١٢٤٩ هـ تسع و
 سبعين وفائتين والـف، وترجم الحزب وخشاه بالاردوية بعض علماء الهند أيضاً تحت
 إشراف المولى نور محمد حيدر صاحب المطابع وكارخانه تجارت كتب بدلهي بالهند وطبعت
 هذه الترجمة مع الحواشي بدلهي وبكراتشي ثم ترجم الحزب في الاردوية مولانا الشيخ
 العالم الكبير الورع الزاهد محمد بدر عالم الحديث وهي من أحسن تراجمها وأشار الشيخ حماد
 في الهوامش إلى تخريج أحاديث الحزب أيضاً وقد فاته شيء كثير قد رتلت أو أزيد منه
 مع أنه ربما يشير في التخريج إلى أصل الحديث مع تفاوت في اللفظ ولعل ذلك لأنه
 كان حينئذ على صاحب القرائش واستدراك عليه تلميذه الشريف محمد طيبا لهما في
 فن كثير مما فاته وسلك على منوال شيخه في العزوم مع أوامهم وقعت لموسمها إرشاد
 بدر العالم لتخرجه الحزب الأعظم وقد طبع حالاً بلاهور وترجمة الشيخ طبعت مراراً
 بكراتشي باكستان.

والادعية المذكورة في الحزب زهاء خمس مائة دعاء كما صرح بها المؤلف رحمه الله
 في "الحزب الثمين" حيث قال (وقد جمعت الادعية المطلقة في الحزب الأعظم واطن
 أنه وصل خمس مائة دعاء) ولم يعلم أن مرادة مع الصلوات أو بدونها والله أعلم كذا في
 هامش النسخة المطبوعة بالمطبعة النظامية نقلاً عن الشرح (ص ٤١)

وهذه الادعية كلها منقولة من الكتب السبعة التي ذكرها المؤلف في مقدمة
 "الحزب" فاما "الأذكار للنووي" فقال رحمه الله تعالى في مقدمته (واقصر في هذا

الكتاب على الأحاديث التي في الكتب المشهورة التي هي أصول الإسلام وهي خمسة
صحيح البخاري وصحيح مسلم وسنن أبي داود والترمذي والنسائي وقد أروى يسيراً
من الكتب المشهورة غيرها، وأما الأجزاء والمسائيد فليست نقل منها شيئاً إلا في نادر
من المواطن ولا أذكر من الأصول المشهورة أيضاً من الضعيف إلا نادراً مع بيان ضعفه
وأما ذكر فيه الصحيح غالباً فهذا الرجوان يكون هذا الكتاب أصلاً معتمداً
وأما "الحصن للجزري" فقد صرح المصنف رحمه الله تعالى في مقدمته (إني أرجو
أن يكون جميع ما فيه صحيحاً)

وأما "الكلد الطيب" للسيوطي رحمه الله تعالى فلم أقف عليه وأما الجامعين له
فقال في مقدمة "الجامع الصغير" (صنعت عما تفرده بوضايع أو كذاب) وأما "الجامع الكبير"
المسمى "بجميع الجوامع" فقال في مقدمته (أتبع من الحديث بذكر من خرج من الأئمة
أصحاب الكتب المعتمدة سالكاً طريقته يعرف منها صحة الحديث وحسنه و
ضعفه وهرت للبخاري (خ) ولمسلم (م) وابن حبان (حب) والمحاكم في
مستدركه (ك) وللضياء المقدسي في المختارة (ض) وجميع ما في هذه الكتب الخمسة صحيح
قالعز واليهامعلم بالصحة سوى ما في "المستدرك" من المتعقب فأنبه عليه، وكذا ما في
"موطأ مالك" وصحيح ابن خزيمة وأبي عوانة وابن السكن والمتقى لابن الجارود و
المستخرجات قالعز واليهامعلم بالصحة أيضاً، وهرت لأبي داود وقلت كذا في
نسخة "الكنز" المطبوعة في مطبعة دائرة المعارف النظامية بمجدها بأبد كن بالهند
١٣١٢ هـ زاد في مقدمة "منتخب كثر العمال" (ت) للترمذي (ن) للنسائي ولا ينبغي ما جردته

له و"الحصن" قد ترجمه وشرحه بالاردو تاليف الشقيق المولوي محمد عبد العليم الندوي سلمه الله تعالى
ورعاؤه ومن أحسن تراجمه وشرحه بالاردو تاليف وقد طبع تحت إشراف صدقينا بشير محمد مدير "كارخانه
تجارت كتب" آرام بلرغ بکراتشي پاکستان -

ولأبي داود الطيالسي (ط) ولاحمد (حم) ولزيادات ابنه عبد الله (عم) ولعبد الزاق
 (عب) ولسعيد بن منصور (ص) ولابن أبي شيبة (ش) ولأبي يعلى (ع) وللطبراني
 في الكبير (طب) وفي الأوسط (طس) كذلك في الأصل وزاد في مقدمة "المنتخب"
 " (طص) لم في الصغير وللدارقطني (قط) فان كان في السنن اطلقت والا بنيتها
 ولأبي نعيم في "الحلية" (حل) ولليهيقي (ق) فان كان في السنن اطلقت والا بنيتها وله
 في "شعب الإيمان" (هب) وهذه فيها الصحيح والحسن والضعيف فابينة غالباً وكل
 ما كان في مسند أحمد فهو مقبول فان الضعيف الذي فيه يقرب من الحسن أو
 للعقيلي في "الضعفاء" (عق) ولأبن عدي في "الكامل" (عد) وللخطيب (خط) فان
 كان في تاريخه اطلقت والا بنيتها ولأبن عساكر (ك) وكل ما عزي لهؤلاء الاربعة أو
 للحكيم الترمذي في نوادر الأصول "أو للحاكم في تاريخه" ولأبن الجارود في "تاريخه"
 أو للديلمي في "مسند الفردوس" فهو ضعيف فيستغنى بالعز واليهما أو الى بعضها
 عن بيان ضعفه.

وأما القول البديع للسجّاد رحمه الله تعالى فقال في مقدمته رسأني بعض
 الأصدقاء المحبين ان اجمع كتاباً في الصلوة على سيد البشر
 يكون عمدة لمن رجع اليه معباً كل حديث بعز و لمن رواه مبيناً غالباً
 صحته او حسنة وضعفه لدفع الاشتباه

والادعية المذكورة في "الحزب الأعظم" أكثرها قد وردت في روايات صحيحة
 او حسنة وبعضها جاءت في روايات ضعيفة، والموضوع لا يكاد يوجد فيها إلا نادراً
 كما استرى في هذا التخريج. وقد صرح العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم
 يجوز بل يستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب والاذكار والادعية
 بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً.

واما ترجمة المصنف فقد اطل فيها الاخ الشقيق البجامة الكبير المحقق
 العلامة محمد عبد الحليم الجشتي سلمه الله تعالى وابقاه ووصله الى ما يتمناه في كتابه
 "البضاعة المزجاة لمن يطالع المرقاة في شرح المشكوة ونشرته المكتبة الامدادية"
 بملتان (باكستان) فاعثانا عن الكتابة فيها.

وسميته "فتح الاعز الاكرم لتخريج الحزب الاعظم" والمستول من الله سبحانه
 ان يتقبله مني بفضله العليم وان يجعلني واهلي وذريتي ومشائخي من ورثة
 جنة النعيم وصلى الله تعالى على اشرف الخلق سيدنا محمد رسوله الكريم وعلى آله
 واصحابه الذين فازوا الفوز العظيم وهذا الى الصراط المستقيم.

محمد عبد الرشيد النعماني

١٨ شوال ١٣٩٩ هـ

مقدمہ

تبیین الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃؒ

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

تَذْكِرَةُ الصَّحْفِ

في
مِثَاقِ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ

٣٩١٩١

للشيخ الإمام العلامة حافظ عصره ووحيد دهره

أبي الفضل جلال الدين عبد الرحمن أبي بكر السيوطي

الشافعي المتوفى سنة ٩١١ هـ بمصر رحمه الله

قدم له

فضيلة الشيخ المحدث عبد الرشيد النعماني حفظه الله تعالى

وعلق عليه

فضيلة الشيخ المفتي محمد عاشق الرهوي البرقي حفظه الله تعالى

من تصورات

إدارة القراءات والعلوم الإسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على آلائه والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم أنبيائه
وعلى آله وصحبه نخبة أصفياه وأوليائه .

أما بعد :

فإن أخانا الشيخ العالم نعيم أشرف سلمه الله وأبقاه ووفقني وإياه لما
يحبه ويرضاه قال لي إن إدارة القرآن الكريم والعلوم الإسلامية تريد أن
تنشر كتاب « تبييض الصحيفة » للحافظ الجلال السيوطي فاكتبوا كلمة
على مكانة الإمام أبي حنيفة النعمان - تقمده الله برحمته والرضوان - في
الحديث النبوي الشريف نضيفها إلى الكتاب مقدمة له لكي تنجلي غياهب
الظلمات التي أثارها الخصوم حول حفظ أبي حنيفة وثقته في
الحديث . فإسعافاً لمأموله - وفقه الله - كتبت هذه السطور سائلاً
الله تعالى أن يتقبلها ويجعلها ذخراً لآخرتي وهو خير مأمول وبالإجابة
جدير .

الفقير إليه تعالى

(محمد عبد الرشيد النعماني غفر الله له)

يوم الأربعاء ١٣ / شوال سنة ١٤١٠ هـ

بسم الله الرحمن الرحيم

مكانة الإمام الأعظم أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - في علم الحديث

ثناء الذهبي على أبي حنيفة

إن من أصدق كلمة قالها الإمام الذهبي رحمه الله - وهو من أهل الاستقراء التام في نقد الرجال - قوله: في ترجمة العلامة الإمام فقيه العراق حماد بن أبي سليمان رحمه الله تعالى: من كتابه "سير أعلام النبلاء":

"فأفقه أهل الكوفة على وابن مسعود، وأفقه أصحابهما
علقمة، وأفقه أصحابه إبراهيم، وأفقه أصحاب إبراهيم حماد،
وأفقه أصحاب حماد أبو حنيفة، وأفقه أصحابه أبو يوسف،
وانتشر أصحاب أبي يوسف في الآفاق، وأفقههم محمد،
وأفقه أصحاب محمد أبو عبد الله الشافعي رحمهم الله تعالى" (١).

وقال في ترجمة أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه:

"الإمام، فقيه الملة، عالم العراق، أبو حنيفة... (٢) وعنى
بطلب الآثار، وارتحل في ذلك، وأما الفقه والتدقيق في
الرأي وغوامضه، فإليه المنتهى، والناس عليه عيال في ذلك" (٣).

(١) سير أعلام النبلاء: ج ٥، ص: ٢٣٦، الطبعة الثالثة، بيروت، ١٤٠٥ هـ.

(٢) نفس المصدر: ج ٦، ص: ٣٩٠.

(٣) نفس المصدر: ج ٦، ص: ٢٩٢.

وقال أيضاً:

الإمامة في الفقه ودقائقه مسلمة إلى هذا الإمام، وهذا أمر لا شك فيه .

وليس يصح في الأذهان شيء إذا احتاج النهار إلى دليل^(١)
وقال في ترجمة الإمام مالك رحمه الله بعد أن نقل عن الإمام الشافعي رحمه الله تعالى أنه قال: "العلم يدور على ثلاثة، مالك، والليث، وابن عيينة".

ما نصه:

"قلت: بل وعلى سبعة معهم، وهم: الأوزاعي، والثوري، ومعر، وأبو حنيفة، وشعبة، والحمادان" (٢) .
وذكر في ترجمته أيضاً، عن الإمام أبي يوسف أنه قال:
"ما رأيت أعلم من أبي حنيفة، ومالك، وابن أبي ليلى" (٣) .

ولما ذكر في ترجمته الأسطورة التي تعزى إلى محمد والشافعي رحمهما الله تعالى في مقارنة علم مالك وأبي حنيفة رحمهما الله تعالى ما نصها:

"ابن عبد الحكم سمعت الشافعي يقول: قال لي محمد: أيهما أعلم صاحبنا أم صاحبكم؟ يعني أبا حنيفة ومالكاً، قلت: على الإنصاف؟ قال: نعم، قلت: أنشدك بالله، من أعلم بالقرآن؟ قال: صاحبكم، قلت: من أعلم بالسنة؟ قال: صاحبكم، قلت: فمن أعلم بأقاويل الصحابة

(١) نفس المصدر: ج: ٦، ص: ٤٠٣ .

(٢) نفس المصدر: ج: ٨، ص: ٩٤ .

(٣) نفس المصدر: ج: ٨، ص: ٩٤ .

والمتقدمين؟ قال: صاحبكم، قلت: فلم يبق إلا القياس، والقياس لا يكون إلا على هذه الأشياء، فمن لم يعرف الأصول، على أى شئ يقيس؟

انتقد عليها قائلاً:

"قلت: وعلى الإنصاف، لو قال قائل: بل هما سواء في علم الكتاب، والأول أعلم بالقياس، والثاني أعلم بالسنة، وعنده علم جم من أقوال كثير من الصحابة، كما أن الأول أعلم بأقاويل علي، وابن مسعود وطائفة ممن كان بالكوفة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرضي الله عن الإمامين، فقد صرنا في وقت لا يقدر الشخص على النطق بالإنصاف، نسأل الله السلامة" (١).

وقال أيضاً في ترجمته ما نصه:

"فالمقلدون صحابة رسول الله ﷺ، بشرط ثبوت الإسناد إليهم، ثم أئمة التابعين كعلقمة، ومسروق، وعبيدة السلماني، وسعيد بن المسيب، وأبي الشعثاء، وسعيد بن جبيرة، وعبيد الله بن عبد الله، وعروة، والقاسم، والشعبي، والحسن، وابن سيرين، وإبراهيم النخعي.

ثم كالزهري، وأبي الزناد، وأيوب السختياني، وربيعه وطبقته.

ثم كأبي حنيفة، ومالك، والأوزاعي، وابن جريج، ومعمّر، وابن أبي عروبة، وسفيان الثوري، والحمادين، وشعبة، والليث، وابن الماجشون، وابن أبي ذئب.

ثم كابن المبارك، ومسلم الزنجي، والقاضي أبي يوسف، والهقل بن زياد، ووكيعة، والوليد بن مسلم، وطبقتهم .

ثم كالشافعي، وأبي عبيد، وأحمد، وإسحاق، وأبي ثور، والبويطي وأبي بكر بن أبي شيبة .

ثم كالمرزني، وأبي بكر الأثرم، والبخاري، وداود بن علي، ومحمد بن نصر المروزي، وإبراهيم الحربي، وإسماعيل القاضي .

ثم كمحمد بن جرير الطبري، وأبي بكر بن خزيمة، وأبي عباس بن سريج، وأبي بكر بن المنذر، وأبي جعفر الطحاوي، وأبي بكر الخلال .

ثم من بعد هذا النمط تناقص الاجتهاد، ووضع المختصرات، وأخلد الفقهاء إلى التقليد، من غير نظر في الأعم بل بحسب الاتفاق، والتشهي، والتعظيم، والعادة والبلد . فلو أراد الطالب اليوم أن يتمذهب في المغرب لأبي حنيفة، لعسر عليه، كما لو أراد أن يتمذهب لابن حنبل ببخارى، وسمرقند، لصعب عليه، فلا يجيئ منه حنبلي، ولا من المغربي حنفي، ولا من الهندي مالكي اهـ . (١) .

وقال في ترجمة يحيى بن آدم بعد ما نقل عن محمد بن غيلان قال:

"سمعت أبا أسامة يقول: كان عمر في زمانه رأس الناس، وهو جامع، وكان بعده ابن عباس في زمانه، وبعده

الشعبي في زمانه، وكان بعده سفيان الثوري، وكان بعد الثوري يحيى بن آدم .

ما نصه:

قلت: قد كان يحيى بن آدم من كبار أئمة الاجتهاد، وقد كان عمر كما قال في زمانه، ثم كان علي وابن مسعود، ومعاذ، وأبو الدرداء، ثم كان بعدهم في زمانه زيد بن ثابت، وعائشة، وأبو موسى، وأبو هريرة، ثم كان ابن عباس، وابن عمر، ثم علقمة، ومسروق، وأبو إدريس، وابن المسيب، ثم عروة، والشعبي، والحسن، وإبراهيم النخعي، ومجاهد، وطاوس، وعدة، ثم الزهري، وعمر بن عبد العزيز، وقتادة، وأيوب، ثم الأعمش، وابن عون، وابن جريج، وعبيد الله بن عمر، ثم الأوزاعي، وسفيان الثوري، ومعمر، وأبو حنيفة، وشعبة، ثم مالك، والليث، وحامد بن زيد، وابن عيينة، ثم ابن المبارك، ويحيى القطان، ووكيع، وعبد الرحمن، وابن وهب، ثم يحيى بن آدم، وعفان، والشافعي وطائفة، ثم أحمد، وإسحاق، وأبو عبيد، وعلي بن المديني، وابن معين، ثم أبو محمد الدارمي، ومحمد بن إسماعيل البخاري، وآخرون من أئمة العلم والاجتهاد (١).

وقال في ترجمة ابن حزم بعد نقل قوله :

"أنا أتبع الحق، وأجتهد ولا أتقيد بمذهب"

مانصه:

"قلت: نعم، من بلغ رتبة الاجتهاد، وشهد له بذلك

(١) سير أعلام النبلاء ج - ٩ ص ٥٢٥ .

عدة من الأئمة، لم يسغ له أن يقلد، كما أن الفقيه المبتدئ والعامي الذي يحفظ القرآن أو كثيراً منه لا يسوغ له الاجتهاد أبداً، فكيف يجتهد؟ وما الذي يقول؟ وعلام يبنى؟ وكيف يطير ولما يُرَيَّش؟. والقسم الثالث: الفقيه المنتهي اليقظ الفهم المحدث، الذي قد حفظ مختصراً في الفروع، وكتاباً في قواعد الأصول، وقرأ النحو، وشارك في الفضائل مع حفظه لكتاب الله وتشاغله بتفسيره وقوة مناظرته، فهذه رتبة من بلغ الاجتهاد المقيد، وتأهل للنظر في دلائل الأئمة، فمتى وضح له الحق في مسألة، وثبت فيها النص، وعمل بها أحد الأئمة الأعلام كأبي حنيفة مثلاً، أو كمالك، أو الثوري، أو الأوزاعي، أو الشافعي، وأبي عبيد، وأحمد، وإسحاق، فليتبع فيها الحق ولا يسلك الرخص، وليتورع، ولا يسعه فيها بعد قيام الحجة عليه تقليد (١).

وقد سرد الإمام الحافظ الذهبي في ترجمة أبي حنيفة رحمه الله تعالى الأسطورة التي رواها الخطيب البغدادي في "تاريخه" عن أبي يوسف عن أبي حنيفة في ابتداء طلبه العلم واختياره الفقه من بين سائر العلوم وحكم عليها بالوضع والاختلاق فأفاد وأجاد، قال رحمه الله تعالى:

"أخبرنا ابن علان كتابةً، أنبأنا الكندي، أنبأ القزاز، أنبأنا الخطيب، أنبأنا الخلال، أنبأنا علي بن عمرو الحريري، حدثنا علي بن محمد بن كأس النخعي، حدثنا محمد بن محمود الصيدناني، حدثنا محمد بن شجاع بن الثلجي، حدثنا الحسن بن أبي مالك، عن أبي يوسف قال: قال أبو حنيفة: لما أردت طلب العلم، جعلت أتخير العلوم وأسأل

عن عواقبها، فقليل: تعلم القرآن، فقلت: إذا حفظته فما يكون آخره؟ قالوا: تجلس في المسجد، فيقرأ عليك الصبيان والأحداث، ثم لا يلبث أن يخرج فيهم من هو أحفظ منك أو مساويك فتذهب رئاستك .

قلت: من طلب العلم للرئاسة قد يفكر في هذا، وإلا فقد ثبت قول المصطفى صلوات الله عليه: "أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه" يا سبحان الله ! وهل محل أفضل من المسجد؟ وهل نشر لعلم يقارب تعليم القرآن؟ كلا والله - وهل طلبة خير من الصبيان الذين لم يعملوا الذنوب؟ . وأحسب هذه الحكاية موضوعة، ففي إسنادهما من ليس بثقة .

"تتمة الحكاية": قال: قلت: فإن سمعت الحديث وكتبته حتى لم يكن في الدنيا أحفظ مني؟ قالوا: إذا كبرت، وضعفت، حدثت واجتمع عليك هؤلاء الأحداث والصبيان، ثم لم تأمن أن تغلط، فيرموك بالكذب، فيصير عاراً عليك في عقبك، فقلت: لا حاجة لي في هذا .

قلت: الآن كما جزمت بأنها حكاية مختلقة، فإن الإمام أباحيفة طلب الحديث وأكثر منه في سنة مائة وبعدها ولم يكن إذ ذاك يسمع الحديث الصبيان، هذا اصطلاح وجد بعد ثلاث مائة سنة، بل كان يطلبه كبار العلماء، بل لم يكن للفقهاء علم بعد القرآن سواه ولا كانت دوت كتب الفقه أصلاً .

ثم قال: قلت: أتعلم النحو، فقلت: إذا حفظت النحو والعربية، ما يكون آخر أمري؟ قالوا: تقعد معلماً فأكثر رزقك ديناران إلى ثلاثة . قلت: وهذا لا عاقبة له،

قلت: فإن نظرت في الشعر فلم يكن أحد أشعر مني ؟ قالوا:
 تمدح هذا فيهب لك، أو يخلع عليك، وإن حرمتك هجوته .
 قلت: لا حاجة فيه، قلت: فإن نظرت في الكلام، ما يكون
 آخر أمره ؟ قالوا: لا يسلم من نظر في الكلام من مشنعات
 الكلام، فيرمى بالزندقة، فيقتل، أو يسلم مذموماً .
 قلت: قاتل الله من وضع هذه الخرافة، وهل كان في
 ذلك الوقت وجد علم الكلام ؟ ! .

قال: قلت: فإن تعلمت الفقه ؟ قالوا: تسأل وتفتي
 الناس، وتطلب للقضاء، وإن كنت شاباً . قلت: ليس في
 العلوم شيء أنفع من هذا، فلزمت الفقه وتعلمته (١) .
 وقال الحافظ الذهبي في ترجمة الإمام سفيان الثوري من كتابه "تذكرة
 الحفاظ" معلقاً على قوله رحمه الله تعالى:
 "ليس طلب الحديث من عدة الموت لكنه علة يتشاغل بها الرجل"

ما نصه:

قلت: صدق والله، إن طلب الحديث شيء غير
 الحديث، فطلب الحديث اسم عرفي لأمر زائدة على تحصيل
 ماهية الحديث، وكثير منها مراق إلى العلم، وأكثرها أمور
 يشغف بها المحدث، من تحصيل النسخ المليحة، وتطلب
 العالي، وتكثير الشيوخ، والفرح بالألقاب، والثناء، وتمنى
 العمر الطويل ليروي، وحب التفرد، إلى أمور عديدة لازمة
 للأغراض النفسانية، لا الأعمال الربانية، فإذا كان طلبك
 الحديث النبوي محفوفاً بهذه الآفات فمتى خلاصك منها إلى
 الإخلاص ؟ ! وإذا كان علم الآثار مدخولاً، فما ظنك بعلم

(١) سير أعلام النبلاء ج - ٦، ص : ٣٩٥ حتى ٣٩٧ .

المنطق والجدل و حكمة الأوائل التي تسلب الإيمان، وتورث الشكوك والحيرة ؟ التي لم تكن والله من علم الصحابة ولا التابعين، ولا من علم الأوزاعي، والثوري، ومالك وأبي حنيفة، وابن أبي ذئب، وشعبة، ولا والله عرفها ابن المبارك ولا أبو يوسف القائل: "من طلب الدين بالكلام تزندق"، ولا وكيع، ولا ابن مهدي، ولا ابن وهب، ولا الشافعي، ولا عفان، ولا أبوعبيد ولا ابن المديني، وأحمد، وأبو ثور، والمزني، والبخاري، والأثرم، ومسلم، والنسائي، وابن خزيمة، وابن سريج، وابن المنذر، وأمثالهم بل كانت علومهم القرآن، والحديث، والفقه، والنحو، وشبه ذلك . نعم، وقال سفيان أيضاً: فيما سمعه منه الفريابي: "ما من عمل أفضل من طلب الحديث إذا صحت النية" اهـ (١) .

وقال في خاتمة الطبقة الخامسة التي ذكر فيها أبا حنيفة ومالك والأوزاعي، وسفيان:

"وفي زمان هذه الطبقة، كان الإسلام وأهله في عز تام، وعلم غزير وكان في هذا الوقت من الفقهاء، كأبي حنيفة، ومالك، والأوزاعي الذين مروا" (٢) .

قلت: فقد ثبت مما نقلناه من تصريحات الحافظ الذهبي أمور:

(١) كانت علوم أبي حنيفة رحمه الله: القرآن، والحديث، والفقه، والنحو، وشبه ذلك .

(٢) إن الإمام أبا حنيفة طلب الحديث وأكثر منه في سنة مائة

(١) تذكرة الحفاظ : ج : ١ ص : ٢٠٤ و ٢٠٥ ، الطبعة الثالثة بمطبعة دائرة المعارف

العثمانية بحيدر آباد الدكن ، الهند ١٣٧٥ هـ .

(٢) نفس المصدر : ج : ١ ، ص : ٢٤٤ .

وبعدها، بل لم يكن للفقهاء علم بعد القرآن سواء، وقد عني الإمام مطلب الآثار، وارتحل في ذلك .

(٣) وكان أعلم بأقاويل عليّ، وابن مسعود، وطائفة ممن كان بالكوفة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم .

(٤) وكان من الأئمة العشرة الذين يدور عليهم العلم في ذلك العصر، فهو قرين مالك، والأوزاعي، والثوري، والليث، وابن عيينة، ومعمر، وشعبة، والحماديين، في علم الكتاب والسنة .

(٥) وكان من كبار أئمة الاجتهاد وأحد الأئمة الأعلام وإليه المنتهى في الفقه والناس عيال عليه في ذلك .

فهذا رأى مؤرخ الإسلام الحافظ الناقد البصير شمس الدين الذهبي الذي هومن أهل الاستقراء التام في نقد الرجال في حق إمامنا الأعظم أبي حنيفة النعمان رضي الله تعالى عنه .

ثناء ابن تيمية على أبي حنيفة

ويقول شيخه ابن تيمية الشيخ الإمام، العلامة، الحافظ، الناقد، الفقيه، المفسر، شيخ الإسلام تقي الدين، أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الحراني، البارع في الرجال، وعلل الحديث في كتابه: "منهاج السنة النبوية في نقض قول الشيعة والقدرية"، ما نصه:

"وهؤلاء أهل العلم، الذين يبحثون الليل والنهار عن العلم، وليس لهم غرض مع أحد بل يرجحون قول هذا الصحابي تارة، وقول هذا الصحابي تارة، بحسب ما يرونه من أدلة الشرع، كسعيد بن المسيب، وفقهاء المدينة مثل عروة بن الزبير، والقاسم بن محمد، وعلي بن الحسين، وأبي بكر بن

عبد الرحمن، وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة، وسليمان بن يسار، وخارجة ابن زيد وسالم بن عبد الله بن عمر، وغير هؤلاء، ومن بعدهم، كابن شهاب الزهري، ويحيى بن سعيد، وأبي الزناد، وربيعه، ومالك بن أنس، وابن أبي ذئب، وعبد العزيز الماجشون وغيرهم .

ومثل طاووس اليماني، ومجاهد، وءدءاء، وسعيد بن جبير، وعبيد بن عمير، وعكرمة مولى ابن عباس، ومن بعدهم، مثل عمرو بن دينار، وابن جريج، وابن عيينة وغيرهم من أهل مكة .

ومثل الحسن البصري، ومحمد بن سيرين، وجابر بن زيد أبي الشعثاء، ومطرف بن عبد الله بن الشخير، ثم أيوب السختياني، وعبد الله بن عون، وسليمان التيمي، وقتادة، وسعيد بن أبي عروبة، وحماة بن سلمة، وحماة بن زيد .
وأمثالهم مثل علقمة، والأسود، وشريح القاضي، وأمثالهم ثم إبراهيم النخعي، وعامر الشعبي، والحكم بن عتيبة، ومنصور بن المعتمر إلى سفيان الثوري، وأبي حنيفة، وابن أبي ليلى، وشريك، إلى وكيع بن الجراح، وأبي يوسف، ومحمد بن الحسن وأمثالهم .

ثم الشافعي، وأحمد بن حنبل، وإسحاق بن راهويه، وأبو عبيد القاسم بن سلام، والحميدي عبد الله بن الزبير، وأبو ثور، ومحمد بن نصر المروزي، ومحمد بن جرير الطبري، وأبو بكر بن المنذر ^(١) .

فقد عدَّ الحافظ ابن تيمية أبا حنيفة، وصاحبيه أبا يوسف، ومحمد

(١) منهاج السنة : ج : ٣ ، ص : ١٤٢ ، طبع بولاق مصر ، ١٣٢٢ هـ .

ابن الحسن في أهل العلم الذين يبحثون الليل والنهار عن العلم وليس لهم غرض مع أحد، بل يرجحون قول هذا الصحابي تارة، وقول هذا الصحابي تارة، بحسب ما يرونه من أدلة الشرع وسرد أسماء قرنائهم، وصرخ في موضع آخر من كتابه هذا أن: "أبا حنيفة وأصحابه ممن له في الأمة لسان صدق من علمائها" (١).

وقال في موضع آخر، ما نصه:

"فقد جاء بعد أولئك في قرون الأمة من يعرف كل أحد زكائهم وذكاءهم، مثل سعيد بن المسيب، والحسن البصري، وعطاء بن أبي رباح، وإبراهيم النخعي، وعلقمة، والأسود، وعبيدة السلماني، وطاووس، ومجاهد، وسعيد بن جبير، وأبي الشعثاء جابر بن زيد، وعلي بن زيد، وعلي بن الحسين، وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة، وعروة بن الزبير، والقاسم بن محمد بن أبي بكر، وأبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام، ومطرف ابن الشخير، ومحمد بن واسع، وحبيب العجمي، ومالك بن دينار، ومكحول، والحكم بن عتيبة، ويزيد ابن أبي حبيب ومن لا يحصى عددهم إلا الله .

ثم بعدهم أيوب السختياني، وعبد الله بن عون، ويونس ابن عبيد، وجعفر بن محمد، والزهري، وعمر بن دينار، ويحيى بن سعيد الأنصاري، وربيع بن أبي عبد الرحمن، وأبو الزناد، ويحيى بن أبي كثير، وقتادة، ومنصور بن المعتمر، والأعمش، وحمد بن أبي سليمان، وهشام الدستوائي، وسعيد بن أبي عروبة .

(١) منهاج السنة : ج : ٤ ، ص : ٧٧ .

ومن بعد هؤلاء مثل مالك بن أنس، وحماد بن زيد،
 وحماد بن سلمة، و الليث بن سعد، والأوزاعي، وأبي حنيفة،
 وابن أبي ليلى، وشريك، وابن أبي ذئب، وابن
 الماجشون.

ومن بعدهم مثل يحيى بن سعيد القطان، وعبد الرحمن
 بن مهدي، ووكيع بن الجراح، وعبد الرحمن بن القاسم،
 وأشهب بن عبد العزيز، وأبي يوسف، ومحمد بن الحسن،
 والشافعي، وأحمد بن حنبل، وإسحاق بن راهويه، وأبي
 عبيد، وأبي ثور، ومن لا يحصى عدده إلا الله تعالى، ممن
 ليس لهم غرض في تقديم غير الفاضل، لا لأجل رئاسة ولا
 مال، وممن هم من أعظم الناس نظراً في العلم وكشفاً
 لحقائقه اهـ (١).

وقال في موضع آخر:

"أئمة أهل الحديث والتفسير، والتصوف، والفقه، مثل
 الأئمة الأربعة وأتباعهم" (٢).

وقال رحمه الله أيضاً في موضع آخر:

"أئمة الإسلام المعروفون بالإمامة في الدين كمالك، والثوري،
 والأوزاعي، والليث بن سعد، والشافعي، وأحمد، وإسحاق،
 وأبي حنيفة، وأبي يوسف" (٣).

وقال رحمه الله أيضاً ما نصه :

"وهذا مذهب الأئمة المتبوعين مثل مالك بن أنس،

(١) منهاج السنة : ج ١ ص ١٦٧ و ١٦٨ .

(٢) نفس المصدر : ج ١ ، ص ١٧٢ و ١٧٣ .

(٣) نفس المصدر : ج ١ ، ص ٢١٥ و ٢١٦ .

والثوري، والليث بن سعد، والأوزاعي، وأبي حنيفة،
والشافعي، وأحمد بن حنبل، وإسحاق، وداود، ومحمد بن
خزيمة، ومحمد بن نصر المروزي، وأبي بكر ابن المنذر، ومحمد
بن جرير الطبري، وأصحابهم" (١).

فمن يقرأ تراجم هؤلاء العلماء الأعلام والأئمة البررة الكرام في كتب
الرجال والتواريخ يذعن لجلالتهم وإمامتهم، والحافظ ابن تيمية يعد الإمام أبا
حنيفة وصاحبيه في زمرة هؤلاء الكبار، ويصفهم تارة بـ «الأئمة
المتبوعين» وتارة بـ «أئمة الإسلام المعروفين بالإمامة في الدين»، ومرة: بـ
«أئمة أهل الحديث والتفسير والتصوف والفقه»، ومرة يقول: «هم من أعظم
الناس نظراً في العلم وكشفاً لحقائقه، ويعرف كل أحد زكاءهم وذكاءهم»
وأخرى يصفهم: بـ «أنهم الذين يبحثون الليل والنهار عن العلم» فمن يكون
موصوفاً بهذه الصفات العليا، فلا تسأل عن إمامته في الحديث، وثقافته في
الرواية، وكثرة إتقانه وضبطه وحفظه وبراعته وتضلعه في علوم الكتاب والسنة،
فهؤلاء الذين قد جاوزوا القنطرة، ووصلوا ذروة الكمال في العلم، وكتب
الرجال والطبقات مشحونة بذكر فضائلهم ومناقبهم، وسارت الركبان بماثرهم
ومعاليهم، وقد جعل الله لهم لسان صدق في الآخرين، وجرت على أقاويلهم
الغناوى، وتبعتهم الأمة، فلا يقبل في هؤلاء قول كل قائل يرميهم بسوء
أو تقصير في العلم والرواية، والله يقول الحق وهو يهدي السبيل.

وهؤلاء هم الذين يقول فيهم ابن الصلاح الإمام الحافظ المفتي شيخ
الإسلام تقي الدين أبو عمرو عثمان بن صلاح الدين عبد الرحمن الكردي
الشهرزوري الشافعي في كتابه المشهور "علوم الحديث":

"فمن اشتهرت عدالته بين أهل النقل من أهل العلم

وشاع الثناء عليه بالثقة والأمانة استغنى فيه بذلك عن بينة شاهدة بعدالته تنصيصاً. وهذا هو الصحيح في مذهب الشافعي وعليه الاعتماد في فن أصول الفقه.

ومن ذكر ذلك من أهل الحديث أبو بكر الخطيب الحافظ ومثل ذلك بمالك وشعبة والسفيانين والأوزاعي والليث وابن المبارك ووكيع وأحمد بن حنبل ويحيى بن معين وعلي بن المديني ومن جرى مجراهم في نباهة الذكر واستقامة الأمر فلا يسأل عن عدالة هؤلاء وأمثالهم وإنما يسأل عن عدالة من خفي أمره علي الطالبين^(١).

وقال الإمام العلامة الأصولي الناقد المحدث محقق الحنفية الكمال بن الهمام في "تحرير الأصول":

عرف أن الشهرة معرف العدالة والضبط كمالك والسفيانين والأوزاعي والليث وابن المبارك وغيرهم؛ للقطع بأن الحاصل بها من الظن فوق التزكية وأنكر أحمد علي من سأل عن إسحق، وابن معين عن أبي عبيد، وقال: أبو عبيد يسأل عن الناس اهـ (٢)

وقال الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة عبد العلي بن نظام الدين الأنصاري السهالوي اللكنوي بحر العلوم ملك العلماء:

"(مسألة معرف العدالة) أمور منها: (الشهرة) والتواتر (كمال) الإمام (والأوزاعي و) عبد الله (بن

(١) علوم الحديث (المعروف بمقدمة ابن الصلاح) مع محاسن الاصطلاح ص ٢١٨،

٢١٩، طبع دار الكتب المصرية بمصر سنة ١٩٧٤ م.

(٢) راجع التقرير والتحبير شرح التحرير ج ٢ : ص ٢٤٧ الطبعة الأولى ببلاق مصر

المبارك وغيرهم) كالإمام الهمام أبي حنيفة وصاحبيه وبواقي أصحابه والإمام الشافعي وأحمد بن حنبل وسائر الأئمة الكرام قدس سرهم (لأنها فوق التزكية) في إفادة العلم بالعدالة (ولهذا) أي لأجل كون الشهرة فوق التزكية (أنكر أحمد) بن حنبل (على من سأل عن إسحاق) بن راهويه هو عدل أم لا (و) أنكر يحيى (بن معين على من سأل عن أبي عبيد فقال) ابن معين (أبو عبيد يسأل عن الناس) وأنت تسأل عنه، يعني أنه مشهور بالعدالة حتى يجعل مزكيا وأنت تسأل عنه (١) .

وقال الإمام العلامة الحافظ الكبير محدث الديار المصرية وفقهها أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي الحنفى في "بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب فقهاء الملة أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفى وأبي يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصارى وأبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني" :

"وعلماء السلف من السابقين ومن بعدهم من التابعين أهل الخير والأثر وأهل الفقه والنظر لا يذكرون إلا بالجميل ومن ذكروهم بسوء فهو على غير السبيل" .

وهذا هو السبب في عدم إيراد الذهبي الإمام الأعظم أبا حنيفة في كتابه "المغني في الضعفاء"، و"الميزان" فقد صرح في مقدمة "ميزان الاعتدال" بما نصه :

"وكذا لا أذكر في كتابي من الأئمة المتبوعين في الفروع أحدا، لجلالتهم في الإسلام، وعظمتهم في النفوس مثل أبي حنيفة والشافعي" اهـ .

(١) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مع المستصفى ج : ٢ ص ١٤٨ الطبعة الأولى

ببולاق المصرية سنة ١٣٢٤ هـ .

كثرة أتباع أبي حنيفة واشتهار مذهبه في الآفاق

ثم قد امتاز الإمام أبوحنيفة من بين هؤلاء الأئمة بكثرة أتباعه واشتهار مذهبه في الآفاق، فقد تبعه شطر أهل البسيطة، بل ثلثاها، ومذهبه كما هو أول المذاهب تدويناً، كذلك يكون آخرها انقراضاً، إن شاء الله تعالى .

قال الحافظ الذهبي:

"اشتهر مذهب الأوزاعي مدة، وتلاشى أصحابه، وتفانوا، وكذلك مذهب سفيان وغيره ممن سمينا، ولم يبق اليوم إلا هذه المذاهب الأربعة . وقل من ينهض بمعرفتها كما ينبغي، فضلاً عن أن يكون مجتهداً، وانقطع أتباع أبي ثور بعد الثلاث مائة ، وأصحاب داود إلا القليل، وبقي مذهب ابن جرير إلى ما بعد الأربع مائة ولا بأس بمذهب داود، وفيه أقوال حسنة، ومتابعة للنصوص، مع أن جماعة من العلماء لا يعتدون بخلافه، وله شذوذ في مسائل شانت مذهبه (١) .

وقال في "تذكرة الحفاظ":

"كان أهل الشام ثم أهل الأندلس على مذهب الأوزاعي، مدة من الدهر، ثم فنى العارفون به، وبقي منه ما يوجد في كتب الخلاف" (٢) .

وقال الإمام الرباني سيدي عبد الوهاب الشعراني في كتابه "الميزان الكبرى":

(١) سير أعلام النبلاء، ج ٨، ص: ٩٢ .

(٢) تذكرة الحفاظ، ج ١، ص ١٨٢ .

"ومذهبه -أي مذهب أبي حنيفة أول المذاهب تدويناً، وآخرها انقراضاً، كما قاله بعض أهل الكشف، قد اختاره الله تعالى إماماً لدينه وعباده، ولم يزل أتباعه في زيادة في كل عصر إلى يوم القيامة، لو حبس أحدهم وضرب على أن يخرج عن طريقه ما أجاب، فرضي الله عنه، وعن أتباعه وعن كل من لزم الأدب معه ومع سائر الأئمة" (١).

وقال أيضاً رحمه الله تعالى:

"إن الله تعالى لما منّ عليّ بالاطلاع على عين الشريعة، رأيت المذاهب كلها متصلة بها، ورأيت مذاهب الأئمة الأربعة تجري جداولها كلها، ورأيت جميع المذاهب التي اندرست، قد استحالت حجارة، ورأيت أطول الأئمة جدولاً الإمام أبا حنيفة ويليه الإمام مالك، ويليه الإمام الشافعي، ويليه الإمام أحمد بن حنبل، وأقصرهم جدولاً مذهب الإمام داود، وقد انقرض في القرن الخامس، فأولت ذلك بطول زمن العمل بمذاهبهم وقصره، فكما كان مذهب الإمام أبي حنيفة أول المذاهب المدونة تدويناً، فكذلك يكون آخرها انقراضاً، وبذلك قال أهل الكشف" (٢).

(١) الميزان الكبرى، ج ١ ص ٥٩، طبع الأزهرية، مصر، ١٣٤٤هـ.

(٢) نفس المصدر، ج ١ ص ٢٧.

كان أبو حنيفة
حجة، ثبتاً، أعلم عصره بالحديث، ومن صيارفته

وقال شمس الأئمة الإمام أبو بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل
السرخسي رحمه الله تعالى :

"كان الإمام أبو حنيفة أعلم أهل عصره بالحديث، ولكن
لمراعاة شرط كمال الضبط قلت روايته." (١) .

وقال الإمام علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني رحمه الله تعالى :
"إنه كان من صيارفة الحديث، وكان من مذهبه تقديم الخبر
وإن كان في حد الآحاد على القياس بعد أن كان راويه
عدلاً، ظاهر العدالة" (٢) .

"وقال خاتمة المحققين العلامة الفقيه محمد أمين المعروف بابن
عابدين الشامي :

"إن الإمام حجة، ثبت، . . . لا يروي عن
وضاع" . اهـ (٣) .

عداده في الحفاظ

وقد أطبق الحفاظ الجهابذة المحدثون الذين صنفوا في طبقات الحفاظ
علي ذكر الإمام فيهم، فهذا الحافظ الذهبي، يترجم له في "تذكرة الحفاظ"

(١) أصول الفقه للسرخسي، ج ١ ص: ٣٥٠، مطبعة دار الكتاب العربي ١٣٧٢هـ .

(٢) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج: ٥، ص: ١٨٨، طبع مصر ١٣٢٨ هـ .

(٣) رد المختار على الدر المختار، ج: ١، ص: ٤٨، طبع مصر .

ويثني عليه، وقد قال في مبدأ كتابه:

"هذه تذكرة بأسماء معدلي حملة العلم النبوي، ومن يرجع إلى اجتهادهم في التوثيق والتضعيف، والتصحيح والتزييف".

وكتابه "تذكرة الحفاظ" مطبوع، متداول، قد طبع مراراً .

وتبعه الإمام المحدث الحافظ ذوالفنون شمس الدين محمد بن أحمد بن عبد الهادي المقدسي الحنبلي في كتابه "المختصر في طبقات علماء الحديث" فأورده في كتابه وترجم له وأثنى عليه خيراً والكتاب غير مطبوع حتى الآن، فأحب أن أذكر ما قاله برمته، قال رحمه الله:

"(ت، س) أبوحنيفة، النعمان بن ثابت بن زوطا

التميمي مولاهم، الكوفي، الإمام، فقيه العراق، مولده سنة ثمانين، رأى أنس بن مالك غير مرة، لما قدم عليهم الكوفة، رواه ابن سعد عن سيف بن جابر، أنه سمع أبا حنيفة يقول .

"وحدث عن عطاء، ونافع، وعبد الرحمن بن هرمز الأعرج، وعدي بن ثابت، وسلمة بن كهيل، وأبي جعفر محمد بن علي، وقتادة، وعمرو بن دينار، وأبي إسحاق وخلق .

تفقه به زفر بن الهزيل، وداود الطائي، وأبويوسف، ومحمد وأسد بن عمرو، والحسن بن زياد اللؤلؤي، ونوح الجامع، وأبومطيع البلخي وعدة . وكان قد تفقه بحمد بن أبي سليمان وغيره .

وحدث عنه وكيع، ويزيد بن هارون، وسعد بن الصلت، وأبوعاصم، وعبد الرزاق، وعبيد الله بن موسى، وأبونعيم، وأبوعبد الرحمن المقرئ وخلق .

وكان إماماً، ورعاً، عالماً، عاملاً، متعبداً، كبير الشأن،

لا يقبل جوائز السلطان، بل يتجر ويكتسب .
قال ضرار بن صرد: سئل يزيد بن هارون: أيما أفقه،
الثوري أم أبوحنيفة ؟ فقال: أبوحنيفة أفقه وسفيان أحفظ
للحديث .

وقال ابن المبارك: أبوحنيفة أفقه الناس .
وقال الشافعي: الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة .
وقال يزيد: ما رأيت أحدا أروع ولا أعقل من
أبي حنيفة .

وقال أبوداؤد: رحم الله أبا حنيفة كان إماماً .
وروى بشر بن الوليد، عن أبي يوسف قال: كنت
أمشي مع أبي حنيفة، فقال رجل لآخر: هذا أبوحنيفة
لا ينام الليل، فقال: والله لا يتحدث عني بما لم أفعل، فكان
يحيي الليل صلاةً، ودعاءً، وتضرعاً، ومناقبه وفضائله كثيرة .
وكان موته في رجب سنة خمسين ومائة، رحمه الله
تعالى (١) .

وقال في مبدأ كتابه:

"وبعد، فهذا كتاب مختصر، يشتمل على جملة من
الحفاظ، من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، والتابعين،
ومن بعدهم، لا يسع من يشتغل بعلم الحديث الجهل بهم" .
ومع كون الكتاب مختصراً، ذكر الإمام فيه، وهذا يدل على كون
الإمام من الحفاظ المعدودين الذين ينبغي الاعتناء بتراجمهم .

(١) نسخة هذا الكتاب محفوظة في خزانة مكتبة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة ،

ثم ذكره في الحفاظ. الإمام العلامة الحافظ الحجة مؤرخ الديار
الشامية وحافظها شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أبي بكر الشهير بابن
ناصر الدين رحمه الله تعالى في كتابيه "بديعة البيان عن موت الأعيان"
منظومة، وشرحهما "التبيان لبديعة البيان" وهما طبقات الحفاظ نظماً
ونثراً، وقد رأيت منها نسخة مخطوطة في مكتبة شيخ الإسلام عارف
حكمت، بالمدينة المنورة، حين سافرت للحج في ١٣٨٧هـ ضمن
كتب التواريخ رقم (٤٨) جاء فيها ما نصه:

بعدهما فتى جريح الداني مثل أبي حنيفة النعمان

أى بعد وفاه الحجاج، والزبيدي بعام، وفاة ابن

جريح، وأبي حنيفة الإمام، فالأول عبد الملك بن عبد العزيز

بن جريح، أبو الوليد، وقيل أبو خالد الأموي مولاهم

المكي
٣٩١٩١هـ

والثاني النعمان بن ثابت بن زوطى، التيمي مولاهم

الكوفي، وقيل: هومن أبناء فارس، قال إسماعيل بن حماد

ابن أبي حنيفة: فيما روى عنه: أنا إسماعيل بن حماد بن

النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان من أبناء فارس

الأحرار، والله ما وقع علينا رق قط . انتهى .

رأى الإمام أنس بن مالك، غير مرة، لما قدم عليهم

الكوفة، فيما رواه سيف بن جابر سمعاً من أبي حنيفة.

وحدث عن عطاء، ونافع، وعمرو بن دينار، والأعرج،

وقتادة، وخلق من الأخيار .

وكان أحد أئمة الأمصار، فقيه العراق، متعبداً، كبير

الشأن، وكان يتجر، ولا يقبل جوائز السلطان .

وهو أحد من كان يختم في ركعة القرآن، ومكث

أربعين سنة يصلي الصبح بوضوء العتمة، وفضائله كثيرة معروفة. قال الشافعي: الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة.

وذكره أيضا الإمام المحدث جمال الدين يوسف بن حسن بن أحمد بن عبد الهادي الصالح الحنبلي الشهير بابن المبرد (بكسر الميم وسكون الموحدة، وفتح الراء الخفيفة) في كتابه "طبقات الحفاظ" وقد نقل عنه الشيخ العلامة المحدث عبد اللطيف بن الخدوم العلامة محمد هاشم السندي، في كتابه "ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات" (١).

ثم ذكره بعدهم خاتمة الحفاظ الإمام جلال الدين السيوطي في كتابه "طبقات الحفاظ" وقد ذكرت ما قاله الحافظ السيوطي في ترجمة الإمام أبي حنيفة في "التعليقات على ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات" فليراجع، وقد طبع كتاب "طبقات الحفاظ" للسيوطي في أوروبا وبيروت، وقال في مبدأ كتابه:

"أما بعد: فهذا كتاب "طبقات الحفاظ" ومعدلي حملة العلم النبوي، ومن يرجع إلى اجتهادهم في التوثيق، والتجريح، والتضعيف والتصحيح، خلصتها من طبقات إمام الحفاظ أبي عبد الله الذهبي وذيلت عليه من جاء بعده" اهـ .

ثم ذكره من بعده الشيخ العلامة المحدث محمد بن رستم بن قباد الحارثي البدخشي أحد البارعين في علم الحديث والرجال في كتابه "تراجم الحفاظ" وهو مجلد ضخيم في تراجم الحفاظ استخرجها من "كتاب الأنساب" للإمام الحافظ السمعاني مع اختصار في بعض التراجم وزيادة

(١) ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات ج ١ ، ص ٤٤٥ ، قامت

بنشره و طبعه لجنة إحياء الأدب السندي بكراتشي ، ١٣٧٩ هـ .

مفيدة في أكثرها فرغ من تصنيفه يوم الخميس لتسع خلون من ربيع الأول سنة ست وأربعين و مائة وألف بمدينة دهلي عاصمة الهند فقال ما نصه:
 «النعمان بن ثابت الكوفي أبو حنيفة الإمام الأعظم أحد الأئمة الأربعة المتبوعين ذكره في نسبة "الخزاز" وقال بفتح الخاء المعجمة، و تشديد الزاء الأولى، اشتهر بهذه الصنعة و الحرفة جماعة من أهل العراقيين من أئمة الدين وعلماء المسلمين: فأما من أهل الكوفة، فأبو حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي مع تبحره في العلم و غوصه على دقائق المعاني وخفيها كان يبيع الخبز و يأكل منه طلباً للحلال، و قيل كان ذلك في ابتداء أمره . و شهرته تغني عن الإطناب في ذكره . و لد سنة سبعين و توفي سنة خمسين و مائة، انتهى كلامه في الخزاز .

ثم أعاد ذكره في "الراي" و قد مرّ تحقيقه في ترجمة ربيعة بن أبي عبد الرحمن (١) فقال:

و أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن النعمان بن المزربان التيمي الكوفي صاحب الرأي و إمام أصحاب الرأي ، وفقه أهل العراق . رأى أنس بن مالك رضي الله عنه . و سمع عطاء بن أبي رباح ، وأبا إسحاق السبيعي و محارب بن دثار وحماد بن أبي سليمان ، والهيثم بن حبيب و قيس بن مسلم و محمد بن المنكدر و نافعاً مولى ابن عمر رضي الله عنهما و هشام بن عروة وسماك بن حرب .

روى عنه هشيم بن بشير وعباد بن العوام و عبد الله بن

(١) قال فيها : "الراي بتشديد الراء المفتوحة و في آخرها الياء ... و إنما قيل له :

الراي لعلمه به و كان عارفا بالسنة و قائلاً بالرأي .

المبارك و وكيع بن الجراح و يزيد بن هارون و أبو يوسف
القاضي و محمد بن الحسن الشيباني، وعمرو بن محمد
العنقزي و هودة بن خليفة و أبو عبد الرحمن المقرئ و عبد
الرزاق بن همام و غيرهم .

و هو كوفي تيمي من رهط حمزة بن حبيب الزيات،
ولد بالكوفة، و نقله أبو جعفر المنصور إلى بغداد فسكنها إلى
حين وفاته . قيل إن أباه ثابت بن النعمان بن المرزبان من
أبناء فارس الأحرار ذهب إلى علي بن أبي طالب رضي الله
عنه وهو صغير، فدعا له بالبركة فيه و في ذريته . و قيل: إن
جده النعمان بن المرزبان هو الذي أهدى لعلي بن أبي طالب
رضي الله عنه ألفا لودج في يوم النيروز، فقال: نو روزنا كل
يوم، و في رواية كان في يوم المهرجان، فقال: مهرجاننا كل
يوم . و كلمه ابن هبيرة على أن يلي القضاء، فأبى فضربه
مائة سوط و عشرة أسواط كل يوم عشرة أسواط، فصبر وامتنع،
فلما رأى ذلك خلى سبيله .

و اشتغل بطلب العلم و بالغ فيه حتى حصل له ما لم
يحصل لغيره . و دخل يوماً على المنصور فكان عنده عيسى
بن موسى فقال للمنصور: هذا عالم الدنيا اليوم . و رأى
أبوحنيفة في المنام أنه ينبش قبر رسول الله صلي الله عليه
وسلم، فقليل لمحمد بن سيرين؛ فقال: صاحب هذه الرؤيا رجل
يثور علما لم يسبقه إليه أحد قبله، وكان مسمر بن كدام
يقول: ما أحسد أحداً بالكوفة إلا رجلين أبو حنيفة في فقهه
والحسن بن صالح في زهده، و قال مسمر: من جعل أبا حنيفة
بينه و بين الله رجوت أن لا يخاف و لا يكون فرط في

الاحتياط لنفسه . و قال الفضيل بن عياض كان أبو حنيفة رجلاً فقيهاً معروفاً بالفقه، مشهوراً بالورع، واسع المال معروفاً بالإفضال على كل من يطيف به، صبوراً على تعليم العلم بالليل و النهار، حسن الليل كثير الصمت، قليل الكلام حتى ترد مسألة في حرام أو حلال، و كان يحسن يدل على الحق هارباً من مال السلطان، و إذا وردت عليه مسألة فيها حديث صحيح اتبعه، و إن كان عن الصحابة و التابعين، وإلا قاس فأحسن القياس .

وكانت ولادته سنة ثمانين، و مات في رجب سنة خمسين ومائة ودفن بمقبرة الخيزران بباب الطاق، وصلى عليه ست مرات من كثرة الزحام آخرهم صلى عليه ابنه حماد، وغسله الحسن بن عمارة و رجل آخر، قلت: وزرت قبره غير مرة انتهى . قلت: ذكره الذهبي و ابن ناصر الدين في طبقات الحفاظ انتهى ما ذكره البدخشي .

ورأيت من هذا الكتاب نسخة خطية في خزانة الكتب بدار العلوم لندوة العلماء لكنؤ بالهند .

وقد عقد الشيخ العلامة الثقة المطلع والحافظ المتبع الشيخ الإمام شمس الدين محمد بن يوسف الصالحى الدمشقي الشافعي مؤلف "السيرة الشامية" في كتابه "عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان" الباب الثالث والعشرين في "بيان كثرة حديثه، وكونه من أعيان الحفاظ من المحدثين" قال فيه رحمه الله تعالى:

"إعلم رحمك الله تعالى أن الإمام أبا حنيفة رحمه الله

تعالى، من كبار حفاظ الحديث، وذكره الحافظ الناقد أبو عبد الله

الذهبي في كتابه "الممتع" و"طبقات الحفاظ المحدثين" منهم،

ولقد أصاب وأجاد، ولولا كثرة اعتناؤه بالحديث ما تهيأ له استنباط مسائل الفقه؛ فإنه أول من استنبطه من الأدلة (١).

وقال العلامة المحدث إسماعيل العجلوني بن محمد جراح، في رسالته المسماة "عقد الجواهر الثمين في أربعين حديثاً من أحاديث سيد المرسلين" وهي ثبته المعروف بـ "الرسالة العجلونية" ما نصه:

"وزدت على ما فيها "مسند الإمام أبي حنيفة النعمان، تنويهاً بأنه من أهل هذا الشأن".

ثم علق على قوله: "الإمام أبي حنيفة النعمان" بالهامش ما نصه:

"هو إمام الأئمة، هادي الأمة، أبو حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي، ولد سنة ثمانين، وتوفاه الله تعالى سنة مائة وخمسين من الهجرة.

أحد من عدد من التابعين، إمام المجتهدين بلا نزاع، أول من فتح باب الاجتهاد بالإجماع، لا يشك من وقف على فقهه، وفروعه، في سعة علومه، وجلالة قدره، وأنه كان أعلم الناس بالكتاب والسنة، لأن الشريعة إنما تؤخذ من الكتاب والسنة. ومن كان قليل البضاعة من الحديث فيتعين عليه طلبه، وتحمله، والجد، والتشمير في ذلك، ليأخذ الدين من أصول صحيحة، ويتلقى الأحكام عن صاحبها المبلغ لها.

وقد أجمع الناقلون عنه من أهل الأصول وأهل الحديث أنه "يقدم الحديث الصحيح على القياس المعتبر، نعم لم يكن هو - رضي الله عنه - من المكثرين كسائر الأئمة، وليس من شروط الإمامة والاجتهاد الإكثار في الرواية، لأن الاجتهاد

(١) عقود الجمان، طبع حيدرآباد الدكن بالهند سنة ١٣٩٤هـ ص ٣١٩.

إنما يتوقف على حفظ السنن، وتحملها، لا على أدائها وتبليغها، فالصديق رضي الله عنه، إمام الصحابة، وأفقهم، وأحفظهم لا يشك فيه مسلم لم يكثر، وإنما روى أحاديث معدودة . وإمام المحدثين بالإجماع إمام الأئمة، وإمام دار الهجرة مالك رضي الله عنه، لم يصح عنده إلا ما في "كتاب المؤطا"، فهل يقول قائل فيه شيئاً ونحن لا ننكر أن في السنن سنناً لم تبلغ الإمام أبا حنيفة، أو بلغت ولم تثبت عنده صحتها، لكن هذا أمر لا يمس شأن المجتهد، وقد كان عمر رضي الله عنه، يرى رأياً ثم تبلغه السنة فيرجع، مع أنه ثبت عند أهل العلم بالأثر أن عمر أفقه الصحابة .

ثم الطاعنون فيه كانوا يُقرُّون بإمامته، وتقدمه من حيث لا يدرون كانوا يرمونه بالرأي - وليس الرأي في سلفنا إلا قوة الاطلاع على معاني النصوص الشرعية، وعلى الحكم المعتمدة من عند الشارع في شرعه الأحكام، ولن يتم اجتهاد، بل ولا علم إلا بالحفظ، وفقه معاني المحفوظ .

فهو- رضي الله عنه - حافظ، حجة، فقيه، لم يكثر في الرواية، لما شدد في شروط الرواية، والتحمل، وشروط القبول . اهـ (١) .

فثبت أن الإمام أبا حنيفة رضي الله عنه أحد أئمة الأمصار الذين هم من أهل هذا الشأن، ومن أعيان حفاظ الحديث الذين لا يسع من يشتغل بعلم الحديث الجهل بهم، والإعراض عنهم، ومن كبار معدلي حملة العلم النبوي، ومن يرجع إلى اجتهادهم في التوثيق، والتجريح، والتضعيف، والتصحيح وأعلم الناس بالكتاب والسنة .

كان أبو حنيفة من أئمة الجرح والتعديل

وقال الحافظ العلامة أبو العباس تقي الدين أحمد بن عبد الحليم المعروف بابن تيمية رحمه الله تعالى:

"وكلام يحيى بن معين، والبخاري، ومسلم، وأبي حاتم، وأبي زرعة، والنسائي، وأبي أحمد بن عدي، والدارقطني، وأمثاله، في الرجال، وصحيح الحديث، وضعيفه، هو مثل كلام مالك، والثوري، والأوزاعي، والشافعي، وأمثالهم في الأحكام، ومعرفة الحلال والحرام . وفي الأئمة من هو إمام مع هؤلاء وهؤلاء، مشارك للطائفتين، وإن كان بأحد الصنفين أجدر .

وأكثر أئمة الحديث والفقه كمالك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق ابن راهويه، وأبي عبيد، وكذلك الأوزاعي، والثوري، والليث، هؤلاء، وكذلك لأبي يوسف صاحب أبي حنيفة، ولأبي حنيفة أيضاً ماله من ذلك، ولكن لبعضهم في الإمامة في الصنفين ما ليس للآخر، وفي بعضهم من صنف المعرفة بأحد الصنفين ما ليس في الآخر، فرضي الله عن جميع أهل العلم والإيمان . اهـ (١) .

وقال إمام الحفاظ: الجهمي الناقد شمس الدين الذهبي:

فأول من زكى وجرح عند انقراض عصر الصحابة:

١- الشعبي

٢- وابن سيرين، ونحوهما حفظ عنهم توثيق أناس

(١) تلخيص كتاب الاستغاثة المعروف بالرد على البكري طبع مصر، ص ١٣، ١٤ .

وتضعيف آخرين .

وسبب قلة الضعفاء في ذلك الزمان: قلة متبوعيهم من الضعفاء، إذ أكثر المتبوعين صحابة عدول، وغير الصحابة من المتبوعين أكثرهم ثقات، يعون ما يروون، وهم كبار التابعين. فيوجد فيهم الواحد بعد الواحد فيه مقال، كالحارث الأعور، وعاصم بن ضمرة، ونحوهما .

نعم فيهم عدة من رؤوس أهل البدع، من الخوارج، والشيعية، والقدرية، نسأل الله العافية، كعبد الرحمن بن ملجم، والمختار بن أبي عبيد الكذاب، ومعبد الجهني، ثم كان في المائة الثانية في أوائلها جماعة من الضعفاء من أوساط التابعين وصغارهم، ممن تكلم فيهم من قبل حفظهم، أو لبدعة فيهم، كعطية العوفي، وفرقد السبخي، وجابر الجعفي، وأبي هارون العبدى .

فلما كان عند انقراض عامة التابعين في حدود الخمسين ومائة، تكلم طائفة من الجهابذة في التوثيق والتضعيف .
٣- فقال أبو حنيفة: مارأيت أكذب من جابر الجعفي .

٤- وضعف الأعمش جماعة، ووثق آخرين .

٥- وانتقد الرجال شعبة .

٦- ومالك (١) .

(١) " ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل " (ص ١٥٩ حتى ١٦٢) طبع مع قاعدة في الجرح والتعديل طبع المكتبة العلمية بـلاهور سنة ١٤٠٢ هـ بتحقيق العلامة المحقق الناقد المحدث الأستاذ عبد الفتاح أبو غدة نفع الله به .

وقال الحافظ أبو الخير محمد بن عبد الرحمن السخاوي صاحب الحافظ
ابن حجر العسقلاني:

"وتكلم في الرجال - كما قاله الذهبي - جماعة من
الصحابة، ثم من التابعين كالشعبي، وابن سيرين، ولكنه في
التابعين بقلة، لقلة الضعف في متبوعهم، إذ أكثرهم صحابة
عدول، وغير الصحابة من المتبوعين أكثرهم ثقات،
ولا يكاد يوجد في القرن الأول الذي انقرض في الصحابة،
وكبار التابعين ضعيف إلا الواحد بعد الواحد،
كالخارث الأعور، والمختار الكذاب .

فلما مضى القرن الأول، ودخل الثاني، كان في أوائله
من أوساط التابعين جماعة من الضعفاء الذين ضعفوا غالباً من
قبل تحملهم، وضبطهم للحديث، فتراهم يرفعون الموقوف،
ويرسلون كثيراً، ولهم غلط كأبي هارون العبدى .

فلما كان عند آخر عصر التابعين وهو حدود الخمسين
ومائة، تكلم في التوثيق والتضعيف طائفة من الأئمة . فقال
أبو حنيفة: "ما رأيت أكذب من جابر الجعفي" وضعف
الأعمش جماعة، ووثق آخريين، ونظر في الرجال شعبة،
وكان متشبهاً لا يكاد يروي إلا عن ثقة . وكذلك
مالك. اهـ (١) .

وقال الإمام العلامة الحافظ عبد القادر القرشي رحمه الله تعالى:

"إعلم: أن الإمام أبا حنيفة قد قبل قوله في الجرح
والتعديل، وتلقاه عنه علماء هذا الفن وعملوا به، كتلقيهم

(١) فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للسخاوي . ص ٤٧٩ ، طبع مطبعة أنوار

محمدي ، لكهنو بالهند .

عن الإمام أحمد، والبخاري، وابن معين، وابن المديني، وغيرهم من شيوخ الصنعة . وهذا يدل على عظمة شأنه، وسعة علمه، وسيادته .

فمن ذلك ما رواه الترمذي رحمه الله تعالى في "كتاب العلل" من "الجامع الكبير": حدثنا محمود بن غيلان، عن يحيى الحماني، سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أكذب من جابر الجعفي، ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح .

ورويانا في "المدخل لمعرفة دلائل النبوة" للبيهقي الحافظ بسنده عن عبد الحميد الحماني، سمعت أبا سعد الصفاني، وقام إلى أبي حنيفة، فقال: يا أبا حنيفة ما تقول في الأخذ عن الثوري ؟ قال: اكتب عنه فإنه ثقة ما خلا أحاديث أبي إسحاق عن الحارث، وحديث جابر الجعفي .

وقال أبو حنيفة: طلق بن حبيب كان يرى القدر . وقال أبو حنيفة: زيد بن عياش ضعيف . وقال سويد بن سعيد، عن سفيان بن عيينة قال: أول من أقعدني للحديث أبو حنيفة، قدمت الكوفة فقال أبو حنيفة: إن هذا أعلم الناس بحديث عمرو بن دينار، فاجتمعوا عليّ، فحدثتهم، وقال يعقوب بن شيبه: كلام رقة بن مصقلة الذي يحدثه سفيان بن عيينة عن أبي حنيفة . قال يعقوب: فعرفه ابن المديني، وقال: لم أجده عندي، وقال أبو سليمان الجوزجاني: سمعت حماد بن زيد يقول: ما عرفنا كنية عمرو بن دينار إلا بأبي حنيفة، كنا في المسجد الحرام، وأبو حنيفة مع عمرو بن دينار فقلنا له: يا أبا حنيفة ! كلمه يحدثنا، فقال: يا

أبا محمد حدثهم، ولم يقل يا عمرو... وقال أبو حنيفة: لعن الله عمرو بن عبيد فإنه فتح للناس باباً إلى علم الكلام. وقال أبو حنيفة: قاتل الله جهم بن صفوان، ومقاتل بن سليمان، هذا أفرط في النفي وهذا أفرط في التشبيه.

قال الطحاوي: حدثنا سليمان بن شعيب حدثنا أبي قال أُملاً علينا أبو يوسف قال قال أبو حنيفة لا ينبغي للرجل أن يحدث من الحديث إلا بما حفظه من يوم سمعه إلى يوم يحدث به.

قلت: سمعت شيخنا العلامة الحجة زين الدين بن الكناني في درس الحديث بالقبة المنصورية وكان أحد سلاطين العلماء ينصر هذا القول وسمعتة يقول في هذا المجلس: لا يحل لي أن أروى إلا قوله ﷺ: أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب فإني حفظته من حين سمعته إلى الآن.

قلت: ولكن أكثر الناس على خلاف ذلك ولهذا قلت رواية أبي حنيفة لهذه العلة لا لعلة أخرى زعمها المتحملون عليه.

وقال أبو عاصم: سمعت أبا حنيفة يقول: القراءة جائزة، يعني عرض الكتب. قال وسمعت ابن جريج يقول: هي جائزة يعني عرض الكتب.

قال وسمعت مالك بن أنس وسفيان وسألت أبا حنيفة عن الرجل يقرأ عليه الحديث يقول أخبرنا أو كلاماً هذا معناه فقالوا: لا بأس.

وعن أبي عاصم أخبرني ابن جريج وابن أبي ذئب وأبو حنيفة ومالك بن أنس والأوزاعي والثوري كلهم يقولون

لا بأس إذا قرأت على العالم أن تقول : أخبرنا .

وقال أبوقطن فيما رواه الطحاوي قال لي أبو حنيفة : اقرأ علىّ وقل حدثني . وقال لي مالك اقرأ علىّ وقل حدثني .

قال الطحاوي حدثنا روح بن الفرغ أنا ابن بكير قال لما فرغنا من قراءة الموطأ على مالك قام إليه رجل فقال : يا أبا عبد الله ! كيف تقول في هذا ؟ فقال : إن شئت فقل سمعت .

قال الطحاوي : ومن قال بهذا أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد .

وقال أبو حنيفة : لم يصح عندي أن رسول الله ﷺ لبس السراويل فأفتى به (١)

قلت : وقال ابن حبان في صحيحه :

"أخبرنا الحسين بن عبد الله بن يزيد القطان بالرقعة ، قال : حدثنا أحمد بن أبي الخواري ، قال : سمعت أبا يحيى الحماني ، قال : سمعت أبا حنيفة يقول : ما رأيت فيمن لقيت أفضل من عطاء ، ولا لقيت فيمن لقيت أكذب من جابر الجعفي ، ما أتيت به شيء قط من رأيي إلا جاءني فيه بحديث ، وزعم أن عنده كذا وكذا ألف حديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ينطق بها ، فهذا أبو حنيفة يجرح جابر الجعفي ويكذبه (٢) .

وقال الحافظ أبو أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني في ترجمة جابر بن

يزيد الجعفي من كتابه "الكامل في الضعفاء" :

"حدثنا الحسين بن عبد الله القطان ثنا أحمد بن أبي الخواري ، سمعت أبا يحيى الحماني يقول : سمعت أبا حنيفة يقول : ما رأيت فيمن رأيت أفضل من عطاء ، ولا لقيت

(١) الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية ، ج ١ ص ٣٠ و ٣١ و ٣٢ الطبعة الأولى .

(٢) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان : ج ٣ ، ص ٢٧٣ .

فيمن لقيت أكذب من جابر الجعفي، ما أتيت قط بشئ من رواياته إلا جاءني فيه بحديث، وزعم أن عنده كذا وكذا ألف حديث عن رسول الله ﷺ لم يظهرها.

ثنا عبد الله بن محمد بن عبد العزيز، ثنا محمود بن غيلان، ثنا عبد الحميد الحماني، سمعت أبا سعد الصاغاني يقول: جاء رجل إلى أبي حنيفة فقال: ما ترى في الأخذ عن الثوري؟ فقال: اكتب عنه ما خلا حديث أبي إسحاق عن الحارث عن علي، وحديث جابر الجعفي.

سمعت عبد الله يقول: قال عبد الحميد الحماني، عن أبي حنيفة قال: ما رأيت أكذب من جابر.

ثنا ابن أبي بكر، ثنا عباس، وثنا ابن حماد، قال: قال عباس: ثنا عبد الحميد بشمين عن أبي حنيفة: قال: ما رأيت أحدا أكذب من جابر الجعفي (١).

وقال الحافظ أبو عمرو يوسف ابن عبد البر القرطبي في "جامع بيان العلم وفضله":
 "وقد كان أبو حنيفة وهو أقعد الناس بحماد يفضل عطاء عليه (على حماد)، أخبرنا حكم بن منذر قال أخبرنا يوسف بن أحمد قال: حدثنا أبو رجاء محمد بن حماد المقرئ قال حدثنا عمر بن شبة قال حدثنا أبو عاصم الضحاك بن مخلد قال سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أفضل من عطاء بن أبي رباح. وأخبرنا حكم قال حدثنا يوسف قال حدثنا أبو عبد الله محمد بن خيران الفقيه العبد الصباح قال حدثنا شعيب بن أيوب سنة ستين ومائتين قال سمعت أبا يحيى الحماني يقول: سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أحدا أفضل من عطاء بن

(١) الكامل لابن عدي، ج ٢ ص ٥٣٧ طبع «المكتبة الأثرية» بباكستان.

أبي رباح ولا رأيت أحدا أكذب من جابر الجعفي^(١).
وقال البيهقي في "كتاب القراءة خلف الإمام":

"ولولم يكن في جرح جابر الجعفي إلا قول أبي حنيفة رحمه الله
لكفاه به شرا، فإنه رآه، وجربته، وسمع منه ما يوجب تكذيبه
فأخبر به".

أخبرنا أبوسعده الماليني، أنا أبوأحمد بن عدي الحافظ،
نا الحسين بن عبد الله القطان، نا أحمد بن أبي الحواري قال:
سمعت أبا يحيى الحماني يقول: سمعت أبا حنيفة يقول: ما
رأيت فيمن رأيت أفضل من عطاء، ولا لقيت فيمن لقيت
أكذب من جابر الجعفي، ما أتيت به شيء قط من رأيي إلا
جاءني فيه بحديث، وزعم أن عنده كذا وكذا ألف حديث
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يظهرها.

وأخبرنا أبوسعده، أنا أبوأحمد، أنا عبد الله بن محمد
بن عبد العزيز، نا محمود بن غيلان، نا عبد الحميد الحماني قال:
سمعت أبا سعد الصاغاني يقول: جاء رجل إلى أبي حنيفة
فقال: ما ترى في الأخذ عن الثوري، فقال: اكتب عنه ما
خلا حديث أبي إسحاق عن الحارث عن علي، وحديث جابر
الجعفي.

أخبرنا أبوعبد الله الحافظ قال: سمعت أبا العباس محمد
بن يعقوب يقول: سمعت العباس بن محمد الدوري
يقول: سمعت أبا يحيى الحماني يقول: سمعت أبا حنيفة
يقول: ما رأيت فيمن رأيت أكذب من جابر الجعفي^(٢).

(١) ج ٢، ص ١٥٣ طبع المكتبة العلمية بالمدينة المنورة.

(٢) كتاب القراءة خلف الإمام للبيهقي، ص ١٠٨ و ١٠٩، طبع دلهي عاصمة الهند سنة ١٩١٥ م.

وروى الحاكم في "تاريخ نيسابور" في ترجمة أحمد بن عباس بن حمزة الواعظ من طريق أبي مسهر قال حدثنا سعيد بن عبد العزيز قال: كان أبو حنيفة يقول: أول من أسلم من الرجال أبو بكر، ومن النساء خديجة، ومن الصبيان علي^(١). ونقل الحافظ الذهبي في "تذكرة الحفاظ" في ترجمة عطاء بن أبي رباح:

"قال أبو حنيفة: ما رأيت أحداً أفضل من عطاء" (٢).

ونقل في ترجمة أبي الزناد، فقيه المدينة:

"وقال أبو حنيفة: رأيت ربيعة وأبا الزناد، وأبوالزناد أفقه الرجلين" (٣).

ونقل في ترجمة جعفر الصادق:

"وعن أبي حنيفة قال: ما رأيت أفقه من جعفر بن محمد" (٤).

وقال الإمام الحافظ المحدث البارع ترجمان العرب ولسان أهل الأدب أثير الدين محمد بن يوسف أبو حيان الغرناطي الظاهري في تفسيره المعروف بـ "البحر المحيط" ما نصه:

"وقال الثوري وأبو حنيفة ويحيى بن آدم: غلب حمزة الناس على القرآن والفرائض" (٥).

وعلى كل حال فإمامنا الإمام الأعظم أبو حنيفة النعمان رضي الله

(١) فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للسخاوي ص ٣٨٨.

(٢) ج ١ : ص ٩٨.

(٣) ج ١ : ص ١٣٥.

(٤) ج ١ : ص ١٦٦.

(٥) ج ٣ : ص ١٥٩ ، الطبعة الثانية بيروت سنة ١٤٠٣ هـ.

عنه من كبار أئمة الجرح والتعديل في عصره، ممن إذا قال قبل قوله، وإذا جرح أو عدل سمع منه، وكان متثبتاً لا يكاد يروي إلا عن ثقة، كشعبة ومالك رحمهما الله تعالى، وهو أول من انتقى الرجال من الأئمة، وأعرض عن ليس بثقة، ولم يكن يروي إلا ما صح، ولا يحدث إلا ما يحفظ وتبعه مالك . ولقد قال ملك المحدثين إمام الجرح والتعديل يحيى بن معين:

العلماء أربعة: الثوري، وأبو حنيفة، ومالك، والأوزاعي (١)

فهؤلاء القرناء في العلم، وأبو حنيفة ليس دون مالك في نقد الرجال، إن لم يكن فوقه، وهما الحافظان الحجتان فمن احتج به أبو حنيفة في "كتاب الآثار" أو مالك في "الموطأ" فهو المقبول، ومن اختلفا فيه - وذلك قليل جداً -، كزيد بن عياش اجتهد في أمره .

أبو حنيفة على شرط أصح الأسانيد

ويدل على جلالة أبي حنيفة في علم الحديث، وضبطه، وإتقانه، وصحة روايته، وعلومكاته أنه لما قال البخاري: أصح الأسانيد كلها مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما، وبنى على ذلك الإمام أبو منصور عبد القاهر بن طاهر التميمي: أن أجل الأسانيد، الشافعي، عن مالك عن نافع عن ابن عمر . اعترض عليه الشيخ الإمام العلامة الحافظ علاء الدين مغلطائي، بأن أبا حنيفة يروي عن مالك أحاديث فيما ذكره الدارقطني . انتهى . وأجاب عنه البلقيني في "محاسن الاصطلاح"

(١) البداية و النهاية للحافظ ابن كثير، ج " ١٠ ، ص : ١١٦ ، طبع مصر .

بقوله:

”فأما أبوحنيفة فهو وإن روى عن مالك كما ذكره الدارقطني، لكن لم تشتهر روايته عنه كاشتهار رواية الشافعي“ .

وقال العراقي:

”رواية أبي حنيفة عن مالك فيما ذكره الدارقطني في ”غرائب“ وفي ”المدح“ ليست من روايته عن نافع عن ابن عمر، والمسئلة مفروضة في ذلك . نعم ذكر الخطيب حديثاً كذلك في الرواة عن مالك“ .

وقال شيخ الإسلام ابن حجر العسقلاني:

أما اعتراضه بأبي حنيفة فلا يحسن، لأن أبا حنيفة لم تثبت روايته عن مالك، وإنما أوردها الدارقطني، ثم الخطيب لروايتين وقعتا لهما عنه، بإسنادين فيهما مقال. وأيضاً فإن رواية أبي حنيفة عن مالك، إنما هي فيما ذكره في المذاكرة، ولم يقصد الرواية عنه كالشافعي الذي لازمه مدة طويلة، وقرأ عليه الموطأ بنفسه. اهـ^(١).

فانظر يا - رعاك الله - هؤلاء الحفاظ الأئمة الأعلام لما ذكر الحفاظ مغلطائي الإمام أبا حنيفة في سلسلة أصح الأسانيد عن مالك عن نافع عن ابن عمر، لا يرمون أبا حنيفة بسوء الحفظ والضعف في الرواية ولا ينكرون جلالة في الحديث، ولا إتقانه في الرواية، وإنما ينكرون على مغلطائي إدخاله في هذه السلسلة لعدم اشتهار روايته عن مالك كاشتهار رواية

(١) تدريب الراوي، ص ٣٠، طبع الخيرية سنة ١٣٠٧ هـ.

الشافعي عنه، أولأنها وقعت في المذاكرة ولم يقصد أبوحنيفة الرواية عنه، أولأن روايته عنه ليست من روايته عن نافع، أولأنه لم تصح روايته عن مالك . فظهر من هذا إطباق هؤلاء الحفاظ الجهابذة أئمة النقد الإمام الحافظ مغلطائي، والإمام الحافظ البلقيني، والحافظ العراقي، وشيخ الإسلام ابن حجر العسقلاني والحافظ السيوطي على أن الإمام أبا حنيفة في جلالة قدره، وإتقانه في الحديث قرين مالك والشافعي و رحم الله الجميع .

ولو قال الإمام مغلطائي: إن من أصح الأسانيد، أبوحنيفة عن نافع عن ابن عمر لكان له وجه . ولا ريب أن من أصح الأسانيد أبوحنيفة، عن عطاء بن أبي رباح، عن ابن عباس، وهذا الإسناد ذكره الإمام عبد الوهاب الشعراني في "الميزان الكبرى"، كما ذكر إسناد مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهم .

وقال الحافظ الذهبي في ترجمة عبيدة السلماني من كتابه "سير أعلام النبلاء":

"قال أبو عمرو بن الصلاح: رويناه عن عمرو بن عليّ الفلاس، أنه قال: أصح الأسانيد ابن سيرين عن عبيدة، عن عليّ .

قلت: لا تفوق لهذا الإسناد مع قوته على إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، ولا على الزهري، عن سالم، عن أبيه، ثم إن هذين الإسنادين روى بهما أحاديث جمّة في الصحاح وليس كذلك الأول، فما في "الصحيحين" بعيدة عن عليّ سوى لحديث واحد اهـ (١) .

وقال في ترجمة علقمة بن قيس النخعي الكوفي:

”قال بعض الحفاظ، وأحسن: أصح الأسانيد منصور،
عن إبراهيم، عن علقمة، عن ابن مسعود. فعلى هذا،
أصح ذلك شعبة وسفيان، عن منصور، وعنهما يحيى
القطان وعبد الرحمن بن مهدي، وعنهما علي بن
المديني، وعنه أبو عبد الله البخاري، رحمهم الله. اهـ^(١)

وقال في ترجمة وكيع بن الجراح:

”قلت: أصح إسناد بالعراق وغيرها، أحمد بن حنبل،
عن وكيع، عن سفيان، عن منصور، عن إبراهيم، عن
علقمة، عن عبد الله، عن النبي ﷺ، وفي ”المسند“
بهذا السند عدة متون.

قال عبد الله بن هاشم: خرج علينا وكيع يومًا، فقال:
أي الإسنادين أحب إليكم: الأعمش، عن أبي وائل،
عن عبد الله. أو سفيان، عن منصور، عن إبراهيم،
(عن علقمة) عن عبد الله؟ فقلنا: الأعمش، فإنه
أعلى. فقال: بل الثاني، فإنه فقيه، عن فقيه، عن
فقيه، عن فقيه، والآخر شيخ عن شيخ. وحديث
يتداوله الفقهاء خير من حديث يتداوله الشيوخ
اهـ^(٢).

وقال في ترجمة عبد الله بن هاشم:

”الحاكم: حدثنا يحيى بن محمد العنبري، حدثنا
أحمد بن سلمة، حدثنا عبد الله بن هاشم، قال لنا
وكيع: أي الإسنادين أحب إليكم: الأعمش، عن

(١) سير أعلام النبلاء ج: ٤ ص ٦٠ و ٦١.

(٢) نفس المصدر ج: ٩ ص ١٥٨.

أبى وائل، عن عبد الله، أو سفيان، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله؟ فقلنا: الأول، فقال: الأعمش شيخ، وأبو وائل شيخ، وسفيان فقيه، ومنصور فقيه، وإبراهيم فقيه، وعلقمة فقيه. وحديث يتداوله الفقهاء خير مما يتداوله الشيوخ. قلت: بل والأعمش وشيخه لهما فقه، ومعرفة، وجلالة (١) اهـ.

قلت: فعلى هذا أصح أسانيد العراق وأجلها ما رواه أبو يوسف، ومحمد بن الحسن، عن الإمام الأعظم أبى حنيفة، عن حماد بن أبى سليمان، عن إبراهيم، عن علقمة، أو الأسود، عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ. فإن هؤلاء كلهم فقهاء نبلاء ولهم معرفة، وجلالة، بل أبو يوسف ومحمد أفقه وأجل من وكيع، وأبو حنيفة أفقه وأجل من سفيان والأعمش، وكذلك شيخه حماد أفقه من منصور.

وقال الحافظ ابن حجر في "شرح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر":

"وقد يقع في أخبار الآحاد المنقسمة إلى مشهور وعزيز وغريب ما يفيد العلم النظرى بالقرائن على المختار..... والخبر المحتف بالقرائن أنواع.

منها ما أخرجه الشيخان في صحيحيهما مما لم يبلغ حد التواتر.....

ومنها المشهور إذا كانت له طرق مباينة سالمة من ضعف الرواة والعلل.....

ومنها المسلسل بالأسنة الحفاظ المتقنين حيث لا يكون

(١) سير أعلام النبلاء ج: ١٢ ص ٣٢٨ و ٣٢٩.

غريباً كالحديث الذى يرويه أحمد بن حنبل مثلاً
ويشاركه فيه غيره عن الشافعى ويشاركه فيه غيره عن
مالك بن أنس فإنه يفيد العلم عند سامعه بالاستدلال
من جهة جلالة روايته، وأن فيهم من الصفات اللائقة
الموجبة للقبول ما يقوم مقام العدد الكثير من غيرهم،
ولا يتشكك من له أدنى ممارسة بالعلم وأخبار الناس أن
مالكاً مثلاً لو شافهه بخبر لعلم أنه صادق فيه، فإذا
انضاف إليه أيضاً من هو فى تلك الدرجة ازداد قوة،
وبعد عما يخشى عليه من السهو". اهـ ملخصاً.

قلت: فعلى هذا مارواه الإمام الليث بن سعد -ويشاركه فيه غيره-
عن الإمام أبى يوسف -ويشاركه فيه غيره- عن الإمام الأعظم أبى
حنيفة أو ما رواه الإمام الشافعى كذلك عن الإمام محمد بن الحسن
الشيبانى عن الإمام الأعظم أبى حنيفة يجرى فيه هذا الحكم فإنه أيضاً
محتف بالقرائن ومسلل بالأئمة الحفاظ المتقنين..

بل قد يرجح المسلسل بالأئمة على ما فى "الصحيحين" أيضاً قال ابن
حجر فى "شرح النخبة":

"قد يعرض للمفوق ما يجعله فائقاً كما لو كان
الحديث عند مسلم مثلاً وهو مشهور قاصر عن درجة
التواتر، لكن حفت قرينة صار بها يفيد العلم فإنه يقدم
على الحديث الذى يخرج به البخارى إذا كان فرداً
مطلقاً، وكما لو كان الحديث الذى لم يخرجاه من
ترجمة وصفت بكونها أصح الأسانيد كمالك عن نافع عن
ابن عمر فإنه يقدم على ما انفرد به أحدهما مثلاً
لا سيما إذا كان فى إسناده من فيه مقال" اهـ.

وبناء علي هذا أقول مارواه مالك عن نافع عن ابن عمر يُقدّم على الحديث الذي لم يخرجاه من ترجمة وصفت بكونها أصح الأسانيد، وكذلك يُقدّم ما رواه أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر أو عن عطاء بن أبي رباح، عن ابن عباس، أو عن شيخه حماد عن إبراهيم عن علقمة عن ابن مسعود.

إطباق الحفاظ الذين جمعوا رجال الكتب الستة على إسقاط الجرح في ترجمة أبي حنيفة

ثم قد أطبق الأئمة الحفاظ الذين جمعوا رجال الصحاح الستة ودوّنوا دواوينهم فيها على الثناء على أبي حنيفة رحمه الله تعالى والتبجيل والتعظيم المفرط له دون الخط عليه والطعن فيه بسوء الحفظ وكثرة الغفلة، بل يذكرون حفظه وجلالته في العلم ويذكرونه بكل خير، فهذا يدل على أنهم لا يبالون بطعن طاعن فيه أياً من كان . فهذا الإمام الحافظ المزي يوسف بن الزكي عبد الرحمن، أبو الحجاج جمال الدين محدث الشام العالم الحبر الحافظ الأوحد الدمشقي الشافعي عمل كتاب "تهذيب الكمال" وذكر فيه ترجمة الإمام أبي حنيفة، فأطال فيها، وكل ما نقله الحافظ السيوطي في "تبييض الصحيفة" معزواً إلى الخطيب إنما هو منقول من كتابه "تهذيب الكمال" .

وعامة ما ذكر في "تهذيب الكمال" من أقوال أئمة الجرح والتعديل، فهو منقول من "كتاب الجرح والتعديل" لابن أبي حاتم، و"الكامل" لابن عدي و"تاريخ بغداد" للخطيب و"تاريخ دمشق" لابن عساكر . وجدير بالذكر أن الإمام المزي لم يذكر في كتابه "تهذيب الكمال" شيئاً يفض

من جلالة الإمام أبي حنيفة النعمان أو يحط من قدره، فله دره، ما أدق نظره، وكيف لا ! وقد قال الذهبي في حقه:

"وأما معرفة الرجال فهو حامل لوائها، والقائم بأعبائها، لم تر العيون مثله" (١).

وقد أثنى الحافظ الذهبي على صنيعه هذا في "تذهيبه" في ترجمة أبي حنيفة، قائلاً:

"قلت: قد أحسن شيخنا أبو الحجاج حيث لم يورد شيئاً يلزم منه التضعيف" اهـ .

قلت: بل نقل في "تهذيب الكمال" توثيقه عن إمام الصنعة سيد الحفاظ يحيى بن معين رحمه الله تعالى، حيث قال:

"قال محمد بن سعد العوفي: سمعت يحيى بن معين يقول: كان أبو حنيفة ثقةً لا يحدث بحديث إلا بما يحفظه، ولا يحدث بما لا يحفظ . وقال صالح بن محمد الأسدي الحافظ: سمعت يحيى بن معين يقول: كان أبو حنيفة ثقةً في الحديث، وقال أحمد بن محمد ابن القاسم بن محرز: عن يحيى بن معين: كان أبو حنيفة لا بأس به، وقال مرة: كان أبو حنيفة عندنا من أهل الصدق، ولم يتهم بالكذب .

هذا، وقد صرح الحافظ المزي في مقدمة "تهذيب الكمال" بقوله:

"وما لم يذكر إسناده فيما بيننا وبين قائله، فما كان من ذلك بصيغة الجزم، فهو إما لا نعلم بإسناده عن قائله المحكي ذلك عنه بأساً، وإما كان منه بصيغة التمرّض

(١) تذكرة الحفاظ ، ص ١٤٩٨ ، الطبعة الثالثة، سنة ١٣٧٧ هـ بالهند .

فربما كان في إسناده إلى قائله ذلك نظر“ .

وثبت من هذا التصريح أن توثيق أبي حنيفة الإمام عن ابن معين صحيح ثابت، لا شك فيه .

ثم تلاه الإمام الحافظ أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي في كتابه ”تذهيب تهذيب الكمال“، فقال:

”(ت، س) النعمان بن ثابت بن زوطا، الإمام أبو حنيفة الكوفي، فقيه العراق، وإمام أصحاب الرأي، قيل إنه من أبناء فارس، وولاءه لبني تيم بن ثعلبة، رأى أنساً رضي الله عنه .

وروى عن عطاء بن أبي رباح، ونافع، وعدي بن ثابت، وعبد الرحمن بن هرمز الأعرج، وعكرمة، ومحارب بن دثار، وعلقمة بن مرثد، وسلمة بن كهيل، وحماد بن أبي سليمان، والحكم بن عتيبة، وأبي جعفر الباقر، وقتادة، وعمرو بن دينار، وخلق سواهم . وقيل إنه روى عن الشعبي وطاووس .

وعنه ابنه حماد، وحمزة الزيات، وداود الطائي، وزفر بن الهذيل، ونوح بن أبي مریم، وأبويوسف القاضي، ومحمد بن الحسن، وابن المبارك، وأبويحيى الحماني، ووکیع، وحفص بن عبد الرحمن البلخي، وسعد بن الصلت، وأبونعيم، وأبو عبد الرحمن المقرئ، والحسن بن زياد اللؤلؤي، وأبو عاصم النبيل، وعبد الرزاق، وعبيد الله بن موسى، وخلق كثير .

قال أحمد العجلي: هومن رهط حمزة الزيات، وكان

خزازاً يبيع الخبز . وقال محمد بن إسحاق البكائي ، عن
عمر بن حماد بن أبي حنيفة قال : زوطى من أهل
كابل ، وولد ثابت على الإسلام ، وكان أبوحنيفة
خزازاً ، ودكانه معروف في دار عمرو بن حريث ،
وقيل : أصله من نساء ، وقيل : من ترمذ .

وعن إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة قال : أنا
إسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن
المرزبان ، من أبناء فارس الأحرار ، والله ما وقع علينا
رق . ولد جدي في سنة ثمانين ، وذهب ثابت إلى علي
رضي الله عنه ، وهو صغير ، فدعا له بالبركة فيه ، وفي
ذريته ، وأبوه النعمان هو الذي أهدى لعللي يوم
النيروز ، فقال : نوروزنا كل يوم .

قال صالح بن محمد جزرة وغيره : سمعنا يحيى بن
معين يقول : أبوحنيفة ثقة في الحديث . وروى
أحمد بن محمد بن محرز عن ابن معين : لا بأس به .
لقد ضربه ابن هبيرة على أن يكون قاضياً فأبى ، قال
ابن كأس النخعي : ثنا جعفر بن محمد بن حازم ثنا
الوليد بن حماد عن الحسن بن زياد عن زفر بن
الهديل : سمعت أبا حنيفة قال : كنت أنظر في الكلام
حتى بلغت فيه (مبلغاً يشار إلى فيه بالأصابع) ^(١) ،
وكنا نجلس بالقرب من حلقة حماد بن أبي سليمان ،
فجاءتني امرأة فقالت : رجل له امرأة أمة أراد أن
يطلقها للسنة كم يطلقها ؟ فلم أدر ما أقول ، فأمرتها

(١) ما بين القوسين سقط في الأصل وزدناه من تهذيب الكمال .

أن تسأل حماداً ثم ترجع فتخبرني، فسألته فقال: يطلقها وهي طاهر من الحيض والجماع تطليقة، ثم يتركها حتى تحيض حيضتين، فإذا اغتسلت فقد حلت للأزواج، فرجعت وأخبرتني، فقلت: لا حاجة لي في الكلام، وأخذت نعلي، وجلست إلى حماد، فكنت أسمع مسأله، وأحفظ قوله، ثم يعيدها من الغد فأحفظها ويحطئ أصحابه، فقال: لا يجلس في صدر الحلقة بحدائي إلا أبو حنيفة، فصحبته عشر سنين ثم نازعتني نفسي للطلب للرياسة، فأحببت أن أعتزله وأجلس في حلقة لنفسي، فخرجت يوماً بالعشي وعزمني أن أفعل، فلما دخلت المسجد فرأيت له لم تطب نفسي أن أعتزله، فجئت فجلست معه، فجاءه في تلك الليلة نعي قرابة له بالبصرة وترك مالا وليس له وارث غيره، فأمرني أن أجلس مكانه، فما هو إلا أن خرج، حتى وردت عليّ مسائل لم أسمعها منه . فكنت أجيب، وأكتب جوابي، فغاب شهرين، ثم قدم، فعرضت عليه المسائل، وكانت نحواً من ستين مسألة، فخالفتني في عشرين منها، فآليت أن لا أفارقه حتى يموت .

وقال محمد بن مزاحم: سمعت ابن المبارك يقول: لولا أن الله أغاثني بأبي حنيفة وسفيان كنت كسائر الناس . وقال سليمان بن أبي شيخ: حدثني جبر بن عبد الجبار قال: قيل للقاسم بن معن المسعودي: ترضى أن تكون من غلمان أبي حنيفة قال: ما جلس

الناس إلى أحد أنفع من مجالسة أبي حنيفة. وقال
أحمد بن الصباح: سمعت الشافعي يقول: قيل لمالك:
هل رأيت أبا حنيفة؟ قال: نعم رأيت رجلاً لو كلمك
في هذه السارية أن يجعلها ذهباً لقام بحجته. وعن
روح قال: كنت عند ابن جريج سنة خمسين ومائة
فأتاه نعي أبي حنيفة فاسترجع وتوجع وقال: أي علم
ذهب. وقال ضرار بن صرد: سئل يزيد بن هارون:
أيما أفقه أبوحنيفة أو سفيان؟ قال: سفيان أحفظ
للحديث، وأبوحنيفة أفقه. وعن ابن المبارك قال: ما
رأيت في الفقه مثل أبي حنيفة. وعنه قال: إذا
اجتمع سفيان وأبوحنيفة فمن يقوم لهما على فتيا؟
وقال أبو عروبة: سمعت سلمة بن شبيب، سمعت عبد
الرزاق، سمعت ابن المبارك يقول: إن كان أحد ينبغي
أن يقول برأيه فأبوحنيفة. وروى جندل بن والق
حدثني محمد بن بشر قال: كنت أختلف إلى أبي حنيفة
وإلى سفيان، فأتى أبا حنيفة فيقول: من أين جئت؟
فأقول من عند سفيان، فيقول: لقد جئت من عند
رجل لو أن علقمة والأسود حضرا لاحتاجا إلى مثله،
فأتى سفيان فيقول: من أين جئت؟ فأقول: من عند
أبي حنيفة، فيقول: لقد جئت من عند أفقه أهل
الأرض. وروي بكر بن يحيى بن زبان عن أبيه قال
لي أبوحنيفة: يا أهل البصرة أنتم أروع منا ونحن أفقه
منكم. وعن شداد بن حكيم قال: ما رأيت أعلم من
أبي حنيفة. وعن مكى بن إبراهيم قال: كان

أبوحنيفة أعلم أهل زمانه . وقال يحيى بن معين: سمعت يحيى بن سعيد القطان يقول: لا نكذب الله ما سمعنا أحسن من رأي أبي حنيفة، وقد أخذنا بأكثر أقواله، وقال الربيع وغيره عن الشافعي قال: الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة . وقال أبو الفضل عباس بن عزيز القطان ثنا حرمة سمعت الشافعي يقول: الناس عيال على هؤلاء، فمن أراد أن يتبحر في الفقه فهو عيال على أبي حنيفة، ومن أراد أن يتبحر في المغازي فهو عيال على ابن إسحاق، ومن أراد أن يتبحر في التفسير فهو عيال على مقاتل بن سليمان، ومن أراد أن يتبحر في الشعر فهو عيال على زهير بن أبي سلمى، ومن أراد أن يتبحر في النحو فهو عيال على الكسائي .

وروى حماد بن قريش عن أسد بن عمرو قال: صلى أبوحنيفة فيما حفظ عليه صلاة الفجر بوضوء العشاء أربعين سنة، وكان عامة الليل يقرأ جميع القرآن في ركعة واحدة، وكان يسمع بكأؤه بالليل حتى يرحمه جيرانه، وحفظ عليه أنه ختم القرآن في الموضع الذي توفي فيه سبعين ألف مرة .

قلت: هذه حكاية منكورة، وفي روايتها من لا يعرف، رواها عبد الله بن محمد بن يعقوب الحارثي البخاري الفقيه ثنا أحمد بن الحسين البلخي ثنا حماد فذكرها . قال الحارثي أيضاً: وحدثنا قيس بن أبي قيس، ثنا محمد بن حرب المروزي، ثنا إسماعيل بن حماد بن

أبي حنيفة عن أبيه: قال: لما مات أبي سألنا الحسن بن
عمار أن يتولى غسله ففعل، فمما غسله قال: رحمك
الله وغفرلك، لم تفطر منذ ثلاثين سنة، ولم تتوسد
يمينك بالليل منذ أربعين سنة، وقد أتعبت من بعدك،
وفضحت القراء. وروى بشر بن الوليد عن أبي
يوسف قال: بينما أنا أمشي مع أبي حنيفة إذ سمعت
رجلاً يقول لرجل: هذا أبوحنيفة، لا ينام الليل،
فقال: والله لا يتحدث عني بما لم أفعل، فكان يحيي
الليل صلاةً ودعاءً وتضرعاً. وقال محمد بن علي بن
عفان: ثنا علي بن حفص البزار سمعت حفص بن
عبد الرحمن، سمعت مسعراً يقول: دخلت المسجد ليلة
فرايت رجلاً يصلي فقرأ سبعا فقلت: يركع ثم قرأ
الثلاث ثم النصف، فلم يزل يقرأ حتى ختم في ركعة،
فنظرت فإذا هو أبوحنيفة. وعن خارجة بن مصعب
قال: ختم القرآن في ركعة أربعة، عثمان وقيم
الداري، وسعيد بن جبير، وأبوحنيفة. وعن يحيى
بن نصر قال: (أبوحنيفة) ^(١) ربما ختم القرآن في
رمضان ستين ختمة، وقال سليمان بن الربيع ثنا حبان
بن موسى سمعت ابن المبارك يقول: قدمت الكوفة
فسألت عن أورع أهلها فقالوا: أبوحنيفة. قال
سليمان: فسمعت مكي بن إبراهيم يقول: جالست
الكوفيين فما رأيت فيهم أورع من أبي حنيفة. وقال
حامد بن آدم سمعت ابن المبارك يقول: ما رأيت
أحداً أورع من أبي حنيفة، قد جرب بالسياط

(١) سقط من الأصل "أبو حنيفة" فزدناه من تهذيب الكمال.

والأموال .

وعن عبيد الله بن عمر الرقي قال: كلم ابن هبيرة
أبا حنيفة أن يلي قضاء الكوفة فأبى فضربه مائة سوط
وعشرة أسواط، في كل يوم عشرة أسواط، ثم خلاه،
وقال سليمان بن أبي شيخ: حدثني الربيع بن عاصم
قال: أرسلني يزيد بن عمر بن هبيرة، فأتيته
بأبي حنيفة، فأرادته على بيت المال، فأبى، فضربه
أسواطاً. وعن مغيث بن بديل قال: قال خارجة بن
مصعب: أجاز المنصور أبا حنيفة بعشرة آلاف درهم
فدعى ليقبضها، فشاورني وقال: هذا رجل إن رددتها
عليه غضب، فقلت: إن هذا المال عظيم في عينه فإذا
دعيت لتقبضها فقل: لم يكن هذا أُملي من أمير
المؤمنين، فدعى ليقبضها فقال: ذلك، فرجع إليه خبره
فحبس الجائزة . قال محمد بن عبد الملك الدقيقي:
سمعت يزيد بن هارون يقول: أدركت الناس فما
رأيت أحداً أعقل ولا أروع ولا أفضل من أبي حنيفة.
وقال محمد بن عبد الله الأنصاري: كان أبوحنيفة
يتبين عقله في منطقته ومشيه ومدخله ومخرجه . وقال
سهل بن عثمان: ثنا إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة
قال: كان لنا جار طحان رافضي له بغلان سمى
أحدهما أبابكر والآخر عمر، فرمحه ذات ليلة أحدهما
فقتله، فقال أبوحنيفة: انظروا الذي رمحه الذي سماه
عمر ؟ فنظروا فكان ذلك . وقال يعقوب بن شيبه:

أُملى عليّ بعض أصحابنا أبياتاً لابن المبارك:

رأيت أبا حنيفة كل يوم	يزيد نبالة و يزيد خيراً
و ينطق بالصواب و يصطفيه	إذا ما قال أهل الجور جوراً
يقايس من يقايسه بلب	فمن ذا تجعلون له نظيراً
كفانا فقد حماد و كانت	مصيبتنا به أمراً كبيراً
فرد شماتة الأعداء عنا	وأبدى بعده علماً كثيراً
رأيت أبا حنيفة حين يؤتى	و يطلب علمه بحرّاً غزيراً
إذا ما المشكلات تدافعتها	رجال العلم كان بها بصيراً

روى نصر بن علي عن الخريبي قال: الناس في أبي حنيفة رحمه الله حاسد وجاهل، وأحسنهم عندي حالاً الجاهل . وقال يحيى بن أيوب: سمعت يزيد بن هارون يقول: أبوحنيفة رجل من الناس، خطأه كخطأ الناس وصوابه كصواب الناس .

توفي أبوحنيفة ببغداد، قال سعيد بن عفير وغيره: في رجب سنة خمسين ومائة، ومن قال: سنة إحدى وخمسين أو ثلاث وخمسين فقد وهم . وعن الحسن بن يوسف قال: صُلّي على أبي حنيفة ست مرات من كثرة الزحام .

روى له الترمذي في "العلل" قوله: "ما رأيت أفضل من عطاء، [قال عوص: وقد روى له النسائي في "سننه" الكبير في "باب من وقع على بهيمة" قال النسائي: أنا علي بن حجر قال: ثنا عيسى هو ابن يونس عن النعمان، يعني أبا حنيفة عن عاصم . هو ابن بهدلة

عن أبي رزين عن ابن عباس، قال: ليس على من أتى
البهيمة حد (١).

قلت: قد أحسن شيخنا أبو الحجاج حيث لم
يورد شيئاً يلزم منه التضعيف اهـ (٢).

فهذا ما ذكره الإمام، الحافظ، محدث العصر، وخاتمة
الحفاظ، ومؤرخ الإسلام، وفرد الدهر، والقائم بأعباء هذه الصناعة
شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قائماز التركماني ثم
الدمشقي رحمه الله تعالى في ترجمة أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

وقال الإمام الحافظ المؤرخ أبو المحاسن محمد بن علي بن الحسن
الحسيني في كتابه "التذكرة بمعرفة رجال العشرة" (٣) الكتب الستة والموطأ
ومسند أحمد، ومسند الشافعي ومسند أبي حنيفة:

"(فع، ا، ت، ن) (٤) النعمان بن ثابت التيمي،
أبو حنيفة الكوفي، فقيه أهل العراق، وإمام أصحاب
الرأي، وقيل إنه من أبناء فارس، رأى أنس بن مالك،
وروى عن حماد بن أبي سليمان، وعطاء، وعاصم بن

(١) وما بين المربعين ليس في الأصل وإنما هو بالهامش، و (قال عوص) أظنه
تحريف (قال ابن حجر) والله أعلم .

(٢) توجد من هذا الكتاب نسخة مصورة في خزانة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة
، وقد تفضل الأستاذ عبد القيوم السندي بإرسال هذه الترجمة ، جزاه الله تعالى
عني وعن سائر المسلمين خيراً .

(٣) وتوجد لهذا الكتاب نسخة على ميكرو فلم في الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة
تحت رقم ١٢٣، وقد تفضل الأستاذ العالم المقرئ مسعود أحمد السيد بإرسال ترجمة الإمام إلينا،
جزاه الله عني وعن سائر أهل الإسلام خيراً .

(٤) وهذه رموز لمن أخرج له، "فع" للشافعي، و"ا" لأحمد و"ت" للترمذي،
و"ن" للنسائي.

أبى النجود، والزهرى، وقتادة، وأبى الزبير، ومحمد بن المنكدر، وأبى جعفر الباقر، والشعبى، وخلق، وعنه ابنه حماد، ووكيع بن الجراح، وعيسى بن يونس، وعبد الرزاق، وأبو يوسف القاضى ومحمد بن الحسن، وزفر بن الهذيل، وخلق كثير.

قال العجلي: كوفى تيمى من رهط حمزة الزيات، وكان خزازاً يبيع الخبز، وقال محمد بن سعد العوفى: سمعت يحيى بن معين يقول: كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث من الحديث إلا بما يحفظه، ولا يحدث بما لا يحفظه، وقال مرة: كان من أهل الصدق ولم يتهم بالكذب.

ولقد ضربه ابن هبيرة على القضاء فأبى أن يكون قاضياً. وقال ضرار بن صرد: سئل يزيد بن هارون أيهما أفقه أبو حنيفة أو سفيان؟ فقال: سفيان أحفظ للحديث وأبو حنيفة أفقه، وقال ابن المبارك: ما رأيت فى الفقه مثله، إذا اجتمع سفيان وأبو حنيفة فمن يقوم لهما على فتيا، وقال مكى بن إبراهيم: كان أبو حنيفة أعلم أهل زمانه، وقد جالست الكوفيين فما رأيت فيهم أروع منه.

وقال ابن معين: سمعت يحيى القطان يقول: لا نكذب، الله ما سمعت أحسن من رأى أبى حنيفة، وقد أخذنا بأكثر أقواله. قال ابن معين: وكان يحيى ابن سعيد يذهب فى الفتوى إلى قول الكوفيين، ويختار قوله من أقوالهم ويتبع رأيه من بين أصحابه.

وقال الربيع سمعت الشافعي يقول: الناس عيال في الفقه على أبي حنيفة. كان أبو حنيفة ممن وفق له الفقه.

قال الربيع عن الشافعي: سئل أبو حنيفة عن الصائم يأكل ويشرب ويوطأ إلى طلوع الفجر وكان عنده رجل نبيل فقال: أ رأيت إن طلع الفجر نصف الليل؟ فقال: الزم الصمت يا أعرج.

وقال أبو يوسف بينا أنا أمشي مع أبي حنيفة إذ سمعت رجلاً يقول: هذا أبو حنيفة لا ينام الليل. فقال أبو حنيفة: والله لا يتحدث عني ما لم أفعل. فكان يحيي الليل صلاةً ودعاءً وتضرعاً.

قال أبو نعيم وجماعة ولد سنة ثمانين ومات سنة خمسين ومائة. وقال ابن معين: مات سنة إحدى وخمسين. وقال غيره: سنة ثلاث وخمسين ومائة.

أخبرنا الحافظ الحجة أبو الحجاج يوسف بن الزكي عبد الرحمن المزى بقراءتي عليه سنة أربعين وسبع مائة قال أنا الزاهد أبو إسحاق إبراهيم بن علي بن الواسطي أنا أبو علي الحسن بن إسحاق بن الجواليقي أنا أبو بكر محمد بن عبيد الله الزاغوني أنا أبو القاسم علي بن أحمد البندار أنا أبو طاهر محمد بن عبد الرحمن البزاز أنا أبو حامد محمد بن هارون الحضرمي ثنا يوسف بن موسى ثنا وكيع ثنا أبو حنيفة عن أبي الزبير عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ قال: من باع عبداً وله مال فالمال للبائع إلا أن يشترط المبتاع. رواه "د" في البيوع "ن" في "العتق" وفي "الشروط" من حديث عطاء عن جابر.

وقال سبط بن العجمي الإمام العلامة برهان الدين أبو الوفاء إبراهيم بن محمد بن خليل الطرابلسي ثم الحلبي الشافعي شيخ البلاد الحلبية بلامدافع في كتابه "نهاية السؤل" (١) في رجال الستة الأصول:

"(ت، س) النعمان بن ثابت بن زوطا كسلمي، الإمام المجتهد، أبو حنيفة الكوفي، فقيه العراق، وإمام أصحاب الرأي قيل: إنه من أبناء فارس، وولاه لبنى تيم الله بن ثعلبة، وأما زوطا فإنه من أهل كابل، وولد ثابت على الإسلام، وكان زوطا مملوكاً لبنى تيم الله بن ثعلبة، فأعتق فولاه لبنى تيم الله بن ثعلبة وقال إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة: أنا إسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان من أبناء فارس الأحرار والله ما وقع علينا رق قط، وكان أبو حنيفة خزازاً، ودكانه معروف في دار عمرو بن حريث.

وقال أبو نعيم الفضل: أصل أبي حنيفة من كابل، وقال أبو عبد الرحمن المقرئ كان أبو حنيفة من أهل بابل. وقال يحيى بن النصر القرشي كان والد أبي حنيفة من نسا، وقال الحارث بن إدريس: أصل أبي حنيفة من ترمذ. وقال إسحاق بن البهلول عن أبيه، قال: ثابت والد أبي حنيفة من الأنبار.

(١) روى "لحظ الألفاظ بذييل تذكرة الحفاظ" اسمه "غاية السؤل" وهذا الكتاب له نسخة عكسية موجودة في خزانة "الجامعة الإسلامية" بالمدينة المنورة، وقد تفضل الأستاذ العالم المقرئ مسعود أحمد السيد الموقر بإرسال عكس ترجمة الإمام إلينا جزاه الله تعالى عنا خير الجزاء، لكن النسخة سقيمة الخلط جداً صعب القراءة، وقد طمست بعض الأسطر في العكس فلا تكاد تقرأ.

رأى أبو حنيفة أنساً، وكان في زمن أبي حنيفة كما قال أبو إسحاق الفيروز آبادي أربعة من الصحابة أنس، وعبد الله بن أبي أوفى، وسهل بن سعد، وأبو الطفيل، ولم يأخذ عن أحد منهم. انتهى، وقيل: إنه روى عن الشعبي وطاووس انتهى. وقد روينا عن قاضي القضاة جمال الدين محمود بن أحمد بن السراج أن أبا حنيفة روى عن سبعة من الصحابة ونظمهم في بيتين والله أعلم. وأخرج له جزءاً يروي وسماه ما رواه أبو حنيفة عن الصحابة.... ورأيت لبعض الفضلاء من الحنيفة بسند ملا يعقوب ما رواه أبو حنيفة عن الصحابة يعنى إن ما موصولة بمعنى الذى إلخ.

قال الخطيب البغدادي في تاريخه: رأى أنس بن مالك، وسمع عطاء بن أبي رباح، وأبا إسحاق السبيعي، ومحارب بن دثار، والهيثم بن حبيب الصواف، وقيس بن مسلم، ومحمد بن المنكدر ونافعاً مولى ابن عمر، وهشام بن عروة، ويزيد الفقير، وسماك بن حرب وعلقمة بن مرثد، وعطية العوفي، وعبد العزيز بن ربيع وعبد الكريم أبا أمية وغيرهم.

وروى عنه أبو يحيى الحماني، وهشيم بن بشير، وعباد بن العوام، وعبد الله بن المبارك، ووكيع بن الجراح ويزيد بن هارون وعلى بن عاصم ويحيى بن نصر، وأبو يوسف القاضي، ومحمد بن الحسن، وعمرو بن محمد العنقزي، وهوذة بن خليفة، وأبو عبد الرحمن المقرئ، وعبد الرزاق بن همام، وآخرون.

وهو من أهل الكوفة ونقله أبو جعفر المنصور إلى بغداد. وقال الشيخ أبو إسحاق في "الطبقات" ولد سنة ٧٠ من الهجرة وتوفي في بغداد سنة ١٥٠ وهو ابن ٨٠ سنة.

أخذ الفقه عن حماد بن أبي سليمان، ومناقبه كثيرة معروفة في الكتب، وكذا زهده و صلاته وعبادته كله معروف، وقد أفردت مناقبه بالتصنيف. والصحيح أنه توفي في السجن دعاه أبو جعفر المنصور إلى القضاء فأبى عليه، فحبسه وقصته معروفة مذكورة في الكتب. رحمة الله عليه.

وجرى على منوال المزي، والذهبي، والحسيني، والبرهان الحلبي شيخ الإسلام، وإمام الحفاظ في زمانه، وحافظ الديار المصرية شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني الشافعي رحمه الله تعالى. فلم يذكر في كتابه "تهذيب التهذيب" في ترجمة الإمام أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه شيئاً يلزم منه تضعيفه. وهؤلاء الأئمة (المزي، والذهبي، والعراقي، وابن حجر) هم الذين يقول في حقهم الإمام الحافظ جلال الدين السيوطي، ما نصه:

"والذي أقوله: إن المحدثين عيال الآن في الرجال وغيرها من فنون الحديث على أربعة، المزي، والذهبي، والعراقي، وابن حجر" (١).

وكذلك فعل الإمام المحدث الحافظ المفيد البارع عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي الشافعي رحمه الله تعالى فذكر له في كتابه "البداية والنهاية" ترجمة حسنة حيث قال في

(١) ذيل تذكرة الحفاظ للسيوطي، ٣٤٨، ترجمة الإمام الذهبي، نشره القدسي بدمشق.

وفيات سنة خمسين ومائة:

”وفيهما توفي الإمام أبو حنيفة واسمه النعمان بن ثابت التيمي، مولا هم الكوفي، فقيه العراق، وأحد أئمة الإسلام والسادة الأعلام، وأحد أركان العلماء، وأحد الأئمة الأربعة، أصحاب المذاهب المتبوعة، وهو أقدمهم وفاةً، لأنه أدرك عصر الصحابة، ورأى أنس بن مالك، قيل: وغيره، وذكر بعضهم أنه روى عن سبعة من الصحابة، والله أعلم .

وروى عن جماعة من التابعين، منهم الحكم، وحماد بن أبي سليمان، وسلمة بن كهيل، وعامر الشعبي، وعكرمة، وعطاء، وقتادة، والزهري، ونافع مولى ابن عمر، ويحيى بن سعيد الأنصاري وأبو إسحاق السبيعي .

وروى عنه جماعة منهم ابنه حماد، وإبراهيم بن طهمان، وإسحاق بن يوسف الأزرق، وأسد بن عمرو القاضي، والحسن بن زياد اللؤلؤي، وحمزة الزيات، وداود الطائي، وزفر ، وعبد الرزاق، وأبونعيم، ومحمد بن الحسن الشيباني، وهشيم، ووكيع، وأبو يوسف القاضي .

قال يحيى بن معين: كان ثقة، وكان من أهل الصدق، ولم يتهم بالكذب، ولقد ضربه ابن هبيرة على القضاء فأبى أن يكون قاضياً . وقد كان يحيى بن سعيد يختار قوله في الفتوى، وكان يحيى يقول: لا نكذب، ما سمعنا أحسن من رأي أبي حنيفة، وقد

أخذنا بأكثر أقواله، وقال عبد الله بن المبارك: لولا أن
الله أعانني بأبي حنيفة وسفيان الثوري لكنت كسائر
الناس

وقال عبد الله بن داود الخريبي: ينبغي للناس أن
يدعوا في صلاتهم لأبي حنيفة لحفظه الفقه والسنن
عليهم، وقال سفيان الثوري وابن المبارك: كان
أبو حنيفة أفقه أهل الأرض في زمانه . وقال
أبونعيم: كان صاحب غوص في المسائل، وقال مكى
بن إبراهيم: كان أعلم أهل الأرض . (اهـ)
باختصار .

وكذلك فعل صاحب "المشكاة" الشيخ الإمام العلامة ولي الدين
محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي في أسماء رجاله، فقال في ترجمة
الإمام:

"قال شريك النخعي: كان أبو حنيفة طويل الصمت،
دائم الفكر، قليل المحادثة للناس . وهذا من أوضح
الأمارات على علم الباطن، والاشتغال بمهمات الدين،
فمن أوتي الصمت والزهد فقد أوتي العلم كله .
ولو ذهبنا إلى شرح مناقبه وفضائله لأطلقنا الخطب ولم
نصل إلى الغرض، فإنه كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً
إماماً في علوم الشريعة . والغرض بإيراد ذكره في هذا
الكتاب وإن لم نرو عنه حديثاً في "المشكاة" للتبرك به
لعل مرتبته ووفور علمه" اهـ .

وقبلهم النووي الإمام الحافظ الأوحى شيخ الإسلام علم الأولياء
الدين أبوزكريا يحيى بن شرف بن مري الحزامي الحوراني الشافعي

رحمه الله في كتابه "تهذيب الأسماء واللغات" فلم يذكر في ترجمته شيئاً سوى فضائله ومناقبه والثناء عليه في علمه وورعه .

وقبله العلامة البارع الأوحد البليغ القاضي الرئيس مجد الدين أبوالسعادات المبارك بن محمد الشيباني الجزري ثم الموصللي، الكاتب ابن الأثير صاحب "جامع الأصول" و"النهاية في غريب الحديث والأثر" حيث ذكر ترجمة الإمام في الركن الثالث من كتابه "جامع الأصول" وأثنى عليه ثناءً بليغاً وردّ على طاعنيه فقال:

"النعمان بن ثابت" هو أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن زوطا بن ماة الإمام الفقيه الكوفي، مولى تيم الله بن ثعلبة، وهو من رهط حمزة الزيات، وكان خزازاً يبيع الخبز، له ذكر في "الأشعار" من كتاب الحج، وكان جده زوطى من أهل كابل، وقيل من أهل بابل، وقيل من الأنبار، وكان مملوكاً لبني تيم الله ابن ثعلبة فأعتق، وولد أبوه ثابت على الإسلام، قال إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة: أنا إسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن مرزبان، من أبناء الفرس من الأحرار، والله ما وقع علينا رق قط، ولد جدي في سنة ثمانين، وذهب ثابت إلى علي بن أبي طالب، وهو صغير، فدعا له بالبركة فيه، وفي ذريته، ونحن نرجو أن يكون الله قد استجاب ذلك لعلي .

ولد سنة ثمانين، ومات ببغداد سنة خمسين ومائة، وقيل: سنة إحدى وخمسين، وقيل: سنة ثلاث وخمسين، والأول أصح وأكثر، ودفن بمقابر الخيزران، وقبره معروف ببغداد .

وكان في أيام أبي حنيفة أربعة من الصحابة، أنس بن مالك بالبصرة، وعبد الله بن أبي أوفى بالكوفة، وسهل بن سعد الساعدي بالمدينة، وأبو الطفيل عامر بن واثلة بمكة، ولم يلق أحداً منهم ولا أخذ عنه، وأصحابه يقولون: إنه لقي جماعة من الصحابة وروى عنهم ولا يثبت ذلك عند أهل النقل، (١).

وأخذ الفقه عن حماد بن أبي سليمان، وسمع عطاء بن أبي رباح، وأبا إسحاق السبيعي، ومحارب بن دثار، والهيثم بن حبيب، ومحمد بن المنكدر، ونافعاً مولى ابن عمر، وهشام بن عروة، وسماك بن حرب.

وروى عنه عبد الله بن المبارك، ووكيع بن الجراح، ويزيد بن هارون، وعلي بن عاصم، والقاضي أبو يوسف، ومحمد بن الحسن الشيباني وغيرهم. نقله المنذور من الكوفة إلى بغداد فأقام بها، إلى أن مات فيها، وكان أكرهه ابن هبيرة أيام مروان بن

(١) قال العلامة شمس الدين القهستاني رحمه الله تعالى في مقدمة "جامع الرموز شرح

مختصر الوقاية المسمى بالنقاية"، (ج : ١ ، ص ٦ ، طبع كلكتة ١٢٧٤هـ) ما نصه :

"إن الإمام من التابعين ، رأى أنس بن مالك كما قال الشيخ الجزري في "أسماء الرجال القراء" بل من أكابرهم كما في "كشف الكشاف" في سورة النور ، ولا يضره ما في "جامع الأصول" أن ذلك مما لا يثبت فإنه قال في آخر كلامه : "إن أصحابه أعلم بحاله من غيرهم ، فالرجوع إلى ما نقلوه عنه أولى من غيرهم".

و العلامة القهستاني محمد شمس الدين المفتي ببخارى من مشاهير أهل العلم ، كان إماماً عالماً زاهداً فقيهاً متبحراً ، يقال : إنه ما نسي قط ما طرق بسمعه . و ترجمته مذكورة في "شذرات الذهب" في "وفيات ٩٥٣هـ".

محمد الأموي على القضاء بالكوفة فأبى فضربه مائة
سوط في عشرة أيام، كل يوم عشرة، فلما رأى ذلك
خلى سبيله، ولما أشخصه المنصور إلى بغداد أَرادَه
على القضاء فأبى فحلف عليه ليفعلنَ وحلف أبوحنيفة
أن لا يفعل وتكررت الأيمان بينهما، فحبسه المنصور،
ومات في الحبس، وقيل: إنه افتدى نفسه بأن تولى
عدد اللبن ولم يصح .

كان ربعة من الرجال، وقيل: كان طوالاً تعلوه سمرة،
حسن الوجه أحسن الناس منطقاً، وأحلامهم نعمة،
حسن المجلس، شديد الكرم، حسن المواساة لإخوانه .
قال الشافعي رحمه الله تعالى: قيل لمالك: هل رأيت
أبا حنيفة؟ قال: نعم رأيت رجلاً لو كلمك في هذه
السارية أن يجعلها ذهباً لقام بحجته، وقال الشافعي
رحمه الله: من أراد أن يتبحر في الفقه فهو عيال على
أبي حنيفة .

ولودهبنا إلى شرح مناقبه وفضائله لأطلنا اخطب ولم
نصل إلى الغرض منها، فإنه كان عالماً عاملاً زاهداً
عابداً ورعاً تقياً إماماً في علوم الشريعة مرضياً .

وقد نسب إليه، وقيل عنه من الأقاويل المختلقة التي
يُجلُّ قدره عنها من القول بخلق القرآن، والقول
بالقدر، والقول بالإرجاء، وغير ذلك مما نسب إليه، ولا
حاجة إلى ذكرها ولا إلى ذكر قائلها، والظاهر أنه كان
منزهاً عنها، ويدل على صحة نزاهته منها ما نشر الله
تعالى له من الذكر المنتشر في الآفاق، والعلم الذي

طبق الأرض، والأخذ بمذهبه وفقهه، والرجوع إلى قوله وفعله، وإن ذلك لولم يكن لله فيه سر خفي ورضى إلهي وفقها الله له، لما جمع شطر أهل الإسلام أو ما يقاربه على تقليده والعمل برأيه ومذهبه حتى قد عبد الله ودّين بفقهه، وعمل برأيه ومذهبه، وأخذ بقوله إلى يومنا هذا ما يقارب أربع مائة وأربعين سنة . وفي هذا أدل دليل على صحة مذهبه وعقيدته وأن ما قيل عنه هومنز عنه . وقد جمع أبو جعفر الطحاوي، وهومن أكبر الآخذين بمذهبه كتاباً سماه "عقيدة أبي حنيفة رحمه الله" وهي عقيدة أهل السنة والجماعة، وليس فيها شيء مما نسب إليه، وقيل عنه، وأصحابه هم أخبر بحاله وبقوله من غيرهم، فالرجوع إلى ما نقلوه عنه أولى مما نقله غيرهم عنه . وذكر أيضاً سبب قول من قال عنه ما قال، والحامل له على ما نسب إليه . ولا حاجة لنا إلى ذكر ما قالوه، فإن مثل أبي حنيفة ومحله في الإسلام لا يحتاج إلى دليل يعتذر به مما نسب إليه، والله أعلم، اهـ (١) .

وقبل هؤلاء كلهم الحافظ البارع العلامة تاج الإسلام أبوسعدي عبد الكريم السمعاني المروزي ترجم له في كتاب "الأنساب" ترجمةً حسنةً وذكر فضائله ومناقبه . فهؤلاء الحفاظ النقاد أئمة الجرح والتعديل لم يوردوا في تصانيفهم في الرجال شيئاً مما ذكر أعداؤه وحساده من مطاعنه

(١) و رأيت من هذا الكتاب نسخة خطية جيدة الخط في خزانة محمد آباد طونك من أعمال راجبوتانه بالهند ، و قد تفضل علينا الأستاذ الشيخ العالم عمران خان بن عرفان خان المرحوم الطونكي بنقل هذه الترجمة من "جامع الأصول" جزاء الله تعالى عنا وعن سائر أهل العلم خيراً .

ومثالبه، فثبت من صنيع هؤلاء جميعاً أن كل ما ذكر في بعض كتب الرجال من جرحه ينبغي أن يرمى به عرض الحائط . ولا شك أنه ما طعن أحد في قول من أقواله إلا لجهله به إما من حيث دليله وإما من حيث دقة مداركه - رضي الله عنه - عليه . وقد أجمع السلف والخلف على كثرة علمه وورعه، وعبادته، ودقة مداركه واستنباطاته . ولا عبرة بقول الجاهل والحساد والأعداء على كل حال . ولقد صدق الإمام عبد الوهاب الشعراني رحمه الله تعالى حيث يقول في "الميزان الكبرى" (١):

"وأما ما نقل عن الأئمة الأربعة رضي الله عنهم أجمعين في ذم الرأي، فأولهم تبريراً من كل رأي يخالف ظاهر الشريعة الإمام الأعظم أبو حنيفة النعمان ابن ثابت رضي الله عنه خلاف ما يضيفه إليه بعض المتعصبين، ويا فضيحتة يوم القيامة من الإمام إذا وقع الوجه في الوجه، فإن من كان في قلبه نور لا يتجرأ أن يذكر أحداً من الأئمة بسوء . وأين المقام من المقام إذ الأئمة كالنجوم في السماء، وغيرهم كأهل الأرض الذين لا يعرفون من النجوم إلا خيالها على وجه الماء، وقد روى الشيخ محي الدين في "الفتوحات المكية" بسنده إلى الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه أنه كان يقول: إياكم والقول في دين الله تعالى بالرأي وعليكم باتباع السنة فمن خرج عنها ضل".

وقال أيضاً رحمه الله تعالى:

"والعلماء أمناء الشارع على شريعته من بعده، فلا

(١) الميزان الكبرى ، ج : ١ ، ص ١٥٤ و ١٥٥ .

اعتراض عليهم فيما بينوه للخلق، واستنبطوه من الشريعة، لا سيما الإمام (أبو حنيفة رضي الله عنه، فلا ينبغي لأحد الاعتراض عليه، لكونه من أجل الأئمة، وأقدمهم تدويناً للمذهب، وأقربهم سنداً إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومشاهداً لفعل أكبر التابعين من الأئمة رضي الله عنهم أجمعين .

وكيف يليق بأمثالنا الاعتراض على إمام عظيم، أجمع الناس على جلالته، وعلمه، وورعه وزهده وعفته، وعبادته، وكثرة مراقبته لله عز وجل، وخوفه منه طول عمره، ما هذا والله إلا عمى في البصيرة ... " .

وإياك أن تخوض مع الخائضين في أعراض الأئمة بغير علم فتخسر في الدنيا والآخرة، فإن الإمام رضي الله عنه كان متقيداً بالكتاب والسنة متبرئاً من الرأي، كما قدمنا لك في عدة مواضع من هذا الكتاب .

ومن فتش مذهبه رضي الله عنه وجده من أكثر المذاهب احتياطاً في الدين، ومن قال غير ذلك فهو من جملة الجاهلين المتعصبين المنكرين على أئمة الهدى بفهمه السقيم، وحاشى ذلك الإمام الأعظم من مثل ذلك حاشاه، بل هو إمام عظيم متبع إلى انقراض المذاهب كلها، كما أخبرني به بعض أهل الكشف الصحيح، وأتباعه لن يزالوا في ازدياد كلما تقارب الزمان، وفي مزيد اعتقاد في أقواله، وأقوال أتباعه وقد قدمنا قول إمامنا الشافعي رضي الله عنه: "الناس كلهم عيال في الفقه على أبي حنيفة رضي الله عنه"، وقد

ضرب بعض أتباعه وحبس ليقلد غيره من الأئمة فلم يفعل، وما ذلك والله سدى، ولا عبرة بكلام بعض المتعصبين في حق الإمام، ولا بقولهم أنه من جملة أهل الرأي، بل كلام من يطعن في هذا الإمام عند المحققين يشبه الهذيان .

ولو أن هذا الذي طعن في الإمام كان له قدم في معرفة منازع المجتهدين ودقة استنباطاتهم لقدّم الإمام أباحيفة في ذلك على غالب المجتهدين لخفاء مدركه رضي الله عنه .

واعلم يا أخي ! إنني ما بسطت لك الكلام على مناقب الإمام أبي حنيفة أكثر من غيره إلا رحمة بالمتهورين في دينهم من بعض طلبة المذاهب المخالفة له، فإنهم ربما وقعوا في تضعيف شيء من أقواله لخفاء مدركه عليهم بخلاف غيره من الأئمة، فإن وجوه استنباطاتهم من الكتاب والسنة ظاهرة لغالب طلبة العلم الذين لهم قدم في الفهم ومعرفة المدارك^(١) .

(١) الميزان الكبرى، ج : ١، ص ٦٩ .

اعتداء الألباني على الإمام الهمام رضي الله عنه

فهذا ما نقلناه من أركان النقل وأئمة الرجال الذين عليهم المعول في هذا الباب في حق أبي حنيفة الإمام الأعظم رضي الله تعالى عنه من الثناء على حفظه وإتقانه وعلمه، وقد قال الحافظ أبو الحجاج المزي في "مقدمة تهذيب الكمال":

"واعلم أن ما كان في هذا الكتاب من أقوال أئمة الجرح والتعديل" ونحو ذلك فعامته منقول من "كتاب الجرح والتعديل" لأبي محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي الحافظ بن الحافظ، ومن "كتاب الكامل" لأبي أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني الحافظ، ومن "كتاب تاريخ بغداد" لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي الحافظ، ومن "كتاب تاريخ دمشق" لأبي القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر الدمشقي الحافظ، وما كان فيه من ذلك منقولاً من غير هذه الكتب الأربعة فهو أقل مما كان فيه من ذلك منقولاً منها أو من بعضها.....

وقد اشتمل هذا الكتاب على ذكر عامة رواة العلم وحملة الآثار، وأئمة الدين، وأهل الفتوى، والزهد والورع والنسك، وعامة المشهورين من كل طائفة من طوائف أهل العلم المشار إليهم من أهل هذه الطبقات ولم يخرج عنهم إلا القليل،

فمن أراد زيادة اطلاع على ذلك فعليه بعد هذه الكتب

الأربعة "بكتاب الطبقات الكبير" لمحمد بن سعد كاتب الواقدي، و"كتاب التاريخ" لأبي بكر أحمد بن أبي خيثمة زهير بن حرب، و"كتاب الثقات" لأبي حاتم محمد بن حبان البستي، و"كتاب تاريخ مصر" لأبي سعيد عبد الرحمن بن أحمد بن يونس بن عبد الأعلى الصدفي، و"كتاب تاريخ نيسابور" للحاكم أبي عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري الحافظ، و"كتاب تاريخ أصبهان" لأبي نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني الحافظ، فهذه الكتب العشرة أمهات الكتب المصنفة في هذا الفن^(١).

ومعلوم أن ابن عدي قد تعدى وجاوز الحد في الوقعة في الإمام الأعظم، وكذا الخطيب البغدادي قد استوعب مثالب الإمام فأتى بقاذورات لا تغسلها البحار، وكانت عامة كتب الجرح والتعديل في متناول أهل العلم الذين نقلنا مناقب الإمام الأعظم من تصانيفهم كالسَّمْعَانِي والنووي والمِزِّي والذهبي وابن كثير والحسيني والبرهان الحلبي وابن حجر العسقلاني وهؤلاء كلهم من أئمة هذا الشأن ومع ذلك لم يلتفتوا إلى ما قيل فيه أصلاً، بل على رغم هؤلاء الطاعنين يعدونه في الحُفاظ، ويوثقونه ويجعلونه من أئمة النقد الذين يرجع إلى اجتهادهم في التزييف والتصحيح، والجرح والتعديل، ويذكرون أقواله في هذا الباب، فهذا الإمام أبو الحجاج المِزِّي كل ما ذكر في ترجمة أبي حنيفة في كتابه "تهذيب الكمال" إنما أخذه من كتاب "تاريخ بغداد" للخطيب البغدادي، ولم يعرج إلى ما ذكر فيه من قدحه أصلاً علماً منه أن كلام من تكلم فيه إنما صدر عن هوى وعصبية، والإمام برئ عما رمى به أعداؤه، فلا ينبغي

(١) تهذيب الكمال ج ١، ص ٣ طبع دار المأمون للتراث الطبعة الأولى سنة ١٤٠٢ هـ.

لأحد أن يذكر منها شيئاً، وقد صرح الإمام الذهبي رحمه الله تعالى:
 "أن كتاب تهذيب الكمال ينبوع معرفة الثقات" (١).

وقد أثنى على صنيعه هذا قائلاً:

قد أحسن شيخنا أبو الحجاج حيث لم يورد شيئاً يلزم
 منه التضعيف اهـ (كما مرّ سابقاً).

وعلى منواله جرى من أتى بعده كالذهبي، وابن كثير والحسيني
 والبرهان الحلبي وابن حجر رحمهم الله وهلمّ جرّاً إلى يومنا هذا إلا أن
 بعض منتحلي الحديث من أهل عصرنا - وهو الشيخ محمد ناصر الدين
 الألباني قد شدّ وحاد عن الطريق فأخذ (فهو) يقع في مثل هذا الإمام،
 ويتكلم في حفظه، وإتقانه، ويضعفه ويرميه بسوء الحفظ، وينفى عنه
 الضبط والحفظ، حيث يقول في كتابه "سلسلة الأحاديث الضعيفة
 والموضوعة وأثرها السيء في الأمة" عند الكلام على حديث "إذا طلع
 النجم رفعت العاهة عن أهل كل بلد" ما نصّه:

"ضعيف، أخرجه الإمام محمد بن الحسن في "كتاب
 الآثار" (ص ١٥٩) أخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا
 عطاء بن أبي رباح عن أبي هريرة مرفوعاً، ومن طريق
 أبي حنيفة أخرجه الثقفى في "الفوائد" (١/١٢/٣)
 وكذا الطبراني في "المعجم الصغير" (ص ٢٠) وفي
 "الأوسط" (٢/١٤٠/١) وعنه أبو نعيم في "أخبار
 إصبهان" (١٢١/١) وقال: "النجم هو الثريا" وهذا

(١) الموقظة في علم مصطلح الحديث للإمام الذهبي ص ٧٩، الناشر: مكتبة المطبوعات
 الإسلامية بحلب، الطبعة الأولى سنة ١٤٠٥هـ، واعتنى بتصحيحه والتعليق عليه المحقق الباحثة
 العلامة المحدث الناقد فضيلة الشيخ عبد الفتاح أبو غدة جزاه الله تعالى عن العلم وأهله
 خيراً.

إسناد رجاله ثقات إلا أن أبا حنيفة رحمه الله على
جلالته في الفقه قد ضعفه من جهة حفظه البخاري
ومسلم والنسائي وابن عدي وغيرهم من أئمة الحديث.
ولذلك لم يزد الحافظ ابن حجر في "التقريب" على
قوله في ترجمته "فقيه مشهور" (١).

ونحن نسأل الشيخ الألباني إذا كان ضعف أبي حنيفة متحققاً عند
ابن حجر فلم لم يضعفه؟ واكتفى على قوله "فقيه مشهور" مع تصريحه
في "مقدمة تقريره".

"إنني أحكم على كل شخص منهم بحكم يشمل أصح
ما قيل فيه، وأعدل ما وصف به، بأخلص عبارة
وأخلص إشارة".

فهل قرأ الأستاذ الألباني في كتاب من كتب المصطلح أن كلمة
"فقيه مشهور" تدل على ضعف الراوي تصريحاً أو تلويحاً؟ بينوا لنا
مأجورين، وهل اتصاف راو بالفقه والشهرة يدل على ضعفه وتركه؟ أم
يخرجه من الجهالة والستر إلى الشهرة والمعرفة، وتبجيله بالعلم والجلالة
ويثبت له كل خير فقد ثبت عن المصطفى ﷺ أنه قال: "من يرد الله به
خيراً يفقهه في الدين" فهل بعد الفقه خير يرجى له، ولفظ "الفقيه" في
عرف السلف كان لا يطلق إلا على المجتهد، فما بال الألباني يجعل الثناء
ذماً ويعكس الأمر، والله يصلحه ويهديه.

وأما قوله: "لم يزد الحافظ ابن حجر في "التقريب" على قوله:
"فقيه مشهور" فهذا بهت ونفي الزيادة لا تصح، كيف! وقد أقر بإمامته
في موضعين، فقد جاء في "الكنى" "من التقريب" ما نصّه:

(١) "سلسلة الأحاديث الضعيفة" المجلد الأول، الجزء الرابع ص ٧٧-٧٨ من منشورات

“أبو حنيفة النعمان بن ثابت، الإمام المشهور

وقال في حرف النون، ما نصّه:

“النعمان بن ثابت الكوفي أبو حنيفة الإمام .

ولفظ الإمام إذا أطلق ولم يقيد في كتب الجرح والتعديل من أعلى مراتب التوثيق وهو أرفع من ثقة، أو متقن أو ثبت أو عدل .

وظهر من هذا أن الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى لم يقبل تضعيف هؤلاء في حق الإمام أبي حنيفة أصلاً، وفي لفظ “الفقيه” و“الإمام” إشارة إلى ترجيح روايته على رواية غير الفقيه وغير الإمام من عامة الرواة ولم يتفطن له الألباني أصلاً بل عكس الأمر وظن أن الوصف بـ“فقيه مشهور” يدل على ضعف الراوي، فسبحان قاسم العقول، وقد ذكر الإمام الزكي يوسف بن الحجاج المزي رحمه الله في “مقدمة تهذيب الكمال”:

“قال أبو بكر بن خزيمة: عن عبد الله بن هاشم الطوسي: كنا عند وكيع فقال: الأعمش أحب إليكم عن أبي وائل عن عبد الله أو سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمه عن عبد الله؟ فقلنا: الأعمش عن أبي وائل أقرب، فقال: الأعمش شيخ، وأبو وائل شيخ، وسفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمه عن عبد الله فقيه عن فقيه عن فقيه عن فقيه، زاد غيره قال: وحديث يتداوله الفقهاء أحب إلينا من حديث يتداوله الشيوخ (١) .

ثم لا يخفى أن الحافظ ابن حجر العسقلاني في سائر تصانيفه لم ينقل عن أحد من أهل العلم شيئاً في تضعيف الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى

(١) تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ج ١، ص ٥ .

على رغم أنف الألباني بل نقل توثيق الإمام نصاً في كتابه "تهذيب التهذيب" عن إمام الصنعة يحيى بن معين رحمه الله تعالى وهذا نصّه:

"قال محمد بن سعد العوفي: سمعت يحيى بن معين يقول: كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلا بما يحفظه ولا يحدث بما لا يحفظه، وقال صالح بن محمد الأسدي عن ابن معين: كان أبو حنيفة ثقة في الحديث" اهـ

وقال أيضاً رحمه الله تعالى:

"قال ابن أبي داود عن نصر بن علي، سمعت ابن داود يعني الخريبي يقول: الناس في أبي حنيفة حاسد وجاهل، وقال أحمد بن عبدة قاضي الرى عن أبيه: كنا عند ابن عائشة فذكر حديثاً لأبي حنيفة ثم قال: أما إنكم لو رأيتموه لأردتموه فما مثله ومثلكم إلا كما قيل:

أقلوا عليهم ويلكم لا أبا لكم - من اللوم أوسدوا المكان الذي سداً

وختم ترجمته بقوله:

"ومناقب الإمام أبي حنيفة كثيرة جداً، فرضى الله تعالى عنه وأسكنه الفردوس آمين" (١).

والخريبي هو الإمام الحافظ القدوة أبو عبد الرحمن عبد الله بن داود ابن عامر الهمداني الشعبي الكوفي، كان يسكن محلة "الخريبة" بالبصرة ذكره الذهبي في "تذكرة الحفاظ" وقال الحافظ في "التقريب":

(خ، ٤) عبد الله بن داود بن عامر الهمداني، أبو عبد الرحمن

الخريبي، بمعجمة وموحدة مصغراً، كوفي الأصل، ثقة
عابد، من التاسعة، مات سنة ثلاث عشرة، وله سبع
وثمانون سنة أمسك عن الرواية قبل موته، فلذلك لم
يسمع منه البخاري رحمه الله.

وقال في "تهذيب التهذيب"

"قال ابن سعد: كان ثقةً عابداً ناسكاً، وقال معاوية بن
صالح عن ابن معين ثقة صدوق مأمون، وقال عثمان
الدارمي: سألت ابن معين عنه وعن أبي عاصم، فقال:
ثقتان، قال الدارمي: الخريبي اعلى، وقال أبوزرعة
والنسائي: ثقة وقال أبو حاتم: كان يميل إلى الرأي،
وكان صدوقاً، وقال الدارقطني: ثقة زاهد، وقال ابن
عيينة: ذاك أحد الأحدثين وقال مرة: ذلك شيخنا
القديم" اهـ.

فانظر أيها الشيخ الألباني ولا تقمض عينيك ما ذا يقول: ذاك أحد
الأحد بن شيخ ابن عيينة الثقة الصدوق الزاهد العابد الناسك المأمون: أن
الناس في أبي حنيفة حاسد وجاهل، ولا تغتر بما قاله الحساد والجاهلون في
هذا الإمام.

وأما ابن عائشة فهو أبو عبد الرحمن عبيد الله بن محمد ابن حفص
العيشي بتحتانية ومعجمة ذكره الحافظ في "التقريب" فقال:

"(د، ت، س) عبيد الله بن محمد ابن عائشة، اسم
جده حفص بن عمر بن موسى بن عبيد الله بن معمر
التمي، وقيل له: ابن عائشة، والعائشي، والعيشي نسبة
إلى عائشة بنت طلحة، لأنه من ذريتها، ثقة، جواد،
رمى بالقدر ولم يثبت، من كبار العاشرة، مات سنة

ثمان وعشرين“.

وقال في ”تهذيب التهذيب“:

”قال أبو طالب عن أحمد: صدوق في الحديث، وقال أبو حاتم صدوق ثقة، روى عنه أحمد، وكان عنده عن حماد بن سلمة تسعة آلاف، وكان عنده دقائق وفصاحة وحسن خلق وسخاء، وقال الآجري: عن أبي داود سمع علماً كثيراً... قال الساجي وكان من سادات أهل البصرة غير مدافع، وكان كريماً سخياً، وقال إبراهيم الحربي: ما رأت عيني مثله... وقال ابن حبان: كان حافظاً عالماً بأنساب العرب“ اهـ باختصار.

وحلاه الذهبي في ”سير أعلام النبلاء“ بقوله:

”الإمام العلامة الثقة..... الأخباري الصادق“

فهذا شيخ الإمام أحمد الإمام العلامة الأخباري الحافظ الصدوق الثقة حامل العلم الكثير من سادات أهل البصرة، يذكر حديثاً لأبي حنيفة، فقال بعض من حضر: لا نريده (كما يقول الألباني في عصرنا هذا) فيقول له:

”أما إنكم لو رأيتموه لا ردتّموه، وما أعرف له ولكم

مثلاً إلا ما قال الشاعر إلخ“ (١):

وفي ذلك عبرة للألباني لواعتبر.

ولما كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلا بما يحفظه ولا يحدث بما لا يحفظه كما ينقله ابن حجر عن ابن معين ويقرره، ولا يتعقب عليه، فكيف يظن به أنه قد تأثر بجرح المخالفين له، فما بال الألباني

يقره

(١) والحافظ ذكر هذه القصة في ”تهذيب التهذيب“ بالإجمال، ومن شاء التفصيل

فليراجع ”تهذيب الكمال“.

لا يتفطن لهذا الأمر الظاهر المكشوف، فإن لم ير الشيخ الألباني إلى الآن "تهذيب التهذيب" فليراجع فيه ترجمة الإمام الهمام، لعل الله يهديه إلى سواء السبيل.

وفي "الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر" تأليف الحافظ الإمام شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوي، ما نصّه: "وسئل ابن حجر، عما ذكره النسائي في "الضعفاء والمتروكين".

عن أبي حنيفة رضي الله عنه أنه ليس بقوى في الحديث، وهو كثير الغلط والخطأ على قلة روايته، هل هو صحيح؟ وهل وافقه على هذا أحد من أئمة المحدثين أم لا؟

فأجاب: النسائي من أئمة الحديث، والذي قاله إنما هو حسب ما ظهر له وأداه إليه اجتهاده، وليس كل أحد يؤخذ بجميع قوله، وقد وافق النسائي على مطلق القول في جماعة من المحدثين، واستوعب الخطيب في ترجمته من "تاريخه" أقاويلهم، وفيها ما يقبل وما يرد، وقد اعتذر عن الإمام بأنه كان يرى أنه لا يحدث إلا بما حفظه منذ سمعه إلى أن أداه، فلهذا قلت الرواية عنه، وصارت روايته قليلة بالنسبة لذلك، وإلا فهو في نفس الأمر كثير الرواية.

وفي الجملة: ترك الخوض في مثل هذا أولى فإن الإمام وأمثاله ممن قفزوا القنطرة، فما صار يؤثر في أحد منهم قول أحد، بل هم في الدرجة التي رفعهم الله تعالى إليها من كونهم متبوعين يقتدي بهم، فليعتمد هذا

والله ولي التوفيق اهـ (١).

فعلى الألباني أن يتق الله تعالى فيما يقول وليجتنب الخداع والتقويل لابن حجر وغيره مالم يقله، والله ولي التوفيق.
وبهذا ظهر الجواب عن شارك النسائي في الجرح على الإمام، وقد
حث أبر أصحاب ابن حجر الإمام الحافظ السخاوي في كتابه "الإعلان
بالتوبيخ لمن ذم التاريخ" بالاجتناب عن اقتفاء الجارحين والطاعنين فيه
حيث يوصي رحمه الله تعالى قائلا:

"ويلتحق بذلك (أي في التأويل والتجنب عن ذكره)
ما وقع بين الأئمة سيما المتخالفين في المناظرات
والمباحثات .

وأما ما أسنده الحافظ أبو الشيخ بن حيّان في "كتاب
السنة" له من الكلام في حق بعض الأئمة المقلّدين،
وكذا الحافظ أبو أحمد بن عدي في "كامله" والحافظ
أبو بكر الخطيب في "تاريخ بغداد" وآخرون ممن قبلهم
كابن أبي شيبه في "مصنفه" والبخاري والنسائي، مما
كنت أنزههم عن إيراده مع كونهم مجتهدين،
ومقاصدهم جميلة، فينبغي تجنب اقتفاءهم فيه، ولذا
عزّر بعض القضاة الأعلام من شيوخنا من نسب إليه
التحدث ببعضه، بل منعنا شيخنا حين سمعنا عليه
"كتاب دم الكلام" للهروي من الرواية عنه لما فيه من
ذلك" اهـ (٢).

(١) كذا نقله صديقنا العلامة المحقق البحاثة الحبر النبيل والمحدث الجليل الشيخ محمد
عوامة في كتابه "أثر الحديث الشريف في اختلاف الأئمة رضي الله عنهم" ص ١١٦، ١١٧ الطبعة
الثانية، نشرته دار السلام للطباعة والنشر سنة ١٤٠٧هـ.
(٢) ص ٦٥ طبع القدسي بدمشق عام ١٣٤٩هـ.

فهرس المقدمة

الصفحة	الموضوع
٤	مكانة الإمام الأعظم أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فى علم الحديث
٤	ثناء الذهبي على أبي حنيفة
١٣	ثناء ابن تيمية على أبي حنيفة
٢٠	كثرة أتباع أبي حنيفة واشتهار مذهبه فى الآفاق
٢٢	كان أبوحنيفة حجةً، ثبتاً، أعلم عصره بالحديث، ومن صيارفته
٢٢	عداده فى الحفاظ
٣٢	كان أبوحنيفة من أئمة الجرح والتعديل
٤١	أبوحنيفة على شرط أصح الأسانيد
	إطباق الحفاظ الذين جمعوا رجال الكتب الستة على إسقاط
٤٧	الجرح فى ترجمة أبي حنيفة
٧٢	اعتداء الألباني على الإمام الهمام رضى الله عنه

مقدمه
مقدمه کتاب التعلیم

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ

مَقْدَمَةٌ
كُنَا الشَّعْلِيمِ

تأليف
الشيخ الإمام مسعود بن شيبة
بن الحسين السدي



مقدمة كتاب التعليم

للشيخ الإمام مسعود بن شيبه بن الحسين السندی الملقب بشيخ الإسلام

من اعيان القرن السابع

حققه وعلق عليه وقدم له

الفقيه إليه تعالى محمد عبد الرشيد النعماني



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كلمة

عن "كتاب التعليم"

ومؤلفه شيخ الاسلام مسعود بن شيبة

الحمد لله الملك العزيز الغفار ، والصلاة والسلام على خاتم النبيين
محمد سيد المصطفين الأخيار ، وعلى أهل بيته الأطهار ، وصحابته
المقربين الأبرار ، إلى يوم القرار .

(وبعد) فلولا أن السنة بينت لنا ما أجمل في القرآن ما قدر أحد
من العلماء على استخراج أحكام المياه والطهارة ، ولا عرف كون الصبح
ركعتين والظهر والعصر والعشاء أربعاً ، ولا كون المغرب ثلاثاً ، ولا كان
يعرف أحد ما يقال في دعاء التوجه والإفتاح ، ولا عرف صفة التكبير ،
ولا أذكار الركوع والسجود والإعتدالين ، ولا ما يقال في جلوس
التشهدين ، ولا كان يعرف كيفية صلاة العيدين والكسوفين ،
ولا غيرها من الصلوات كصلاة الجنائز والإستسقاء ، ولا كان
يعرف أنصبة الزكاة ، ولا أركان الصيام والحج والبيع والنكاح والجراح

والأفضیة وسائر أبواب الفقه (۱) وقد روى الإمام أبو داؤد فی « باب ما تجب فیہ الزکاة » من « سننه » : « حدثنا محمد بن بشار ، حدثنی محمد بن عبد الله الأنصارى : نا صرد بن أبی المنازل : سمعت حبيب المالكی قال : قال رجل لعمران بن حصین رضی الله عنه : یا أبا نجید إنکم لتحدثونا بأحادیث ما نجد لها أصلاً فی القرآن ! فغضب عمران رضی الله عنه وقال للرجل : أوجدتم فی كل أربعین درهماً درهم ، ومن كل كذا وكذا شاةً شاةً ، ومن كذا وكذا بعيراً كذا وكذا ؟ أوجدتم هذا فی القرآن ؟ قال : لا . قال : فعمن أخذتم هذا ؟ أخذتموه عنا ، وأخذناه عن نبی الله صلى الله علیه وسلم . وذكر أشياء نحو هذا . » وروی البيهقی فی (باب صلاة المسافر) من « سننه » عن عمر رضی الله عنه أنه سئل عن قصر الصلاة فی السفر ، وقيل له : إنا لنجد فی الكتاب العزيز صلاة الخوف ولا نجد صلاة السفر . فقال للسائل : « یا ابن أخی إن الله تعالى أرسل إلینا محمداً صلى الله علیه وسلم ولانعلم شيئاً وإنما نفعل ما رأینا رسول الله صلى الله علیه وسلم يفعله . قصر الصلاة فی السفر سنة سنّها رسول الله صلى الله علیه وسلم . »

وهذا هو البیان الذی وقع منه صلى الله علیه وسلم امتثالاً لقوله تعالى : (لتبین للناس ما نزل إليهم) فالبیان غیر المبین ،

(۱) وهذا نص کلام سیدی علی الخواص رحمه الله كما ينقله الشعرا فی « میزانه الکبری » (ج - ۱ ص ۵۲) .

ولذا وقع بعبارة أخرى غير عبارة الوحي الذي نزل عليه ، فلو أن علماء الأمة كانوا يستقلون بالبيان وتفصيل المجمال واستخراج الأحكام من القرآن لكان الحق تعالى اكتفى من رسوله صلى الله عليه وسلم بالتبليغ للوحي من غير أن يأمره ببيان ، فلو لا بيان رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أجمل في القرآن لبقى القرآن على اجمال .

وكما أن الشارع بين لنا بسنته ما أجمل في القرآن العظيم فكذلك الأئمة المجتهدون بينوا لنا ما أجمل في أحاديث الشريعة . ولولا بيانهم لنا ذلك لبقى الشريعة على اجمالها . فإن الشارع نصوصه كلمات جوامع ، وقضايا كلية ، وقواعد عامة يمتنع أن ينص على كل فرد من جزئيات العالم إلى يوم القيامة فلا بد من الاجتهاد في المعنيات هل تدخل في كلماته الجامعة أم لا . وهذا الاجتهاد يسمى " تحقيق المناط " وهو مما اتفق عليه الناس كلهم نفاة القياس ومثبتيه . والمجتهدون هم الذين ورثوا الأنبياء حقيقةً في علوم الوحي فإن النبي صلى الله عليه وسلم أباح لهم الاجتهاد في الأحكام تبعاً لقوله تعالى : « ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم » ومعلوم أن الاستنباط من مقامات المجتهدين رضى الله عنهم فهو تشريع عن أمر الشارع صلى الله عليه وسلم .

ولما كان الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني من الوجوب أو الحظر أو الندب أو الكراهة أو الإباحة ، وكان المجتهدون يستخرجون هذه الأحكام من الكتاب والسنة ،

وما نصبه الشارع لمعرفة من الأدلة وقع الاختلاف فيما بينهم ضرورة أن الأدلة عليها غالبها من النصوص وهى بلغة العرب ، وفى اقتضات ألفاظها لكثير من معانيها اختلاف بينهم معروف ، فمن الأئمة من حمل مثلاً مطلق الأمر على الوجوب الجازم ، ومنهم من حمله على الندب ، ومنهم من حمل مطلق النهى على التحريم ، ومنهم من حمله على الكراهة ، وقس على ذلك سائر ما اختلفوا فيه من تعيين بعض المعانى دون بعض . وكذلك السنة مختلفة الطرق فى الثبوت ، وربما وقع التعارض فى أحكامها فتحتاج إلى الترجيح ، وهو مختلف أيضاً ، فالأدلة من غير النصوص مختلف فيها . وأيضاً فالوقائع المتجددة لا توفى بها النصوص ، وما كان منها غير ظاهر فى المنصوص فيحمل على منصوص لمشابهة بينهما ، ومن هنا وقع الخلاف بين السلف والأئمة .

وما ثم قول من أقوال المجتهدين إلا وهو مستند إلى أصل من أصول الشريعة لمن تأمل ، لأن ذلك القول إما أن يكون راجعاً إلى آية أو حديث أو أثر أو قياس صحيح على أصل صحيح ؛ لكن من أقوالهم ما هو مأخوذ من صريح الآيات أو الأخبار أو الآثار ، ومنه ما هو مأخوذ من المأخوذ أو من المفهوم . فمن أقوالهم ما هو قريب ، ومنها ما هو أقرب ، ومنها ما هو بعيد ، ومنها ما هو أبعد ، ومرجعها كلها إلى الشريعة . قال الحافظ ابن عبد البر : « ما أعلم أحداً من أهل العلم إلا وله تأويل فى آية أو مذهب فى سنة رد من أجل ذلك المذهب سنة أخرى

بتأويل سائغ أو ادعاء نسخ وليس لأحد من علماء
الامة يثبت حديثاً عن النبي صلى الله عليه وسلم ثم يرده دون
ادعاء نسخ عليه بأثر مثله أو باجماع أو بعمل يجب على أصله
الإنقياد إليه أو طعن في سنده ، ولو فعل ذلك أحد سقطت
عدالته فضلاً عن أن يتخذ إماماً وازمه إثم الفسق اهـ . » (۱)

وقد وقع الاختلاف بين الصحابة في الفروع وهم خير الامة وما بلغنا
أن أحداً منهم خاصم من قال بخلافه ولا عاده ولا نسبه إلى الإثم
والعدوان . وقد أجمع الناس على قولهم : « إن مجتهداً لا ينكر على
مجتهد وأن كل واحد يلزمه العمل بما ظهر له أنه انصواب » وقد
قال الفقهاء فيمن صلى رباعية إلى أربع جهات كل ركعة إلى جهة
بالإجتهد : لا قضاء عليه مع القطع بأن ثلاث ركعات منها إلى غير
القبلة ولكن لما كانت كل ركعة مستندة إلى الإجتهد قالوا بالصحة
ولم تكن جهة أولى بالقبلة من جهة .

وكان أكثر ما يقع الترجيح في المذاهب بالنظر إلى الأفضل
من حيث قوة الأدلة والقرب من الاحتياط والورع قال الإمام
أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص - وهو من أجلة الحنفية -
في " باب صلاة الخوف " من كتابه " أحكام القرآن " :

" واختلاف هذه الآثار تدل على أن النبي صلى الله عليه
وسلم قد صلى هذه الصلوات على اختلافها على حسب ورود

(۱) جامع بيان العلم ج - ۲ ص ۱۴۸ .

الروایات بها ، وعلى ما رآه النبی صلی اللہ علیہ وسلم احتیاطاً
فی الوقت من کید العدو ، وما هو أقرب إلى الحذر والتحرز
على ما أمر اللہ تعالیٰ به من أخذ الحذر فی قوله : (ولأخذوا
حذرهم وأسلحتهم ، ود الذین کفروا لو تغفلون عن
أسلحتکم وأمتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة) ولذلك کان
الإجتہاد سائغاً فی جمیع أقوال الفقهاء علی اختلافها ، لما روى
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیها ، إلا أن الأولى عندنا ما
وافق ظاهر الكتاب والأصول .

وجائز أن یکون الثابت الحکم منها واحداً والباقي منسوخ .
وجائز أن یکون الجمیع ثابتاً غیر منسوخ توسعة وترفیهاً
لئلا یخرج من ذهب إلى بعضها ، ویكون الکلام فی الأفضل
منها کاختلاف الروایات فی الترجیع فی الأذان وفی تشیئة
الإقامة وتکبیرات العیدین والتشریق ونحو ذلك مما الکلام فیہ
بین الفقهاء فی الأفضل ، فمن ذهب إلى وجه منها فغیر معنف
علیه فی اختیاره ، وكان الأولى عندنا ما وافق ظاهر الآیة
والأصول " ١ هـ (ج - ٢ ص ٣١٩) .

وقال الإمام ابن عبد البر المالکی فی کتابه " الإستذکار لمذاهب
علماء الأمصار فیما تضمنه الموطأ من معانی الرأی والآثار " (ورأیت
قطعة من هذا الكتاب خطیة عند الشیخ داؤد الغزنوی من أصحاب
ظواهر الحدیث بلاحور) ما نصه :

« أقول وبالله التوفیق : إن الاختلاف فی التشهد ، و

فی الأذان والإقامة وعدد التكبير علی الجنائز ، وما یقرأ وما یدعی به فیها ، وعدد التكبير فی العیدین ، ورفع الأیدی فی رکوع الصلوات ، وفی التكبير علی الجنائز ، وفی السلام من الصلاة واحدة أو اثنتين ، وفی وضع الیمنی علی اليسری فی الصلوات ، وإرسال الیدین ، وفی القنوت وترکھ ، وما کان مثل هذا کله اختلاف مباح ، کالوضوء واحدة أو اثنتين أو ثلاثاً إلا أن فقهاء الحجاز والعراق الذین تدور علیهم وعلى أتباعهم الفتوی یتشددون فی الزیادة علی أربع تکبیرات علی الجنائز ویأبون من ذلك ! ولا وجه له لأن السلف کبروا ثمانیاً وسبعاً وستاً وخمساً وأربعاً وثلاثاً ، وقال ابن مسعود : « کبر ما کبر إمامک » وبه قال أحمد بن حنبل وهم أيضاً یقولون : إن الثلاث فی الوضوء أفضل من الواحدة السابعة . وكل ما وصفت لك قد نقاته الکافة من الخلف عن السلف ، ونقله التابعون بإحسان من السابقین نقلاً لا یدخله غلط ولا نسیان لأنها أشياء ظاهرة معمول بها فی بلدان الإسلام زمنناً بعد زمن ، یعرف ذلك علماؤهم وعوامهم من عهد نبیهم صلی الله علیه وسلم وهلم جرأ . فدل علی أن ذلك مباح کله وسعة ورحمة وتخیر ، والحمد لله . اهـ .

وقال شاه ولی الله بن عبد الرحیم المحدث الدهلوی فی " حجة الله البالغة " :

« إن أكثر صور الاختلاف بین الفقهاء لاسیما فی المسائل

التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين كتكبيرات التشريق وتكبيرات العيدين ، ونكاح المحرم ، وتشهد ابن عباس وابن مسعود ، والإخفاء بالبسملة وبآمين ، والإشفاق والإيتار في الإقامة ونحو ذلك إنما هو في ترجيح أحد القولين . وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية ، وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين ، ونظيره اختلاف القراء في وجوه القراءة وقد عللوا كثيراً من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون ، وأنهم جميعاً على الهدى ، ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية ، ويسلمون قضاء القضاة ، ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم ، ولا ترى أئمة المذاهب في هذه المواضع إلا وهم يجمعون القول ويبينون الخلاف ، يقول أحدهم : هذا أحوط ، وهذا هو مختار ، وهذا أحب إلى ، ويقول : ما بلغنا إلا ذلك ، وهذا كثير في "المبسوط" و"آثار محمد" رحمه الله . وكلام الشافعي رحمه الله . ثم خلف من بعدهم خلف اختصروا كلام القول فقروا الخلاف وثبتوا على مختار أئمتهم ، والذي يروى من السلف من تأكيد الأخذ بمذهب أصحابهم ، وأن لا يخرج منها بحال ، فإن ذلك إما لأمر جبلي ، فإن كل انسان يحب ما هو مختار أصحابه وقومه حتى في الزى والمطاعم أو لصولة ناشئة من ملاحظة الدليل أو لنحو ذلك من الأسباب ، فظن البعض تعصباً دينياً جاشاهم من ذلك . وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ

البسمة ، ومنهم من لا يقرؤها ، ومنهم من يجهر بها ، ومنهم من لا يجهر بها ، وكان منهم من يقنت في الفجر ، ومنهم من لا يقنت في الفجر ، ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ، ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة ، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ، ومنهم من يتوضأ مماسسته النار ، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ، ومنهم من يتوضأ من أكل لحم الإبل ، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك .

ومع هذا فكان بعضهم يصلي خلف بعض مثل ما كان أبو حنيفة أو أصحابه والشافعي وغيرهم رضى الله عنهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم وإن كانوا لا يقرؤون البسمة لا سراً ولا جهرأ ، وصلى الرشيد إماماً وقد احتجم ، فصلى الإمام أبو يوسف خلفه ولم يعد ، وكان أفتاه الإمام مالك بأنه لا وضوء عليه ، وكان الإمام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة فقميل له : فإن كان الإمام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ هل تصلي خلفه ؟ فقال : كيف لأصلي خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب . وروى أن أبا يوسف ومحمداً كانا يكبران في العيدن تكبير ابن عباس لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده . وصلى الشافعي رحمه الله الصبح قريباً من مقبرة أبي حنيفة رحمه الله فلم يقنت تأديباً معه . وقال أيضاً : "ربما انحدرنا إلى مذهب أهل العراق"

وقال مالك رحمه الله للمنصور وهارون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقاً (۱) . وفي " البرازية " عن الإمام الثاني - وهو أبو يوسف رحمه الله - أنه صلى يوم الجمعة مغتسلاً من الحمام وصلى بالناس وتفرقوا ، ثم أخبر بوجود فأرة ميتة في بئر الحمام فقال : إذا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة "إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثاً" انتهى . وسئل الإمام الحنفي رحمه الله عن رجل شافعي المذهب ترك صلاة سنة أو سنتين ،

(۱) يعني ما ذكره سابقاً في " باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء " ما نصه :

" ولما جج المنصور قال لمالك : « قد عزمت أن أمر بكتبك هذه التي صنفتها فتنسخ ثم أبعث في كل مصر من أمصار المسلمين منها نسخة ، وأمرهم بأن يعملوا بما فيها و لا يتعدوه إلى غيره » فقال : « يا أمير المؤمنين لا تفعل هذا فإن الناس قد سبقك إليهم أقاويل ، وسمعوا أحاديث ، ورووا روايات ، وأخذ كل قوم بما سبق إليهم وأتوا به من اختلاف ، فدع الناس وما اختار أهل كل بلد منهم لأنفسهم » ويحكى نسبة هذه القصة إلى هارون الرشيد ، وأنه شاور مالكا في أن يعلق " الموطأ " في الكعبة ، ويحمل الناس على ما فيه فقال : « لا تفعل فإن أصحاب رسول الله ﷺ اختلفوا في الفروع وتفرقوا في البلدان ، وكل سنة مضت » قال : « وفقك الله يا أبا عبد الله » حكاه السيوطي (ج - ۱ ص ۱۴۵) .

ثم انتقل إلى مذهب أبي حنيفة رحمه الله ، كيف يجب عليه
القضاء ، أيقضيها على مذهب الشافعي أو على مذهب أبي حنيفة ؟
فقال : ” على أي المذهبين قضى بعد أن يعتقد جوازها
جاء ” انتهى . وفي ” جامع الفتاوى ” أنه إن قال جنتي : إن
تزوجت فلانة فهي طالق ثلاثاً ، ثم استفتي شافعيًا فأجاب
أنها لا تطلق ويمينه باطل فلا بأس باقتداء بالشافعي في هذه
المسألة ، لأن كثيراً من الصحابة في جانبه . قال محمد رحمه
الله في ” أماليه ” : لو أن فقيهاً قال لامرأته : أنت طالق البتة ،
وهو ممن يراها ثلاثاً ، ثم قضى عليه قاض بأنها رجعية ،
وسعه المقام معها . وكذا كل فصل مما يختلف فيه الفقهاء من
تحريم أو تحليل أو اعتاق أو أخذ مال أو غيره ، ينبغي للفقهاء المقضى
عليه الأخذ بقضاء القاضي ، ويدع رأيه ويأزم نفسه ما ألزم
القاضي ويأخذ ما أعطاه ، قال محمد رحمه الله : وكذلك رجل
لا علم له ، ابتلى بهلية فسأل عنها الفقهاء ، فأفتوه فيها بحلال
أو بحرام ، وقضى عليه قاضي المسلمين بخلاف ذلك ، وهي
مما يختلف فيه الفقهاء ، فينبغي له أن يأخذ بقضاء القاضي و
يدع ما أفتاه الفقهاء ، انتهى . (ج - ۱ ص ۱۵۸ حتى ۱۶۰)
وقال الإمام الرباني محمد بن الحسن الشيباني في » باب القراءة خلف
الإمام « من » المؤطا « : » أخبرنا أسامة بن زيد المدني : حدثنا
سالم بن عبد الله بن عمر قال : كان ابن عمر لا يقرأ خلف الإمام .
قال : فسألت القاسم بن محمد عن ذلك ، فقال : إن تركت فقد

ترکه ناس یقتدی بهم ، وإن قرأت فقد قرأه ناس یقتدی بهم .
 وكان القاسم ممن لا یقرأ « ۱ هـ . وأخرجه الحافظ البیهقی فی " کتاب
 القراءة خلف الإمام " (۱) من طریق جعفر بن عون أنبأ أسامة
 ابن زید قال : سألت القاسم بن محمد عن القراءة خلف الإمام
 قال : إن قرأت فقد قرأ قوم کان فیهم أسوة والأخذ بأمرهم ،
 وإن ترکت فقد ترک قوم کان فیهم أسوة . قال : وكان ابن عمر
 لا یقرأ . وأخرج الخطیب البغدادی فی " تاریخہ " (۲) بسنده إلى ابن
 لہیعة مفتی مصر فی عصره قال : « حج الأعمش من " الکوفة " و
 ومالك بن أنس من " المدينة " وعثمان البتی من " البصرة " فجلسوا
 فی المسجد الحرام یفتون یخالف بعضهم بعضاً . فقال رجل للأعمش :
 أتخالف أهل المدينة ؟ فقال : قدیماً اختلفنا وإياهم فرضینا بعلمائنا
 ورضوا بعلمائهم « ۱ هـ . وأخرج الحافظ ابن عبد البر فی " الإلتقاء
 فی فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء " (۳) بسنده إلى مالك الإمام قال :
 « قال لی المهدي : یا أبا عبد الله ضع لی کتاباً أحمل الأمة
 علیه ! فقلت له : یا أمیر المومنین أما هذا السقع - وأشار إلى المغرب -
 فقد کفیتک . وأما الشام ففیهم الرجل الذی علمته - یعنی الأوزاعی -
 وأما أهل العراق فهم أهل العراق « ۱ هـ .

وقال العلامة تاج الدین السبکی فی " جمع الجوامع " :

(۱) ص ۱۴۷ طبع دهلی بالهند .

(۲) تاریخ بغداد ج - ۸ ص ۱۶۶ . (۳) ص ۴۰ .

”إن الشافعي ومالكاً وأبا حنيفة والسفيانين وأحمد والأوزاعي
واسحاق ودأود وسائر أئمة المسلمين على هدى من ربهم“ (۱)
وقال الحافظ ابن تيمية في ”منهاج السنة النبوية في نقض كلام
شيعية والقدرية“:

”وهؤلاء أهل العلم الذين يبحثون الليل والنهار عن العلم ،
وليس لهم غرض مع أحد ، بل يرجحون قول هذا الصحابي
تارة ، وقول هذا الصحابي تارة ، بحسب ما يرونه من أدلة
الشرع كسعيد بن المسيب وفقهاء ”المدينة“ مثل عروة بن
الزبير ، والقاسم بن محمد ، وعلي بن الحسين ، وأبي بكر
ابن عبد الرحمن ، وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، وسليمان بن
يسار ، وخارجة بن زيد ، وسالم بن عبد الله بن عمر وغير
هؤلاء ، ومن بعدهم كابن شهاب الزهري ، ويحيى بن سعيد ،
وأبي الزناد ، وربيعه ، ومالك بن أنس ، وابن أبي ذئب ،
وعبد العزيز الماجشون وغيرهم . ومثل طاؤس اليماني ، و
مجاهد ، وعطاء ، وسعيد بن جبير ، وعبيد بن عمير ،
وعكرمة مولى ابن عباس ، ومن بعدهم مثل عمرو بن دينار
وابن جريج ، وابن عينة وغيرهم من أهل ”مكة“ ومثل
الحسن البصري ، ومحمد بن سيرين ، وجابر بن زيد أبي الشعثاء

(۱) راجع الجزء الثاني من ”حاشية البناني على شرح الجلال
المحلي على جمع الجوامع“ ص ۳۴۷ طبع بولاق بمصر عام ۱۲۹۷ هـ .

ومطرف بن عبد الله بن الشخير . ثم أيوب السختياني ، و
عبد الله بن عون ، وسليمان التيمي ، وقتادة ، وسعيد ابن
أبي عروبة ، وحماة بن سلمة ، وحماة بن زيد وأمثالهم . ومثل
علقمة ، والأسود ، وشرح القاضي وأمثالهم . ثم إبراهيم
النخعي ، وعامر الشعبي ، والحكم بن عتيبة ، ومنصور بن
المعتمر - إلى - سفيان الثوري ، وأبي حنيفة ، وابن أبي ليلى ،
وشريك - إلى - وكيع بن الجراح ، وأبي يوسف ومحمد بن
الحسن وأمثالهم . ثم الشافعي ، وأحمد بن حنبل ، وإسحاق بن
راهويه ، وأبو عبيد القاسم بن سلام ، والحميد بن عبد الله
ابن الزبير ، وأبو ثور ، ومحمد بن نصر المروزي ، ومحمد
ابن جرير الطبري ، وأبو بكر بن المنذر . “ (ج - ٣ ص
١٤٢)

وقال أيضاً في موضع آخر منه :

”فقد جاء بعد أولئك في قرون الأمة من يعرف كل أحد
زكاءهم وذكاءهم مثل سعيد بن المسيب ، والحسن البصري ،
وعطاء بن أبي رباح وإبراهيم النخعي ، وعلقمة ، والأسود ،
وعبيدة السلماني ، وطاؤس ، ومجاهد ، وسعيد بن جبير ، و
أبي الشعثاء جابر بن زيد ، وخارجة بن زيد ، وعلي بن
الحسين ، وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، وعروة بن الزبير ،
والقاسم بن محمد بن أبي بكر وأبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث
ابن هشام ، والمطرف بن الشخير ، ومحمد بن واسع ، وحبيب

العجمی ، ومالك بن دينار ، ومكحول ، والحکم بن عتیبہ ،
 ویزید بن أبی حبيب ، ومن لا یحصى عددهم إلا الله . ثم
 بعدهم أبوب السختیانی ، وعبد الله بن عون ، ویونس بن
 عبید ، وجعفر بن محمد ، والزهری ، وعمرو بن دينار ،
 وبیحی بن سعید الأنصاری ، وربیعہ بن أبی عبد الرحمن ، و
 أبو الزناد ، وبیحی بن أبی کثیر ، وقتاده ، ومنصور بن
 المعتمر ، والأعمش ، وحما د بن أبی سلیمان ، وهشام الدستوائی
 وسعید بن أبی عروبة . ومن بعد هؤلاء مثل مالك بن أنس ،
 وحما د بن زید ، وحما د بن سلمة ، واللیث بن سعد ، و
 الأوزاعی ، وأبى حنیفة وابن أبی لیلی ، وشریک ، وابن
 الماجشون . ومن بعدهم مثل یحیی بن سعید القطان ، وعبد الرحمن
 ابن مهدی ، ووکیع بن الجراح ، وعبد الرحمن بن القاسم ،
 وأشهب بن عبد العزیز ، وأبى یوسف ، ومحمد بن الحسن ،
 والشافعی ، وأحمد بن حنبل ، واسحاق بن راهویه ، وأبى عبید
 وأبى ثور وهم من أعظم الناس نظراً فی العلم وكشفاً
 لحقائقه“ اهـ (منهاج السنة ج - ۱ ص ۱۶۷ و ۱۶۸)

فهؤلاء الأئمة الأعلام والقادة الكرام كلهم على هدى من ربهم ،
 بذلوا جهدهم فی اصابة کبد الحق رضی الله عنهم وعن اتباعهم .
 ومنا جزیل الشکر للأئمة المتبوعین الذین لهم لسان صدق فی الإسلام
 على ما مهدوا لنا السبل وأوضحوا لنا الطرق حیث بذلوا الجهد رضی
 الله عنهم فی تمهید قواعد الاستنباطات ، وتنقیح أصول التخریجات

وتفصيل وجوه التفريعات ، وتوضيح طرق حمل النظير على النظير عند عدم النصوص في حين نزول النوازل والواقعات . وعلى تدوينهم الفقه وتصنيفهم الكتب ، ولولا ذلك لما تيسر لنا تفصيل الشريعة ، ولبقينا في حيرة ، وانغلاق الباب وانقطع الخطاب .

ولم تكن مناظرة بين السلف إلا لتفهم وجه الصواب وحصول تلج الصدر في مسألة الباب فيصار إليه ، ويعرف أصل القول وعلته فيجري عليه أمثله ونظائره ، ولا يخفى أن الاختلاف إذا تدافع فهو خطأ وصواب ، (١) والواجب حينئذٍ على المجتهد طلب الدليل من

(١) وروى ابن أبي العوام عن الطحاوي عن سليمان بن شعيب الكيسان عن أبيه قال : أُملي علينا محمد بن الحسن وقال : « إذا اختلف الناس في مسألة ، فحرم فقيه وأحل آخر ، وكلاهما يسعه أن يجتهد رأيه ، فالصواب عند الله عز وجل واحد ، حلال أو حرام ولا يكون عنده حلال وحرام وهو شيء واحد ، ولكن الصواب عنده عز وجل واحد . وقد كلف من وسعه إجتهد الرأي أن يجتهد رأيه حتى يصيب الحق الذي عنده في رأيه ، فإن أصاب الحق الذي هو عند الله عز وجل في رأيه وإجتهاده وسعه ذلك ، وكان قد أصاب ما كلف به وإداه ، وإن كان قد أصاب ما كلف به من اجتهاده في رأيه ولم يصيب الحق عند الله عز وجل بعينه فقد أدى ما كلف به وكان مأجوراً . فأما أن يقول قائل قد أحل فقيه وحرم فقيه في فرج واحد وكلاهما صواب عند الله عز وجل فهذا ما لا ينبغي أن يتكلم به ، ولكن الصواب عند الله عز وجل واحد ، وقد أدى القوم ما كلفوا به حين اجتهدوا وقالوا باجتهادهم ، ووسعهم الذي فعلوا

الكتاب والسنة والإجماع والقياس على الأصول منها لكي يتبين له الخطأ من الصواب . وبصير في المسئلة إلى ما وافق الكتاب أو السنة أو الإجماع أو كان أصح في القياس . فلذلك ترى المجتهدين خطأ بعضهم بعضاً ونظر بعضهم في أقاويل بعض وتعقبها . قال الحافظ ابن تيمية في "منهاج السنة" :

" وأول من أظهر الخلاف لمحمد بن الحسن ورد عليه الشافعي ، فإن محمد بن الحسن أظهر الرد على مالك وأهل المدينة - وهو أول من عرف عنه رد على مخالفه - فنظر الشافعي في كلامه ، وانتصر لما تبين له أنه الحق من قول أهل المدينة ، وكان انتصاره في الغالب لمذهب أهل الحجاز وأهل الحديث . ثم إن عيسى بن أبان صنف كتاباً تعرض فيه بالرد على الشافعي فصنف ابن سريج كتاباً في الرد على عيسى بن أبان " (ج - ٤ ص

(١٤٣)

وما قال ابن تيمية من أن محمد بن الحسن : « هو أول من عرف عنه رد على مخالفه » فسيه نظر من حيث أن الإمام أبا يوسف رحمه الله قد أظهر الرد قبله على الإمام مالك بن أنس رحمه الله فقد

وإن كان أحدهما قد أخطأ الذي كان ينبغي أن يقول به إلا أنه قد اجتهد فقد أدى ما كلف به وإن كان أخطأ لأن الصواب عند الله عز وجل في الأشياء كماها واحد ، وهذا كله قول أبي حنيفة وأبي يوسف و قولنا هـ (بلوغ الأمان ص ٤٦ و ٤٧)

ذكر ابن النديم في "كتاب الفهرست" له من تصانيفه «كتاب الرد على مالك بن أنس» وأول من عرف عنه رد على مخالفه في الفروع هو عالم الشام الإمام الأوزاعي رحمه الله على ما بلغنا والله اعلم . فإنه قد أظهر الرد على "كتاب السير" للإمام أبي حنيفة فرد عليه الإمام أبو يوسف . (۱) وكتاب أبي يوسف قد طبع بمصر بتحقيق العلامة الشهير أبي الوفاء الأفعاني وتعليقاته القيمة ، عنيت بإشرافه "لجنة إحياء المعارف النعمانية" بحيدرآباد الدكن بالهند والشافعي رحمه الله كما أظهر الخلاف لمحمد بن الحسن ورد عليه كذلك أظهر الخلاف لمالك ورد عليه (۲) وقد صرح الإمام الكوثري في "بلوغ الأمان في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني" :

(۱) أخرج الحاكم من طريق عمرو بن خالد قال : جاءني الشافعي فأخذ مني كتاب موسى بن أعين وهو "كتاب اختلاف الأوزاعي وأبي حنيفة" قال البيهقي : «هو كتاب في السير أصله لأبي حنيفة فرد عليه فيه الأوزاعي فرد أبو يوسف على الأوزاعي رده على أبي حنيفة . فأخذه الشافعي ورد على أبي يوسف رده على الأوزاعي . وهو الكتاب المعروف بسير الأوزاعي» قال الحافظ ابن حجر العسقلاني : «وهو من جملة كتب الأم» (راجع نوال التانيس بمعالى ابن إدريس ص ۷۸ طبع الميرية ببولاق مصر)

(۲) قال الإمام فخر الدين الرازي في "كتاب مناقب الشافعي" له :

« أن رد الشافعي على مالك وأهل المدينة أفسى من
رد محمد بن الحسن عليهم » اهـ (ص ٢٣)
وقال فيه أيضاً :

« إن محمد بن الحسن سمع "الموطأ" من مالك لكنه
كان يرى أن في آراءه ما يرد عليه حتى صنف كتاب
"الحجج" المعروف "بالاحتجاج على أهل المدينة" . . .
. وهو كتاب قلما تجد له نظيراً في كتب
الردود ، وتلقى فيما رد به الشافعي على مالك أثر ذلك
الكتاب ملموساً في جميع خطوات الرد الوارد ، ولا تجد

" قال البيهقي : قرأت في كتاب أبي يحيى زكريا بن
يحيى الساجي : أن الشافعي رضى الله عنه إنما وضع
الكتاب على مالك لأنه بلغه أن بالأندلس قلنسوة لمالك
يستشفى بها . وكان يقال لهم : « قال رسول الله ﷺ »
فيقولون : « قال مالك » فقال الشافعي : « إن مالكا
آدمي قد يخبط ويغلط » فصار ذلك داعياً للشافعي إلى
وضع الكتاب على مالك . وكان يقول : « كرهت أن
أفعل ذلك ولكنني استخرت الله تعالى فيه سنة » وقال
الربيع : سمعت الشافعي رضى الله عنه يقول : « قدمت
مصر ولا أعرف أن مالكا يخالف من أحاديثه إلا ستة
عشر حديثاً فنظرت فإذا هو يقول بالأصل وبدع
الفرع ، ويقول بالفرع وبدع الأصل » (ص ١٤ طبع
مصر)

مثل تلك الاجادة فيما رد به الشافعى على محمد فى بعض

مسائله « ا ه (ص ۱۳)

وكتاب محمد هذا قد رواه الإمام الشافعى فى " الأم " وعلق عليه
فى كل مسألة إما انتصاراً لرأى أبى حنيفة وإما موافقة لرأى مالك .
قال الشيخ أبوزهرة فى كتابه " أبوحنيفة " :

« ولهذا الكتاب قيمة من ناحيتين

(احداهما) أنه ثابت السند صادق الرواية ، وحسبك

أن تعلم أن الشافعى رواه ودونه فى " الأم "

(ثانيهما) أن الكتاب فيه استدلال بالقياس والسنة

والآثار فهو من الفقه المقارن ، وإذا أضيف إليه

تعليقات الشافعى وموازنته بين الآراء المختلفة كان فقهاً

مقارناً ممحصاً موزوناً " ا ه (ص ۲۱۶)

ولمحمد بن عبد الله بن عبد الحكم رد على الشافعى فيما وقع له

من خلاف للحديث المسند ينتصر بذلك لمالك رحمه الله فى عيب الشافعى

له فيما ترك من المسند للعمل عنده ، كما فى كتاب " الانتقاء "

للمحافظ ابن عبد البر . وممن رد على الشافعى من أكابر المالكية أبو الفرج

المالكي واسماعيل بن اسحاق القاضى . قال الفخر الرازى فى " مناقب

الشافعى " : « إنها صنفا فى الرد على الشافعى كتابين ، ولا إبراهيم بن

حامد بن اسحاق ابن أخى اسمعيل القاضى المذكور ايضاً » كتاب الرد

على الشافعى " ذكره ابن النديم فى كتاب " الفهرست " .

وممن رد على مالك في هذا العصر ابراهيم بن اسماعيل بن عليّة
قال ابن حجر : « وله كتاب في الرد على مالك نقضه عليه أبو جعفر
الأبهري صاحب أبي بكر الأبهري » وذكر ابن النديم في « الفهرست »
« أن كتاب الرد على ابن عليّة سبعون مسألة ولم يتمه » .

وممن رد على الشافعي من قد ماء ساداتنا الحنفية غير عيسى بن
أهان المذكور بكار بن قتيبة أبو هكرة البكر اوى البصرى قاضى مصر
صنف كتاباً جليلاً رد فيه على الشافعي ونقض فيه رده على أبي حنيفة .
وعلى بن موسى أبو الحسن القمى قال ابن النديم : « تكلم على كتب
الشافعي ونقضها » وعلى بن محمد بن الحسن أبو القاسم النخعي الكوفي
المعروف بابن كأس قال الجافظ قاسم في « تاج التراجم » : « وله
كتاب نقض فيه على الشافعي » والحسن بن اسحاق بن نبيل أبو سعيد
النيسابورى ثم المعرى قاضى « معرة النعمان » قال ابن العديم : « له
كتاب الرد على الشافعي فيما خالف فيه القرآن » والمفضل بن مسعود
بن محمد بن يحيى بن أبي الفرح التنوخى القاضى قال الجافظ القرشى :
« له كتاب التنبية رد فيه على الشافعي ذكر فيه ما خالف النصوص
من القرآن والحديث » .

هذا وكان دأب أصحابنا هؤلاء في التثبت وصحة النقل وعزو
القول إلى قائله ما ذكره الجافظ ابن حجر العسقلانى في « رفع الإصر
عن قضاة مصر » مانصه :

« قال ابن زولاق : كان لبكار اتساع في العلم والمناظرة ،

ولما رأى « مختصر المزنى » وما فيه من الرد على أبي حنيفة

شرع هو في الرد على الشافعي ، فقال لشاهدين من
شهوده : اذهبا إلى المزني فقولاه : سمعت الشافعي
يقول ما في هذا الكتاب . فمضيا وسمعا "المختصر" كله
من المزني ، وسألاه : أسمعت الشافعي يقول هذا ؟ قال :
نعم . فعادا إلى بكار فأخبراه بذلك ، فقال : الآن استقام
لنا أن نقول : « قال الشافعي » ثم صنف الرد المذكور
(ص ۱۵۱)

قلت : وذكر ابن النديم في "كتاب الفهرست" أن للمزني من
الكتب : « كتاب المختصر الصغير » الذي بيد الناس ، وعليه يعول
أصحاب الشافعي وله يقرأون ، وإياه يشرحون ، وله روايات مختلفة
وأكثرها ما رواه النيسابوري الأصم ، وابن الأکفاني عبد الله بن
صالح ، وأخر حروري الجوهري واسمه أحمد بن موسى "كتاب المختصر
الكبير" وهو متروك « اه والظن أن رد بكار هذا كان على "كتاب
المختصر الكبير" الذي هو متروك منذ دهر ، لا على "كتاب المختصر
الصغير" الذي هو متداول بين الناس إلى الآن .

وبالجملة قد كان الخلاف بين هؤلاء الأئمة خلافاً في الرأي والبرهان ؛
غاية الأمر أن يعتقد أن مذهبه صواب يحتمل الخطأ ، ومذهب غيره
خطأ يحتمل الصواب كما هو شأن المسائل الاجتهادية ، كمثل قوم اشتبهت
عليهم القبلة فاجتهدوا في اصابة الجهة فوق الاختلاف في التحري وصلى
كل منهم إلى جهة أدى إليها اجتهاده . ففي هذه الصورة يعتقد كل
واحد منهم أنه أصاب جهة القبلة وأخطأ غيره مع الاحتمال أن يقع عكس

59559

ذلك . وقل أن ترى بين أئمة المذاهب المتبوعين رضى الله عنهم عداً
حاداً لإلحاق الحجة بالحجة والبرهان بالبرهان من غير تضليل ولا تفسيق
ولاتأثير ولا عدوان . والأسباب الموجبة للخلاف في هذه الملة ثمانية .

(الأول) اشتراك الألفاظ والمعاني

(الثانى) الحقيقة والمجاز

(الثالث) الأفراد والتركيب

(الرابع) الخصوص والعموم

(الخامس) الرواية والنقل

(السادس) الاجتهاد فيما لا نص فيه

(السابع) النسخ والمنسوخ

(الثامن) الإباحة والتوسيع

وتفصيل ذلك في كتاب ألفه العلامة أبو محمد عبد الله بن محمد
ابن السيد البطلبوسى وسماه "الانصاف فى التنبيه على الاسباب التى
أوجبت الاختلاف بين المسلمين فى آرائهم" . عنى بطبعه الشيخ أحمد
بن عمر الحمصانى البهرونى الأزهرى بمصر سنة ١٣١٩ هـ ، وهو كتاب
حسن فى بابيه فراجع إن شئت .

ثم انتهى هذا الطور وأخذت العصبية تنزايد يوماً فيوماً بسبب
المناظرات والمجادلات التى وقعت بين الفقهاء لرغبة الولاة فى ذلك ،
وتفصيله على ما ذكره الغزالى فى "الاحياء" :

”أن الخلافة بعد رسول الله ﷺ تولوها الخلفاء الراشدون المهديون ، وكانوا أئمة علماء بالله تعالى ، فقهاء في أحكامه ، وكانوا مستقلين بالفتاوى في الأقضية ، وكانوا لا يستعينون بالفقهاء إلا نادراً في وقائع لا يستغنى فيها عن المشاورة فتفرغ العلماء لعلم الآخرة وتجردوا لها . وكانوا يتدافعون الفتاوى وما يتعلق بأحكام الخلق من الدنيا ، وأقبلوا على الله تعالى بكنهه اجتهداهم كما نقل من سيرهم . فلما أفضت الخلافة بعدهم إلى أقوام تولوها بغير استحقاق ولا استقلال بعلم الفتاوى والأحكام اضطروا إلى الاستعانة بالفقهاء وإلى استصحابهم في جميع أحوالهم لاستفتائهم في مجارى أحكامهم . وكان قد بقي من علماء التابعين من هو مستمر على الطراز الأول ، وملازم صفو الدين ، ومواظب على سميت علماء السلف ، فكانوا إذا طلبوا هربوا وأعرضوا ، فاضطر الخلفاء إلى الإلحاح في طلبهم لتولية القضاء والحكومات ، فرأى أهل تلك الأعصار عز العلماء وإقبال الأئمة والولاء عليهم مع إعراضهم عنهم ، فأشربوا لطلب العلم توصلوا إلى نبيل العز ودرك الجاه من قبل الولاية ، فأكبوا على علم الفتاوى وعرضوا أنفسهم على الولاية وتعرفوا إليهم وطلبوا الولايات والصلوات منهم ، فمنهم من حرم ومنهم من أنجح ، والمنجح لم يخل من ذل الطلب ومهانة الإبتدال ،

فأصبح الفقهاء بعد أن كانوا مطلوبين طالبين ، وبعد أن كانوا أعزة بالأعراض عن السلاطين أذلة بالاقبال عليهم إلا من وفقه الله تعالى في كل عصر من علماء دين الله . وقد كان أكثر الاقبال في تلك الأعصار على علم الفتاوى والأقضية لشدة الحاجة إليها في الولايات والحكومات .

ثم ظهر بعدهم من الصدور والأمراء من يسمع مقالات الناس في قواعد العقائد ، ومالت نفسه إلى سماع الحجج فيها ، فعلمت رغبته إلى المناظرة والمجادلة في الكلام فأكب الناس على علم الكلام ، وأكثروا فيه التصانيف ، ورتبوا فيه طرق المجادلات ، واستخرجوا فنون المناقضات في المقالات ، وزعموا أن غرضهم الذب عن دين الله والنضال عن السنة وقمع المبتدعة ، كما زعم من قبلهم أن غرضهم بالاشتغال بالفتاوى الدين وتقليد أحكام المسلمين إشفاقاً على خلق الله ونصيحة لهم .

ثم ظهر بعد ذلك من الصدور من لم يستصوب الخوض في الكلام ، وفتح باب المناظرة فيه لما كان قد تولد من فتح بابه من التعصبات الفاحشة والخصومات الفاشية المفضية إلى اهراق الدماء وتخريب البلاد ، ومالت نفسه إلى المناظرة في الفقه وبيان الأولى من مذهب الشافعي وأبي حنيفة رضي الله عنهما على الخصوص ، فترك الناس

الكلام وفنون العلم ، وانثالوا على المسائل الخلافية بين الشافعي وأبي حنيفة على الخصوص ، وتساهلوا في الخلاف مع مالك وسفيان وأحمد رحمهم الله تعالى وغيرهم ، (١) وزعموا أن غرضهم استنباط دقائق الشرع ، وتقرير علل المذهب ، وتمهيد أصول الفتاوى ، وأكثروا فيها التصانيف والاستنباطات ، ورتبوا فيها أنواع المجادلات والتصنيفات وهم مستمررون عليه إلى الآن“ ا هـ .

ثم تعاظم الأمر وتفاقم الشر حين وقعت فتنة المزاحمة على القضاء التي أثارها الشيخ أبو حامد الأسفرايني الشافعي في أواخر القرآن الرابع كما شرحه المقرئ في كتابه ”المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار“ حيث قال :

”إن أبا حامد الأسفرايني لما تمكن من الدولة في أيام الخليفة القادر بالله أبي العباس أحمد قرر معه استخلاف

(١) قال شارح ”الإحياء“ الإمام مرتضى الزبيدي في ”انحاف السادة المتقين بشرح أسرار إحياء علوم الدين“ ما نصه :

” (وتساهلوا في الخلاف مع مالك) رحمه الله لأن أكثر مقلدى مذهبه مغاربة وهم بادية فلذلك لم يصنفوا فيه كتباً إلا ما كان من المتأخرين منهم (وسفيان) ابن سعيد الثوري (واحمد) ابن حنبل لقلّة مقلدى مذهبها بالنسبة إلى الأولين“ (ج - ١ ص ٢٨١)

أبي العباس أحمد بن محمد البارزى (١) الشافعى عن
أبي محمد بن الأكفانى الحنفى قاضى بغداد ، (٢) فأجيب
إليه بغير رضا الأكفانى وكتب أبو حامد إلى السلطان
محمود بن سبكتكين وأهل خراسان : أن الخليفة نقل
القضاء عن الحنفية إلى الشافعية ، فاشتهر ذلك بخراسان

(١) كذا وقع فى النسخة المطبوعة من " الخطط " والصواب
" الباوردى " قال عز الدين ابن الأثير فى " اللباب فى تهذيب الأنساب " :
" الباوردى " بفتح الباء الموحدة وسكون الراء وفى آخرها الدال ،
هذه النسبة إلى بلدة بنواحي خراسان يقال لها " أبيورد " ا هـ .
وترجم له السمعانى فى " الأبيوردى " من كتاب الأنساب فقال :
" الأبيوردى " بفتح الألف وكسر الباء الموحدة وسكون الياء المنقوطة
من تحتها باثنتين وفتح الواو وسكون الراء وفى آخرها الدال المهملة ،
هذه النسبة إلى " أبيورد " وهى بلدة من بلاد خراسان ، وقد ينسب
إليها " الباوردى " والمشهور بهذه النسبة وهى الصحيحة أبو العباس
أحمد بن محمد بن عبد الرحمن بن سعيد الأبيوردى أحد الفقهاء الشافعيين
من أصحاب أبي حامد الأسفراينى سكن " بغداد " وولى بها القضاء
على الجانب الشرقى بأسره و " مدينة المنصور " فى أيام ابن الأكفانى
ثم عزل ورد ابن الأكفانى إلى عمله وذكره الخطيب فى " تاريخ
بغداد " وقال حدثنى محمد بن على الصورى أنه سأل الأبيوردى عن
مولده فقال : فى سنة سبع وخمسين وثلاثمائة . ومات فى يوم السبت
من جمادى الآخرة سنة خمس وعشرين وأربعمائة ا هـ .

(٢) ذكره الحافظ الذهبى فى " العبر فى خبر من غبر " فى

وصار أهل بغداد حزبين ! وقدم بعد ذلك أبو العلاء
صاعد بن محمد قاضی نيسابور ورئيس الحنفية بخراسان
فأتاه الحنفية فثارت بينهم وبين أصحاب أبي حامد فتنة
ارتفع أمرها إلى السلطان ، فجمع الخليفة القادر الأشراف
والقضاة وأخرج إليهم رسالة تتضمن أن الأسفراييني
أدخل على أمير المؤمنين مداخل أوهم فيها النصيح والشفقة
والأمانة ، وكانت على أصول الدخل والخيانة ! فلما تبين
له أمره ، ووضح عنده خبث اعتقاده فيما سأل فيه من
تقليد البارزي الحكم بالحضرة من الفساد والفتنة ، والعدول
بأمر المؤمنين عما كان عليه أسلافه من إثارة الحنفية وتقليدهم
واستعمالهم . صرف البارزي وأعاد الأمر إلى حقه ،

وفيات سنة خمس وأربعمأة فقال :

« وفيها توفي أبو محمد بن الأكفاني ، قاضی القضاة ،
عبدالله بن محمد الأسدي البغدادي . حدث عن المحاملي
وابن عقدة وخلق . قال أبو اسحاق ابراهيم بن أحمد الطبري :
من قال إن أحداً أنفق على أهل العلم مائة ألف دينار فقد
كذب غير أبي محمد بن الأكفاني . قلت : ولي القضاء
بالعراق سنة ست وتسعين ، وعاش تسعا وثمانين سنة » اهـ .

قلت : وترجمة ابن الأكفاني مستوفاة في " تاريخ بغداد " للخطيب
والمنتظم " لابن الجوزي و " كتاب الأنساب " للسمعاني و " البداية والنهاية " لابن كثير
والنجوم الزاهرة " لابن تغري بردي .

وأجراه على قديم رسمه ، وحمل الحنفيين على ما كانوا عليه من العناية والكرامة والحرمة والاعزاز ، وتقدم إليهم بأن لا يلقوا أبا حامد ، ولا يقضوا له حقاً ، ولا يردوا عليه سلاماً ، وخلع على أبي محمد الألفاني . وانقطع أبو حامد عن دار الخلافه ، وظهر التسخط عليه والا انحراف عنه وذلك في سنة ثلاث وتسعين وثلاث مائة“ واتصل ببلاد الشام ومصر « ۱ هـ . (۱)

(۱) المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار ج - ۲ ص ۳۳۳ و ۳۳۴ طبع بولاق القاهرة عام ۱۳۷۰ . وقد حاول صاحب كتاب ” تنبيه الباحث السرى إلى ما فى رسائل وتعاليق الكوثرى “ — وهذا الكتاب تحقيق بأن يسمى « تشغيب الباهت المفترى » — تكذيب ما أورده المقرئى فى هذا الباب ظناً منه « أن المقرئى حنفى متعصب متحامل على علماء المسلمين متجههم على ما لا يحسنه » وهذا رجم بالظن الكاذب بل الأمر خلاف ما زعمه فإن المقرئى حينما جاز العشرين تحول شافعيّاً وكان كثير التعصب على السادة الحنفية قال السخاوى فى ” الضوء اللامع “ : « وتفقه حنفياً على مذهب جده لأمه وحفظ مختصراً فيه ثم لما ترعرع وذلك بعد موت والده فى سنة ست وثمانين وهو حينئذ قد حاز العشرين تحول شافعيّاً واستقر عليه أمره لكنه كان مائلاً إلى الظاهر « ۱ هـ . (ج ۲ - ص ۲۲) وقال عبد الحئى بن العماد الحنبلى فى ترجمته من ” شذرات الذهب “ : « إنه كان كثير التعصب على السادة الحنفية وغيرهم لميلاه إلى مذهب الظاهر « (ج ۷ ص ۲۵۵) .

ولم يمثّل أبو حامد أمر أمير المؤمنين بل أصر وأستكبر وهدد الخليفة بالعزل قال التاج السبكي في طبقاته:

” وكان الشيخ أبو حامد رفيع الجاه في الدنيا ، ووقع من الخليفة أمير المؤمنين ما أوجب أن كتب إليه الشيخ أبو حامد : « إعلم أنك لست بقادر على عزلى عن ولا يتى التى ولانيها الله تعالى ، وأنا أقدر أن أكتب رقعة إلى خراسان بكلمتين أو ثلاث اعزلك عن خلافتك

ا هـ . (ج - ۳ ص ۲۶)

والتاج السبكي خاف فضيحة أبي حامد فطوى الكشح عن ذكر هذه القصّة ، وإنما ذكر منها ما يدل على جلالته ، وهذا من عيوب كتابه يسرد ما يوافق هواه ويحذف ما يخالفه سامحه الله وعافاه .

وعلى مثل هذه أصول الدخل والخيانة التى صدرت من أبي حامد فى استخلاف الأبيوردى وكتبه إلى السلطان محمود بن سبكتكين وأهل خراسان : « أن الخليفة نقل القضاء عن الحنفية إلى الشافعية » جرى عصره القفال المروزى حيث سجل فى ” فتاواه “ من صلاة زعم أن أبا حنيفة لا يجوز دونها وحكى أنه لما صلاها بحضرة السلطان محمود الغزنوى انتقل السلطان من مذهب أبي حنيفة إلى مذهب الشافعى والحكاية بطولها مذكورة فى الكتاب (۱) وهى صلاة

(۱) نقلها مسعود عن الجوينى راجع ص ۲۷۲ و ۲۷۳

القفال لا صلاة أبي حنيفة والحكاية كلها مختلفة . وتجدد التوسع في التدليل على اختلاق الأسطورة في «نظم الجمان في طبقات فقهاء مذهب النعمان» لابن دقاق المؤرخ . وفي «عقد الجمان في تاريخ الزمان» للبدر العيني وغيرهما . وقد أجاد شمس الأئمة محمد بن عبد الستار الكردي جد الاجادة في الرد عليها تفصيلاً في كتابه «الرد على الطاعن المعثار والانتصار لسيد فقهاء الأمصار» كما في «احقاق الحق» للإمام الكوثري وكذا المصنف رحمه الله (١) والحنفية يتحاشون عن صدور تلك الفعلية من مثل هذا الشيخ (٢) لكن التاج السبكي يصرح في «طبقاته» أنه : « قد ساق القفال الحكاية في «فتاويه» ثم حكاه من بعده إمام الحرمين وغيرهما » اهـ وقصة انتقال السلطان محمود

(١) راجع ص ٢٧٣ حتى ٢٨٤

(٢) قال العلامة المؤرخ جمال الدين أبو المحاسن يوسف ابن تغرى بردى الآتابكي في «النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة» ما نصه :

« وأما ما حكاه ابن خلكان من قصة القفال في صلاة الحنفية بين يدي ابن سبكتكين المذكور ليس لها صحة ؛ يعرف ذلك من له أدنى ذوق من وجوه عديدة ؛ فإن محمود المذكور كان قد قرأ في ابتداء أمره ، وبرع في الفقه والخلاف ، وصار معدوداً من العلماء ، و صنف كتاباً في فقه الحنفية قبل سلطنته بمدة سنين ، وذلك قبل أن يشتهر القفال . فمن يكون بهذه المثابة

عن المذهب الحنفی إلى المذهب الشافعی باطلة كقصۃ نقل القضاء عن الحنفیة إلى الشافعیة . والعجب من التاج السبکی يقول عن محمود فی "طبقاته" أنه : « كان إماماً عا لا شجاعاً مفرطاً فقیهاً فهماً سمحاً جواداً سعیداً مؤیداً » ثم مع اعترافه له بالفقه والفهم یظن تلك الحکیمة المزورة صحیحة فهل كان السلطان محمود مع فقهه وفهمه أمیاً لا یکاد یعرف أن یقرأ من الكتاب مسألتین ؟ حتی احتاج إلى كاتب نصرانی یقرأ له ، ولم یکن عنده من المسلمین من أهل مرو من یقرأ له من كتب الفریقین ! والتعصب یعمل العجائب .

وها هو حال الشیخین الجلیلین فی الدعوة إلى المذهب والتغلب ضد الحنفیة . قال التاج السبکی فی "طبقاته" :

لا یحتاج إلى من یعرفه الصلاة علی المذاهب الأربعة بل ولا غیرها ؛ وأصاغر الفقهاء من طلبة العلم یعرفون الخلاف فی مثل هذه المسئلة .

وأیضاً حاشا القفال من أن یقع فی مثل هذه القبائح من كشف العورة ، والضراط فی الملاء ، وتحکیم رجل نصرانی فی قراءة كتب المذهبین ، والإفتاء علی مذهب الإمام أبی حنیفة ، وما ثم أمر یحتاج إلى ذلك ، ولا ألجأت الضرورة إلى أن یفعل بعض ما قیل عنه . وإنما محمود بن سبکتکین رجل من المسلمین لا یزید فی الحنفیة ولا ینقص من الشافعیة ، ولعل بعض الفقراء یكون أفضل منه عند الله تعالى — وهأنا لم أکن مثل القفال

و قد صار معتمد المذهب على طريقة العراق و
حامل لوائها أبو حامد الاسفراينی ، وطريقة خراسان
القائم بأعبائها القفال المروزی . هما رحمهما الله شیخا
الطريقتين ، إليهما المرجع وعليهما المعول « (ج - ۳
ص ۱۹۸ و ۱۹۹) .

في كثرة علومه بل ولا من أصاغر تلامذته ، لوقيل لي :
افعل بين يدي السلطان بعض ما قيل عن القفال لا
أرضى بذلك ، ولا ألتفت إلى السلطان ولا إلى غيره ،
ولا أهنأ بصلاة مسلم كائن من كان .

فهذا كله موضوع على القفال من أهل التحامل
والتعصب . فنعوذ بالله من الاستخفاف بالعلماء والوقوع
في حقهم . ونسأل الله السلامة في الدين « اه (ج - ۴
ص ۲۷۳ و ۲۷۴ طبع دار الكتب المصرية بالقاهرة)

وكما يتباهى الشافعية بذكر هذه الأسطورة وتسجيلها في كتبهم
كذلك يفتخر المشبهة الكرامية بقتل إمام الأشعرية محمد بن الحسن
ابن فورك المتكلم الشهير ويعزون قتله إلى السلطان محمود المذكور
واغتر بذلك كثير من العلماء فظنوا صحة صدوره عن محمود حتى
ذكره الذهبي في تاريخه ودعا ابن حزم للسلطان محمود أن وفق
لقتل ابن فورك ، والحال أن هذا كله كذب على محمود كقصصة القفال
هذه وساحة محمود بريئة من هذا وذاك . وقد تصدى لرد هذه

وسعى هذين الشيخين في ابتغاء الفتنة أثارت كوا من النفوس
الأكذوبة التاج السبكي في "طبقاته" وشنع على ناقلها تشنيعاً بليغاً
حيث قال :

"كان الأستاذ أبو بكر ابن فورك كما عرفناك شديداً
في الله قائماً في نصرة الدين . ومن ذلك أنه فوق نحو
المشبهة الكرامية سهاماً لا قبل لهم بها . فتحزبوا عليه
ونموا غير مرة وهو ينتصر عليهم ، وآخر الأمر
أنهم أنهوا إلى السلطان محمود بن سبكتكين أن هذا
الذي يؤلب علينا عندك أعظم منا بدعة وكفراً . و
ذلك أنه "يعتقد أن نبينا محمداً المصطفى ﷺ ليس نبياً اليوم ،
وأن رسالته قد انقطعت بموته " فسله عن ذلك ،
فعظم على السلطان هذا الأمر ، وقال : إن صح هذا
منه لأقتله ، وأمر بطلبه . والذي لاح لنا من كلام
المحررين لما ينقلون ، الواهين لما يحفظون ، الذين
يتقون الله فيما يحكون : أنه لما حضر بين يديه وسأله
عن ذلك كذب الناقل . وقال ما هو معتقد الأشاعرة
على الإطلاق « أن نبينا ﷺ حي في قبره رسول الله
أبد الآباد على الحقيقة لا المجاز ، وأنه كان نبياً و آدم
بين الماء والطين ولم تبح نبوته باقية ولا تزال » وعند
ذلك وضح للسلطان الأمر وأمر بإعزازه وإكرامه و
رجوعه إلى وطنه . فلما أيسر الكرامية وعلمت أن ما

فانبرى رجال من الشافعية جل عامهم الرواية بدون اهتمام بالتفقه

وشت به لم يتم وأن حيلها ومكايدها قد وهت عدلت
إلى السعى في موته والراحة من تبعه فسلطوا عليه من
سمه فمضى حميداً شهيداً . هذا خلاصة المحنة .
والمسئلة المشار إليها وهى انقطاع الرسالة بعد الموت
مكذوبة قديماً على الإمام أبى الحسن الأشعري نفسه — وقد
مضى الكلام عليها فى ترجمته — إذا عرفت هذا فاعلم أن
أبا محمد بن حزم الظاهري ذكر فى "النصائح" أن ابن
سبيكتكين قتل ابن فورك بقوله لهذه المسئلة ثم زعم ابن حزم
أنها قول جميع الأشعرية . قلت : وابن حزم لا يدرى
مذهب الأشعرية ولا يفرق بينهم وبين الجهمية لجهله
بما يعتقدون . وقد حكى ابن الصلاح ما ذكره ابن
حزم ثم قال : « ليس الأمر كما زعم بل هو تشنيع
على الأشعرية أثارته الكرامية فيما حكاه القشيري » قلت :
وقد أسلفنا كلام القشيري فى ذلك فى ترجمة الأشعري .
وذكر شيخنا الذهبي كلام ابن حزم وحكى أن السلطان أمر
بقتل ابن فورك فشفع إليه ، وقيل : هو رجل له من
فأمر بقتله بالسم فسقى . ثم قال : وقد دعى ابن حزم
للسلطان محمود أن وفق لقتل ابن فورك ، وقال : « وفى
الجملة ابن فورك خير من ابن حزم وأجل وأحسن
نحلة » وقال قبل ذلك — أعنى شيخنا الذهبي — : كان

والدرایة ، فدوّنوا أكاذیب مكشوفة ضد أبی حنیفة وأصحابه ، و

ابن فورك رجلاً صالحاً ، ثم قال : كان مع دینه صاحب
فلتة وهدعة انتهى .

قلت : أما إن السلطان أمر بقتله فشفع إليه إلى آخر
الحكاية فأكذوبة سمجة ظاهرة الكذب من جهات
متعددة .

(منها) أن ابن فورك لا یعتقد ما نقل عنه بل
یکفر قائله فكيف یعترف على نفسه بما هو کفر ، و
إذا لم یعترف فكيف يأمر السلطان بقتله . وهذا أبو القاسم
القشیری أخص الناس بابن فورك فهل نقل هذه الواقعة
بل ذکر أن من عزى إلى الأشعرية هذه المسئلة فقد
افتري علیهم ، وأنه لا یقول بها أحد منهم .

(ومنها) أنه بتقدير اعترافه وأمره بقتله كيف
ترك ذلك لسنه ، وهل قال مسلم : أن السن مانع من
القتل بالكفر على وجه الشهرة أو مطلقاً . ثم لیت
الحاکی ضم إلى السن العلم وإن كان أيضاً لا یمنع القتل
ولكنه لم یغضه فيه لم یجعل له خصلة تمت بها غیر أنه
شیخ مسن . فیا سبحان الله أما كان رجلاً عالماً ؟ أما
كان اسمه ملاً بلاد خراسان والعراق ؟ أما كان تلامذته
قد طبقت طباق الأرض ؟ فهذا من ابن حزم مجرد
تحمّل وحكاية لأكذوبة سمجة كان مقداره أجل من

يعز على المرء أن يجد أبا نعيم والبيهقي في هذا الصف يدونان الرحلة
المنسوبة إلى الشافعي المكذوبة الموضوعة بسند فيه أحمد بن موسى
النجم الذي يقول فيه الذهبي في "ميزان الاعتدال" :
"حيوان وحشى قال : قال محمد بن سهل الأموى :

أن يحكيها .

وأما قول شيخنا الذهبي : « أنه مع دينه صاحب
فلنة وبدعة » فكلام متهاافت فإنه يشهد بالصالح والدين
لمن يقضى عليه بالبدعة ، ثم لبت شعري ما الذى يعنى
بالفلنة إن كانت قيامه فى الحق كما نعتقد نحن فيه فتلك
من الدين ، وإن كانت فى الباطل فهى تنافى الدين .
وأما حكمه بأن ابن فورك خير من ابن حزم فهذا
التفضيل أمره إلى الله تعالى . ونقول لشيخنا إن كنت
تعتقد فيه ما حكيت من انقطاع الرسالة فلا خير فيه
ألبتة ، وإلا فلم لانهيت على أن ذلك مكذوب عليه
لثلا يغتر به . اهـ (طبقات الشافعية الكبرى ج ٣ —
ص ٥٣ حتى ٥٥ طبع الحسينية المصرية) .

فانظر إلى ابن السهكى يمر على قضية ابن فورك فلا يهتق ولا يذر ،
ويسرد قصة القفال فى "طبقاته" فيباهى بها ويفتخر ، مع كونها سيان
فى الوضع والاختلاق هل قصة القفال أظهر فى الكذب من قصة
ابن فورك ولكن التعصب هكذا يوقع فى المهازل .

حدثنا عبد الله بن محمد البلوی فذكر محنة مكذوبة
للشافعی فضیحة لمن تدبرها

وعبد الله بن محمد الهلوی قال الدارقطنی : « يضع الحديث »
وقال ابن حجر العسقلانی فی « لسان المیزان » :

« وهو صاحب رحلة الشافعی طولها ونمقتها ، و
غالب ما أورده فیها مختلق »

وقد ساق البيهقي فی كتاب « مناقب الشافعی » وأبونعیم فی « الحلیة »
حكايات فی مناظرة الشافعی مع محمد بن الحسن لأصل لها . و
لأبي بكر الخطیب أوفر نصیب فی النیل من أبي حنيفة وأصحابه
حيث حشد فی « تاريخه » من مثالب هؤلاء ما برأ الله ساحتهم
منها . مع أنه يعلم ما فی أسانيدھا من وجوه العلل وصنوف الخلل
ما حمله على تدوينها إلا التعصب : قال ابن الجوزی فی « المنتظم
فی تاريخ الملوك والأمم » فی ترجمة ابن المذهب :

« وقد كان فی الخطیب شيثان : أحدهما الجری على
عادة عوام المحدثين من قبله من قلة الفقه ، والثاني
التعصب فی المذهب . ونحن نسأل الله السلامة » (ج -

۸ ص ۱۵۵ و ۱۵۶)

وقال الإمام المحدث الشيخ عبد الحق الدهلوی فی ترجمة أبي حنيفة
من كتابه « تحصيل الكمال فی أسماء الرجال » عند ذكره « جامع
المسانيد » الذي جمعه المحدث أبو المؤيد الخوارزمي ما نصه :

”ورتيه على أبواب الفقه ، وذب عنه ما تكلم فيه
بعض الناس خصوصاً الخطيب البغدادي المتعصب المكابر
مع هذا الإمام العظيم الشأن ، ولقد ناقض هذا الرجل
المكابر نفسه في ما ذكر من المطاعن والعيوب ، و
تهافت كلامه في ذلك وتساقط من القلوب هـ .

وقد ذكرنا ما قاله العلماء في سوء صنيعة في هذا الباب فيما كتبنا
من التعليقات على كتاب ”ذب ذهابات الدراسات عن المذاهب
الأربعة المتناسبات“ (١) للعلامة عبد اللطيف بن العلامة المخدم
محمد هاشم السندی رحمهما الله . وأول من تصدى للرد على الخطيب
في سوقه الأخهار الكاذبة عصره القاضي العلامة أبو اليمن مسعود
ابن محمد بن أحمد بن عبيد البخاري نزيل بغداد المتوفى سنة ٤٩١
في ”مختصره لتاريخ بغداد“ وتلاه العلامة أبو علي يحيى بن هبسي
ابن جزلة الطبيب المتوفى سنة ٤٩٣ في ”المختار من مختصر تاريخ
الخطيب لأبي اليمن المذكور“ . وقد رأيت من هذا الكتاب نسخة
خطية في المكتبة الآصفية بحيدرآباد الدكن بالهند . قال ابن جزلة
في ”المختار“ :

» قال القاضي أبو اليمن : ثم إن الخطيب — تجاوز الله
عنا وعنه — اتبع ما ذكره من هذه الأبواب في وصف
أبي حنيفة بما كان الأولى والأليق أن لا يذكره ويطيل

(١) راجع الكتاب المذكور ج — ٢ ص ٢٩٨ حتى ٣٠٠ .

فيه ويبوب فيه أبواباً ، ويظهر منه فيه العصبية والميل
وقد اعتذر قبل أن شرع في ذلك بما ليس بعذر « (١)
وقال القاضي أبو اليمن أيضاً ما نصه :

« وأعجب ما مر بي في هذا الباب ما ختمه به بإسناده
عن سعيد بن سالم قال : « قلت لقاضي القضاة أبي

(١) قال سيد الحفاظ المتأخرين محمد مرتضى الزبيدي في "تحاف
السادة المتقين" :

« قال القاضي الحافظ أبو بكر في "تاريخه" في
ترجمة الإمام أبي حنيفة رحمه الله ما نصه : « قد سقنا عن
أيوب السختياني ، وسفيان الثوري ، وابن عبيدة ، و
أبي بكر ابن عياش وغيرهم من الأئمة أخباراً كثيرة
تضمن تقرير أبي حنيفة والمدح له . والمحفوظ عند نقلة
الحديث من الأئمة المتقدمين وهؤلاء المذكورين منهم في
أبي حنيفة خلاف ذلك ، وكلامهم فيه كثير لأمر
حفظت عليه يتعلق بعضها بأصول الديانات ، وبعضها
بالفروع ، نحن ذاكروها بحسب الله تعالى ، ومعتذرون
إلى من وقف عليها وكره صانعها بأن أبا حنيفة عندنا
مع جلالة قدره أسوة غيره من العلماء » اهـ ولا يخفى
أن قصده خلاف ما ذكر من المَعذرة ، وإنما قصده
الشناعة جرأة منه » اهـ (ج - ١ ص ١٨٣) .

يوسف : سمعت أهل خراسان يقولون : إن أبا حنيفة
جهى مرجى ، فقال لى : صدقوا . ويرى السيف
أيضاً . قلت له : فأين أنت منه ؟ فقال : إنما كنا نأنيه
بدرسنا الفقه ولم نكن نقلده ديننا »

أما استحي هذا الشيخ الحافظ من أن يورد مثل هذا
الخبر عن أبي يوسف تلميذ الرجل ، وصاحبه المنتهى
إليه المنتفع به ، أعاذنا الله من فرط الغفلة والجهالة .

ثم قال — أى الخطيب — : « ذكر ما حكى عنه من
مستهجمات الألفاظ والأقوال » وهذا منه غاية العداوة
والإفراط فى العصبية القبيحة كأنه بصف أهواهاً من العلم
أو الحكمة حتى يترجم الباب هذه الترجمة القبيحة الدالة
على قلة تحفظ مترجمها ونهوره وخفته .

ولعمرو الله إننى قد شاهدته بحلب مرتين ، و
سمعت منه ، وأخذت إجازته ، وكان حديداً خفيفاً
طيباشاً كاد أن يثب عليه العامة بحلب ويقتلوه لقلة تحفظه
فما حدث مما لا يحتمله ذلك الوقت والهملد ، فإنه كان
فى الزمان الذى دخل فيه البساسيرى "بغداد" وقتل
ابن المسلمة ، وفعل تلك الأفعال ، وخرج الخطيب هارباً
فضى منها هارباً مما خيف عليه إلى الشام وأقام به ، و
جرى له بدمشق ما نتورع عن إيراده ، تجاوز الله عنا وهنه »

وقال ابن جزلة .

« لعمر و الله إن الإضراب عن ذكر ما قاله الخطيب
وصنفه في هذا الباب أولى وأجمل وأحق ، اه .

ثم جاء عالم الملوك الملك المعظم عيسى بن أبي بكر الأيوبي فرد عليه
في كتابه " الصهم المصيب في كهد الخطيب " رداً مشبعاً ، وقد طبع
بمصر وبالهند ، وسبط ابن الجوزي رد على الخطيب أيضاً في عصر
الملك المعظم في كتاب سماه " الإنتصار لإمام أئمة الأمصار " وهو في
مجلدين ، وكذلك رد على الخطيب أبو المؤيد الخوارزمي في مقدمة
" جامع المسانيد " رداً جيداً ، ثم الحافظ أبو المحاسن محمد بن يوسف
الشامي رد على الخطيب في كتابه " عقود الجمان في مناقب الإمام أبي
حنيفة النعمان " رداً إجمالياً ، وتبعه في ذلك علامة المتأخرين ابن حجر
الهيتمي المكي في كتابه " الخيرات الحسان في مناقب الإمام أبي حنيفة
النعمان " ولما طبع تاريخ الخطيب بمصر انتدب للرد عليه الإمام العلامة
الناقد محمد زاهد الكوثري فصنف " ثانياً الخطيب على ما ساقه في
ترجمة أبي حنيفة من الأكاذيب " وحاسبه على افتراءاته على الإمام
الأعظم فقيه الملة أبي حنيفة وعلى نهشه لأعراض أبي يوسف ومحمد
وغيرهما بأدلة ظاهرة باهرة فشفي وكفى والله الحمد .

وتعصب الوزيرين نظام الملك المتقدم وزير السلطان ملكشاه السلاجوقي ،
— وإسمه الحسن بن علي بن إسحاق بن العباس الوزير أبو علي الطوسي
وتوفي سنة ٤٨٥ — والوزير نظام الملك المتأخرو وزير السلطان خوارزم
شاه — واسمه مسعود بن علي الوزير وتوفي سنة ٥٩٦ — للشافعية

معروف حيث يتجهج يذكره التاج السبكي قائلاً :
 « وقد اشترك نظام الملك هذا ونظام الملك المتقدم ذكره — الذى
 هو سيد الوزراء — اشتراكاً فى اللقب ، والوزارة ، والتعصب
 للشافعية ، وهما المدارس » (١)
 فلما جاءت نوبة الوزير نظام الملك الطوسي — ولم تكن وزارته
 وزارة بل فوق الملك كما صرح به التاج السبكي (٢) — نشر مذهب
 الإمام الشافعى بالعجم وازداد تعصبه على الحنفية فجرت فى عهده

- (١) راجع "طبقات الشافعية" ترجمة مسعود بن على الوزير .
 (٢) قال التاج السبكي فى "الطبقات الشافعية الكبرى" :
 « مكث فى الوزارة ثلاثين سنة ، ولم تكن وزارته
 وزارة بل فوق السلطنة ، فإن السلطان جلال الدولة
 ملكشاه بن ألب أرسلان اتسعت مملكه ، فكان تحت
 ملكه بلاد ما وراء النهر وبلاد الهياطلة وهاب الأهواب ،
 وخراسان ، والعراق ، والشام ، والروم ، والجزيرة ،
 مملكته من كاشغر — وهى أقصى مدائن الترك — إلى
 بيت المقدس طولاً ، ومن قرب قسطنطينية إلى بحر الهند
 عرضاً . ولم يكن مع ذلك للملكشاه مع نظام الملك غير
 الإسم والأبهة ، والتنوع فى اللذات ، وكان مشغولاً
 بالصيد واللذة . ونظام الملك هو الأمر المتصرف لا يجرى
 جليل ولا حقير إلا بأمره ، مستبدأً بذلك » (ج — ٣
 ص ١٣٩) .

على الحنفية بسبب ذلك خطوب ومحن (٣) . ونظام الملك هذا هو أول من جعل المذهب الشافعي مذهباً رسمياً تعترف به الخلافة العباسية في العراق وشرق الدولة ، وأنشأ المدارس لخدمته ، وكان السائد قبل ذلك من مذاهب السنة المذهب الحنفي ، ولما بنى المدرسة النظامية ببغداد كان في كتاب شرطها كما قال ابن الجوزي في " المنتظم " : « أنها وقف على أصحاب الشافعي أصلاً وفرعاً ، وكذلك الأملاك الموقوفة شرط فيها أن يكون على أصحاب الشافعي أصلاً وفرعاً ، وكذلك شرط في المدرس الذي يكون بها ، والواعظ الذي يعظ بها ، و متولى الكتب » .

ولا تنس ما ذكره ابن خلكان في ترجمة " نظام الملك " في أمر هذه المدرسة النظامية ولفظه :

« وكان الشيخ أبو إسحاق — الشيرازي — إذا حضر وقت الصلاة خرج منها وصلى في بعض المساجد ، وكان يقول : « بلغني أن أكثر آلائها غصب » اهـ . وقال ابن تغري بردي في " النجوم الزاهرة " :

(٣) قال العلامة المؤرخ جمال الدين أبو المحاسن يوسف بن تغري بردي الأتابكي في " النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة " في ترجمة عمود الملك الكندري :

« وولى الوزارة بعده نظام الملك الذي نشر مذهب الإمام الشافعي بالعجم » (ج - ٥ ص - ٧٦) .

« وكان نظام الملك على الهمة ، وافر العقل ، عارفاً
بتدبير الأمور ، محباً للعلماء والصلحاء ، على ظلم وجور كان
عنده ، على عادة الوزراء » اهـ (١) .

وعلى عادته في الظلم والجور مشى نظام الملك في نشر المذهب الشافعي
فكانت فتنته على الحنفية أشد من فتنة أبي حامد الإسفرائيني والقفال

(١) وجاء في " النجوم الزاهرة " في حوادث سنة ٤٦٨ ما
نصه :

« وفيها توفيت كوهر خاتون عمه السلطان ملكشاه
السلجوقي أخت السلطان ألب أرسلان ، كانت دينة
عفيفة ، صادرها نظام الملك لما مات أخوها ألب أرسلان
وأخذ منها أموالاً عظيمة ، فخرجت إلى الري لتمضي إلى
المباركية تستنجدهم على قتال الوزير نظام الملك ، فأشار
نظام الملك على ملكشاه بقتلها فقتلها . فلما وصل خبر
قتلها إلى بغداد ذم الناس نظام الملك وقالوا : « ما كفاه
بناء هذه المدرسة النظامية وغصبه لأراضى الناس وأخذ
أنماضهم حتى دخل في الدماء من قتله هذه المرأة ! »
وأيضاً أنه أشار على ملكشاه بقتل عمه قاوردبك ،
ثم أشار على ملكشاه بحمل أولاد عمه ، وهج نظام الملك
جماعة من أهل العراق ، فلما بلغ نظام الملك قال : ما
أقام هذه الشناعة على إلافخرالدولة ابن جهير ، اهـ (ج -

الصغير المروزي ، كما أهاب عن حاله الإمام مسعود بن شيبة السدي حيث يقول :

« وظهر مذهب الشافعي حين قهر نظام الملك ، وكانت فتنته على أصحاب أبي حنيفة ومالك أشد من الديلم وقد قتلوا منهم خلقاً كثيراً ، ووضعت في أيامه كتب في مثالب أبي حنيفة ومعائبه ، وقد لقي جزاء ذلك حياً وميتاً حتى تناثرت أعضاءه بالجذام ، وعذب بالضرب والحبس ، وأحرقت رمته في سنة اثنتين وثلاثين وسبعمائة بعد مائة وثمان وأربعين سنة أحرقها الكفار القتر لما استولوا على "إصبهان" بسبب يطول ذكره » اهـ (ص - ٣٥٠) .

ويعز على المرء أن يرى ابن الجويني وتلميذه الغزالي يقومان ضد الحنفية بسترسلان في المجادلة ولكن لا عجب فإنهما كانا إذ ذاك بدرسان في "النظامية" يريدان التقرب من نظام الملك (١) حرصاً على الدنيا لا نزاعاً في الخطأ والصواب ، ولا دفاعاً عن الحق إزاء الباطل ، وقد أساءوا إلى أنفسهما حيث سلكا في المناظرة والبحث مع الحنفية على طريقة الختل والمغالطة والدفع والمغالبة جل سعيهما تشويه صور المسائل وتقريرها على أقبح وجه وأبشع صورة كما لا يخفى على من طالع "مغيث الخلق" لابن الجويني و "المنحول" للغزالي وعلى

(١) إن ابن الجويني بنيت له « المدرسة النظامية » بنيسابور وأقعد للتدريس فيها وبقي على ذلك قريباً من ثلاثين سنة ، والغزالي وقع له القبول من نظام الملك فرسم له التدريس بمدرسة بغداد .

هذا جرى بعدها الفخر الرازي — عصرى نظام الملك المتأخر — في ما كتبه في "مناقب الشافعى" وهذا هو الطريق الذى مهد لهم للبحث والمناظرة شيخ طريقة العراق أبو حامد الإسفرائنى حافظ المذهب و إمامه ، فقد نقل التاج السبكى في "طهقاته" عن أبي حيان التوحيدى قال :

« سمعت الشيخ أبا حامد يقول لطاهر العبادانى : "لا تعلق كثيراً لما تسمع منى في مجالس الجدل ، فإن الكلام يجرى فيها على ختل الخصم ومغالطته ، ودفعه ومغالطته . فلسنا نتكلم لوجه الله خالصاً ولو أردنا ذلك لكان خطونا إلى الصمت أسرع من تناولنا في الكلام ، وإن كنا في كثير من هذا نبوء بغضب الله تعالى ، فإننا مع ذلك نطمع في سعة رحمة الله » اهـ (ج - ٣ ص - ٢٥) .

وأيّن هذا من صنيع إمامهم الشافعى رضى الله عنه حيث يقول :

« ماناظرت أحداً قط إلا على النصيحة ، وما ناظرت أحداً قط إلا أحببت أن يوفق ويسدد ويعان ، ويكون عليه رعاية من الله وحفظ ، وماناظرت أحداً إلا ولم أهال بين الله الحق على لساني أو لسانه » (١) .

ويعرف مهافغ اخلاص ابن الجوينى في هذا الباب مما قاله للغزالى حين شاركه في هذا العمل فقد ذكر المؤرخون أنه لما صنف كتابه "المنخول" عرضه على شيخه ابن الجوينى فلما نظر فيه ابن الجوينى

(١) راجع "حلية الأولياء" لأبي نعيم الأصبهاني (ج - ٩ ص ١١٨)

قال له : « دفتني وأنا حي هلا صبرت حتى أموت ؟ لأن كتناهك غطى كتابي » (١) وما ذاك إلا لأجل أن ابن الجويني يريد أن يصفو الجواه في تدريس النظامية وما إلى ذلك فقد كان مقرهاً لدى نظام الملك وخاف إن وقع " المنحول " بيد نظام الملك بصغر ابن الجويني في عينيه ، والعجب من تنافسهما في إثارة تلك الفتنة وتسارعهما إليها ، والله يحق الحق وهو يهدي السبيل .

وكما أن الخطيب وأمثاله معروفون في قلة الفقه وإكثار الرواية بدون الدراية كذلك ابن الجويني وتلميذه الغزالي مضربا مثل عند أهل العلم في الجهل بالحديث والتاريخ مهما ضاق صدر ابن السبكي من ذلك - قال ابن حجر العسقلاني " التلخيص الحبير في تخریج أحاديث الرافعي الكبير " :

« ونقل الرافعي عن إمام الحرمين في " النهاية " أنه قال : (في قلبي من الطمانينة في الاعتدال شيء ؛ فإنه ^{صلى الله عليه وسلم} ذكرها في حديث المسيء صلواته في الركوع والسجود ولم يذكرها في الاعتدال والرفع بين السجدين ؛ فقال : اركع حتى تطمئن راکعاً ، ثم ارفع رأسك حتى تعتدل قائماً ، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ، ثم ارفع رأسك حتى تعتدل جالساً) ولم يتعقبه الرافعي . وهو من المواضع العجيبة التي تقضى على هذا الإمام بأنه كان قليل

(١) راجع ترجمة الغزالي في " المنتظم " لابن الجوزي و " مرآة الجنان " للعفيف الياقبي .

المراجعة لكتب الحديث المشهورة فضلاً عن غيرها ؛
فإن ذكر الطهانية في الجالوس بين السجدين ثابت في
"الصحيحين" وأما الطهانية في الاعتدال
فثبت في "صحيح ابن حبان" و"مسند أحمد" . . . ورواه
أبو علي بن السكن في "صحيحه" وأبو بكر بن أبي شيبة
في "مصنفه" وأعجب من ذلك أن ذكر الطهانية
في الاعتدال مخرج في "الأربعين" التي خرجوها لإمام
الحرمين وحدث بها اهـ

وقال العسقلاني أيضاً في ضمن تخريج حديث عائشة : « كان
رسول الله ﷺ يقرأ في الركعة الأولى من الوتر بسبح اسم ربك
الأعلى » الحديث ما نصه :

« "تنبيه" قال إمام الحرمين : رأيت في كتاب معتمد
أن عائشة روت ذلك ، وتبعه الغزالي فقال : (قيل إن
عائشة روت ذلك) وهذا دليل على عدم اعتنائها معاً
بالحديث كيف يقال ذلك في حديث في "سنن أبي داود"
التي هي أم الأحكام اهـ .

وقال أيضاً في ضمن تخريج حديث : « من أتى من هذه القاذورات
شيئاً فليستتر بهستر الله » الحديث :

« "تنبيه" لما ذكر إمام الحرمين هذا الحديث في
"النهاية" قال : (إنه صحيح متفق على صحته) وتعليقه .

ابن الصلاح فقال : هذا مما يتعجب منه العارف بالحديث .
وله أشباه بذلك كثيرة أوقعه فيها اطراحه صناعة الحديث
التي يفتقر إليها كل فقيه وعالم »

وقال الحافظ ابن كثير في "البداية والنهاية" في التاريخ :
« وقد كان الغزالي يقول : أنا مزجي البضاعة في
الحديث » (ج - ١٢ ص - ١٧٤)

فهذا حالهما في الحديث . وأما جهلها بالتاريخ فقال ابن حجر
العسقلاني في ترجمة " محمد بن محيرز " من " لسان الميزان " ما
نصه :

« محمد بن محيرز . لا وجود له وقع ذكره في
كلام إمام الحرمين فذكر في كتاب الشهادات من "النهاية"
(أن الهخاري صنف الصحيح في الروضة النبوية ،
روى فيه عن محمد بن محيرز ، فغلبته عيناه ، فرأى
النبي ﷺ في المنام ، فقال : أنروني عن ابن محيرز وقد
طعن في أصحابي ، وكان خارجياً ؟ فقال : يا رسول
الله إنه ثقة . قال : صدقت إنه ثقة فارو عنه) . . .
. والمنام الذي حكاه الإمام بالصفة المذكورة
يدل على عدم عفايته بالأخبار ! وكيف يجتمع قوله :
(كان يطعن في أصحابي) مع قوله : ثقة فأرو عنه »

وقال الفاضل ابن خلكان في " وفیات الأعيان " في ترجمة حسين
ابن منصور السلاج الزاهد المشهور ما نصه :

« وجدت في كتاب " الشامل " في أصول الدين ،
تصنيف الشيخ العلامة إمام الحرمين أبي المعالي عهد الملك
ابن الشيخ أبي محمد الجويني — رحمهما الله تعالى — فصلاً
يذهي ذكره ههنا ، والتلخيصه على الوهم الذي وقع ،
فإنه قال : (وقد ذكر طائفة من الأثبات الثقات : أن
هؤلاء الثلاثة تواصوا على قاب الدولة ، والتعرض
لإفساد الممالك ، واستعطاف القلوب واستمالتها ، وارتاد
كل واحد منهم قطراً . أما الجنابي فأكناف الأحساء ،
وابن المقفع توغل في أكناف بلاد الترك ، وارتاد
الحلاج قطر بغداد ، فحكم عليه صاحبه بالهلكة
والقصور عن درك الأملية ، لبعده أهل العراق عن
الانخداع) هذا آخر كلام إمام الحرمين .

قلت : وهذا كلام لا يستقيم عند أرباب التواريخ ،
لعدم اجتماع الثلاثة المذكورين في وقت واحد ، أما
الحلاج والجنابي فيمكن اجتماعهما ، لأنهما كانا في عصر
واحد ، ولكن لا أعلم هل اجتماعهما أم لا .

والمراد بالجنابي هو أبو طاهر سابان بن أبي سعيد
الحسن بن بهرام القرمطي رئيس القرامطة ، وحديثهم
وحرورهم وخروجهم على الخلفاء والملوك مشهور ،
... وأما ابن المقفع فهو عبد الله بن المقفع الكاتب المشهور
بالبلاغة ، صاحب الرسائل الهدية . . . ذكر صاحبنا

شمس الدين أبو المظفر يوسف الواعظ مبط الشيخ جمال الدين
أبي الفرج ابن الجوزي الواعظ المشهور في تاريخه الكبير
الذي سماه "مرآة الزمان" أخبار ابن المقفع وما جرى
له، وقتله في سنة خمس وأربعين ومائة، ومن عادته أن
يذكر كل واقعة في السنة التي كانت فيها، فيدل على
أن قتله كان في السنة المذكورة، وفي كلام عمر بن
شبة في كتاب "أخبار البصرة" ما يدل على أن ذلك
كان في سنة اثنتين أو ثلاث وأربعين ومائة
وكيفما كان فإن تاريخ قتله لم يكن بعد سنة خمس و
أربعين ومائة، وإنما كان فيها أو قبلها، وإذا كان
كذلك، فكيف يتصور أن يجتمع بالحلاج والجنابي
كما ذكره إمام الحرمين — رحمه الله — ومن ههنا
حصل الغلط. وأيضاً فإن ابن المقفع لم يفارق العراق
فكيف يقول: «إنه توغل في بلاد الترك» وإنما كان
مقيماً بالبصرة ويتردد في بلاد العراق، ولم تكن بغداد
موجودة في زمنه، فإن المنصور أنشأها في مدة خلافته
فاختطها في سنة أربعين ومائة، واستتم بناءها ونزلها
ودخلها في سنة ست وأربعين، وفي سنة تسع وأربعين
تم جميع بناءها هـ.

ومن جهل مشهورات التاريخ كيف يعتمد على نقله في هذا
الباب! ولكن ابن خلكان ينتقد عليه ما ذكره في كتابه "الشامل"

من قصة الحلاج ، ويعتمد عليه فيما سرد في كتابه "مغيبات الخلق" من أنصوصة القفال . فسبحان واهب العقول .

والغزالي قال فيه ابن الجوزي في "المنتظم" :

« وذكر في كتاب "الاحياء" من الأحاديث الموضوعة

وما لا يصح غير قليل ، وسبب ذلك قلّة معرفته

بالنقل فإيته عرض تلك الأحاديث على من يعرف ، و

إنما نقل نقل حاطب ليل ، وكان قد صنف للمستظهر

كتاباً في الرد على الباطنية ، وذكر في آخر مواعظ

الخلفاء فقال : روى أن سليمان بن عهد الملك بعث إلى

أبي حازم : ابعث إلى من افطارك ، فبعث إليه نخالة

مقاوة ، فبقى سليمان ثلاثة أيام لا يأكل ثم أفطر عليها

وجامع زوجته فجاءت بعهد العزيز ، فلما بلغ ولد له

عمر بن عهد العزيز . وهذا من أقبح الأشياء لأن عمر

ابن عم سليمان وهو الذي ولاه فقد جعله ابن ابنه . فما

هذا حديث من يعرف من النقل شيئاً أصلاً » (ج)

- ۹ ص ۱۶۹ و ۱۷۰)

وفما نقلنا في علم هذين كفاية . ورجل لا علم له بالحديث ولا

خبرة له بالتاريخ كيف يجترئ أن يقوم بالرد على فقيه الملة

الإمام أبي حنيفة وأصحابه رضي الله تعالى عنهم . وما ابن الجويني

وتلميذه أبو حامد الغزالي بالنسبة إلى الإمام الأعظم أبي حنيفة إلا

كطالب علم مع سلطان العلماء أو كآحاد الرعية مع السلطان الأعظم

وبذلك صرح الإمام الرهانی عبد الوهاب الشعرانی فی حق الفخر الرازی ،
 حیث قال رحمه الله فی " المیزان الکبری " ما نصه :

« ومما وقع لی أن شخصاً دخل علی من ینسب إلی
 العلم وأنا أکتب فی مناقب الإمام أبی حنیفة رضی الله
 عنه فنظر فیها ، وأخرج لی من کمه کراریس ، وقال لی :
 أنظر فی هذه فنظرت فیها ، فرأیت فیها الرد علی الإمام
 أبی حنیفة رضی الله عنه ، فقلت له : ومثلک یفهم
 کلام الإمام حتی یرد علیه ؟ فقال : إنما أخذت ذلك
 من مؤلف للفخر الرازی فقلت له : إن الفخر الرازی
 بالنسبة إلی الإمام أبی حنیفة کطالب العلم ، أو کآحاد
 الرعية مع السلطان الأعظم ، أو کآحاد النجوم مع
 الشمس . (ج - ۱ ص ۶۴) .

وبالجملة کل من قام من هؤلاء ضد الحنفیة وخاض غمرة تلك
 الفتنه لا یخاو من جالین إما هو لم یتقن الفقه ولم یعرف الکلام و
 الجدل ، وإما هو لم یتقن الصناعات الحدیثیه ولم یعرف التوارخ و
 الرجال . وها هو حال فحول الأشاعرة الشافعية محدثیهم ومتکلمیهم
 كما صرح به الإمام ولی الله الدهلوی فی کتابه " قرۃ العینین بتفضیل
 الشیخین " الذی صنفه بالفارسیة حیث یقول :

« إن الأشاعرة علی قسمین :

المتکلمون الذین قد نالوا السهم الأوفی فی المناظرة

والمخاصمة ولكن ليس لهم تبهر وتوسع في الحديث كأبي بكر الباقلاني ، والإمام الرازي ، والقاضي الهبضاوي ، والقاضي العضد ، والملا سعد .

والمحدثون الذين قد حازوا القدر الأوفى في الحديث وسعة الروايات ولكن لم ينظروا في المناظرة والمخاصمة والمراجعة كالأجري والبيهقي (١)

ومع جاب خيلهم ورجلهم على الحنفية قد ضاعت مساعيهم وخابت أمانيتهم فإن الأصحاب قد ردوا على كل منهم بحيث لا يبقى لهم قائمة بعد تلك الردود ، وإن قاست الأمة عواقب ذلك التخاذل والتصاول مدى القرون . فمنهم من كاليهم بكياهم ورد كيدهم في نحورهم ، ومنهم من سامح وتلف وأعاد الحق إلى نصايه . وقد مر ذكر من رد على الخطيب البغدادي ، فأما ابن الجويني والغزالي فأول من قام بهارد عليهما جميعاً فيما — نعلم والله أعلم — الإمام شيخ

(١) ونصه بالفارسية :

« أشاعره دو قسم اند ، متكلمان كه در مناظره و مخاصمه سهم أعلى نصيب ایشان است أما در حديث تهجری وتوسعی ندارند مثل أبو بكر باقلانی ، وإمام رازی ، وقاضي هبضاوي ، وقاضي عضد ، وملا سعد .

ومحدثين كه در حديث وتوسع روايات قدح أوفى یافته اند . أما در مناظره ومخاصمه ومراجعة غور نمودند مثل آجری وبيهقي ” (ص ۲۵۳ طبع المجتہاتية بدہلی)

الإسلام عماد الدين مسعود بن شيبه السندی رحمه الله ، وسبقه إلى ذلك بالرد على الغزالي شمس الأئمة محمد بن عبد الستار الكردي رحمه الله تعالى تلميذ صاحب "الدرابة" وهو محدث فقيه إمام وترجمته مستوفاة في كتب طبقات الأصحاب "كجواهر المضية" للفرشي و"تاج التراجم" لقاسم بن قطلوبغا و"الفوائد البهية" للفاضل اللكنوي وغيرها . وقال المؤرخ ابن تغري بردي في وفيات سنة اثنتين وأربعين وسبعمائة من كتبه "النجوم الزاهرة" :

« وفيها توفي شمس الأئمة محمد بن عبد الستار بن محمد الإمام العلامة فريد دهره ووحيد عصره المعروف بشمس الأئمة الكردي البراتقيني الحنفي و"براتقین" قصبة من قصبات "کردر" من أعمال "جرجانية" . قال الذهبي : كان أستاذ الأئمة على الإطلاق والموفود إليه من الآفاق ؛ برع في علوم ، وأقرأ في فنون ؛ وانتهت إليه رئاسة الحنفية في زمانه انتهى . قلت : وشمس الأئمة أحد العلماء الأعلام وأحد من سار ذكره شرقاً وغرباً ، وانتشرت تصانيفه في الدنيا — رحمه الله تعالى — . (ج - ۶ ص - ۳۵۱)

وقد كثر تشييع العلماء على كتاب "المنخول" للغزالي . قال الإمام العلامة قوام الدين أمير كاتب بن أمير عمر الفارابي الإتقاني (۱) في بحث حروف المعاني من كتبه "التبيين شرح المنتخب في أصول

(۱) الذي يقول فيه ابن تغري بردي :

فی بحث حروف المعانی من کتابہ ” التہیین شرح المنتخب فی أصول المذهب ” ما نصہ :

« ثم الغزالی شنع فی ”المنخول“ علی أبی حنیفة فی أشياء من غیر حجة علی دعواه ، ولا دلیل علی ما خیل ، فاولا إطالة الکتاب أوردناه ورددناه برد لا یرد علی وجه تتوب روحه عما فعلت یدہ ولسانہ . والله إن کنا لنعتقدہ غایة الإعتقاد لأجل ما جمع فی ”إحيائه“ من کلمات المشائخ بالنظر إلی الظاهر . ثم لما رأینا من طعنه علی الکبار ہلا إقامة برہان حصل ہنا ما حصل اھ »

وقال الشیخ العلامة الحافظ محمد بن یوسف الشامی فی ”عقود الجمان فی مناقب أبی حنیفة النعمان“ :

« ولا تغتر بما وقع فی ”المنخول“ الملسوب للإمام الغزالی من تعبیر الإمام أبی حنیفة ؛ فإن ذلك من قائلہ منزلة عن الصواب عظيمة ، وهفوة حادثة عن الطریقة المستقيمة ، تقشعر منه الجلود وتمج منها الأسماع ، وتأهاها النفوس ، وتنفر منها الطباع ،

« وكان — رحمه الله — إماماً عالماً مفقناً بارعاً فی

الفقه واللغة العربیة والحديث وأسماء الرجال وغیر ذلك

من العاوم ، وله تصانیف كثيرة » اھ

وهو الذی ولی تدريس دار الحديث بالظاہریة بدمشق بعد وفاة

الحافظ الذهبي كما صرح به ابن حجر والسيوطی .

وانما قلت : « المنسوب للإمام الغزالی » لأن هذا الكتاب لم يرو بالسند المتصل إليه ، ولا قرأه رجل على رجل وهكذا إليه ؛ فيحتمل أن تلك الألفاظ الشذیعة اختلفت علیه ، وعلى تقدير صدورها عنه فسمعت جماعة من مشائخ الشامیین ينقلون عن عین أعیان المحققین فی عصره الشیخ الإمام علاء الدین البخاری أحد أصحاب الشیخ سعد الدین التفتازانی — رحمهم الله تعالى — : أنه كان يعظم الغزالی غاية التعظیم ولا يجسر أحد بحضرته أن يقول " قال الغزالی " بل " قال الإمام الغزالی " ونحو ذلك مما يدل على تعظیمه . فقیل له : ألم تر ما صدر عنه فی حق الإمام أبی حنیفة . قال : « صدر منه ذلك فی الشهاب حین سلطان الهوی والعصبیة علیه قبل أن یتسلک ویتأدب ، ویتخلق بأخلاق السادة الصوفیة ، و یتترك الرعونات وحظرظ النفس . فلما تخلق بأخلاق القوم ، وانسلخ من الأخلاق الردیة ، وتحلى بالصفات العالیة ، وسلک المناهج السویة رجع عن هذه الألفاظ الردیة ، وطمس ما فی نسخته ، وعرف الحق لأهله . وتعذر علیه طمس ما فی بقیة النسخ لانتشارها . ولما صنف کتاب " الإحیاء " بعد ذلك عظم الإمام أبا حنیفة غاية التعظیم ، وذكر فی مواضع منه جملاً من فضائله . ولوعرض علیه كلام " المنحول " بعد رجوعه عن

الأخلاق المذمومة لتبرأ منه ، واستغفر الله تعالى . و
القائب من الذنب كمن لا ذنب له وسمعت
الأستاذ العارف ذا الأحوال السنية والأفعال المرضية و
الطريقة السنية الشيخ شاهين بن عبد الله يذكر نحو
ما ذكره الشيخ علاء الدين البخاري ويقرره ۱ ھ

وقال العلامة المحدث علي القاري في ” تشييع الفقهاء الحنفية لتشيع
السفهاء الشافعية “ :

” ثم رأيت الإمام الكردي صنف تصنيفاً في الرد
على الغزالي فيما نقل عنه أنه ذكر في كتابه ” المنحول “
طعناً في أبي حنيفة وأصحابه الفحول . ولعله كان في أيام
جهالته وزمان حيرته ومهدأ ضلالته ، قهلاً أن يدخل في
طريق الأولياء وتصنيفه ” الإحياء “ على ما تدل عليه
ترجمته الإمام الأعظم مع سائر العلماء “

قلت : ولا شك أن كتاب ” المنحول من تعليق الأصول “ صنفه
الإمام الغزالي في زمن شبابه (۱) فإنه لما رفع أمره إلى السلطان
سنجر وقد وشى به أهل مذهبه واتهموه بأشياء ومنها وضعه هذا

(۱) وما ظنه السيد مرتضى الزبيدي شارح ” الإحياء “ بأن تصنيفه وقع
متأخراً عن ” الإحياء “ و ” كيمياء السعادة “ و ” جواهر القرآن “
فليس بصحيح . وما ينقله السيد مرتضى عن ” المستصفي “ للغزالي ،
لا يوجد في ” المستصفي “ لعله وقع له وهم في ذلك .

الكتاب وذلك في شهور سنة تسع وتسعين وأربعمائة اعتذر الغزالي إلى السلطان منجر عن وضعه "المنحول" قائلاً بأن :

« التعليق الذي علمته في أيام الصبا وسميته "المنحول" من تعليق الأصول " وزادت فيه طائفة حسداً من عند أنفسهم أشياء توجب الطعن في حق الإمام أبي حنيفة ، وذلك قبل ثلاثين سنة وتوسلوا به في الإغراء على « (۱) وكتب إليه متبرئاً عما رموه :

« وأما ما يعزرون إلى من الطعن في حق الإمام أبي حنيفة رضى الله عنه ، فلا أنحمل ذلك ، وهالله الطالب الغالب المدرك المهلك الضار النافع الذي لا إله إلا هو اعتقادي في الإمام أبي حنيفة أنه من أغوص الناس في

(۱) ونصه بالفارسية :

« تعلیقی کہ در ایام کودکی کرده بودم ، ونام آن "المنحول" من تعليق الأصول " نهاده ، وگروهی هم بحکم حسد ہسی سال پیش ازین در آن چند کلمہ کہ موجب طعن باشد در امام ابو حنیفہ زیادتہ کردند ، وآن را وسیلہ ساختند »

راجع "فضائل الأئمة من رسائل حجة الإسلام" بتقدمة وتعليقات المؤيد الثابتی طبع ایران عام ۱۳۳۳ . ص ۱۷ وهذا الكتاب جمع فيه مكاتيب الغزالي بالفارسية .

حقائق الفقه من أمة محمد ﷺ ، وكذب على كل من
يحكى عن اعتقادی فيه سوى ذلك أو ينقله عن خطی ولفظی .
والذى اعتقد فيه قد شرحته فى "الإحياء" فى أول سير
العلماء وخرضى الإنباء عن حقيقة الأمر » (۱)

فتبين من هذا أن الغزالی قد ندم على ما قدم وإنما كان تأليفه
"المنحول" فى إبان شهاهه فى حياة استاذہ ابن الجوينی ثم إنه قد دس
فيه بعض الحسدة ما لا يرضاه الغزالی نفسه من الطعن فى حق الإمام
أبي حنيفة رضى الله عنه وقد قال الله تعالى : « فمن تاب من بعد
ظلمه وأصلح فإن الله يتوب عليه . إن الله تعالى غفور رحيم »
والكتاب الذى رد به الإمام الكردری على " المنحول " للغزالی

(۱) ونصه بالفارسية :

« أما آنچه حکایت می کنند که من در امام
أبو حنيفة رضى الله عنه طعن کرده ام اين احتمال نتوانم
کرد ، بالله الطالب الغالب المدرك المهلك الضار النافع
الذى لا اله الا هو که اعتقاد من آنست : که امام
أبو حنيفة رحمة الله عليه غواص ترين امت مصطفى ﷺ
است در حقائق معانی فقه . هر آنکه جزاین از عقیده
من یا از خط و لفظ من حکایت کند دروغ می گوید
و عقیده من آنست که در کتاب " احياء " در أول
سيرت علماء شرح داده ام مقصود آنست که اين حال
معلوم شود ، (فضائل الانام ص - ۱۵)

فماه "الرد على الطاعن المعثار والانتصار لسيد فقهاء الأمصار" قال الإمام الكوثري في مقدمة كتاب "الغرة المنيعة في تحقيق بعض مسائل الإمام أبي حنيفة" لأبي حفص عمر الغزنوي :

« وقد رد على الغزالي شمس الأئمة الكردي محمد ابن عبد الستار في كتاب [الرد على الطاعن المعثار و الانتصار لإمام أئمة الأمصار] وقسا عليه وإن أجاد في البحث معه في المسائل وتثبيت الدلائل . وكان الترفق به أحكم لكن يقال : إن الجزء من جنس العمل » اهـ (ص - ٦)

وقال الإمام الكوثري أيضاً في " إحقاق الحق بابطال الباطل في مغيث الخلق " :

إن شمس الأئمة الكردي لم يدع قولاً لقائل في تلك المسائل في كتابه المسمى [الرد على الطاعن المعثار و الانتصار لسيد فقهاء الأمصار] حيث رد على نخالة " المنخول " لأبي حامد أجلي رد ، وفي ضمنه مسائل " مغيث الخلق " اهـ .

وقال الفاضل اللكنوي أهوالحسنات عبد الحى في ترجمة شمس الأئمة الكردي من كتابه " الفوائد البهية في تراجم الحنفية " ما نصه :

« رأيت له رسالة في الرد على " منخول " الإمام الغزالي المشتمل على " التشنيع القبيح على الإمام أبي حنيفة

(أولها) الحمد لله رب العالمين الخ رتبها على سنة
فصول وتعقب فيها على الغزالي قولاً قولاً ، وذكر فيها
مناقب أبي حنيفة . وهي رسالة نفيسة حسنة جداً مشتملة
على أبحاث شريفة إلا أنه بسط الكلام في بعض مواضعها
بالشناعة على الإمام الشافعي وأتباعه ؛ لكنه بالنسبة إلى
تشجيع الغزالي على أبي حنيفة قليل جداً .

وممن انتدب للرد على ابن الجويني الإمام عفيف الدين
عبد العليم بن أبي القاسم بن إقبال القرطبي الحنفي ولد سنة اثنتين و
عشرين وثمانمائة ، وتوفي بزويد يوم الجمعة خامس ذي الحجة سنة
سبع وتسعمائة ، ترجمه محي الدين عبد القادر العيدروسي في " النور
السافر عن أخبار القرن العاشر " ووصفه " بالفقيه الزبده الصالح "
وقال المؤرخ عبد الحئي بن العماد الحنبلي في " شذرات الذهب في
أخبار من ذهب " : « كان إماماً فقيهاً زبدهاً » و " القرطبي " بالضم
نسبة إلى " قرطب " قال السيد مرتضى الزبيدي في " تاج العروس من
جواهر القاموس " : « قرطب بلدة بزويد ، وهي على مقربة منها وقد
دخلتها . ومنها المحدث المشهور عبد العليم بن عيسى بن إقبال القرطبي
من المتأخرين اهـ » وكتابه في الرد على ابن الجويني قد رأيت منه
نسخة في الخزانة الآصفية بحيدر آباد الدكن ويوجد النقل من هذا
الكتاب في " آكام النفائس في أداء الأذكار لسان الفارس " للعلامة
أبي الحسنات محمد عبد الحئي اللكنوي (ص - ٦)
والشيخ العالم المحدث عبد النبي بن أحمد بن عبد القدوس الكنگوهي

الحنفى، أحد العلماء المشهورين فى أرض الهند وترجمته مستوفاة فى "طرب
الأماثل بتراجم الأفاضل" لأبى الحسنات محمد عبد الحنفى الأنصارى
اللكهنوى و"نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر" للعلامة الشريف
عبد الحنفى بن فخر الدين الحنفى وكان رحمه الله من أجل علماء عصره
واناصر السنة فى زمانه ، توفى سنة إحدى وتسعين وتسع مائة ،
قال فى "طرب الأماثل" :

« عبد النبى [مؤلف رسالة فى رد طعن الإمام
الففال المروزى الشافعى على الإمام أبى حنيفة] النعمانى
من أولاد الإمام أبى حنيفة النعمان بن ثابت الحنفى
نسباً ومذهباً . أولها : [لحمد لله الذى اصطفى حبيباً وخليله
سيدنا وقرّة عيننا محمد صلى الله عليه وعلى آله وسلم صلاة
وسلاماً عليه دائماً بديوامه ، باقيتين بهفائمه اشروع شرائع
الاحكام وايضاح سبل الرشاد والسداد ، وبهفائه بالملة الحنيفية
السمحة . . . الخ . . . أما بعد فيقول العبد الضعيف
الراجى عفوره الغفور الرحيم الملتجى إليه باطفه الجلى
والحنفى ، كثير التقصير عبد النبى بن أحمد بن عود القدوس
النعمانى لما وقع لى الاطلاع على القصّة المسطورة
فى كتاب "مرآة الجنان" فى فضائل الإمام الشافعى
نقلًا عن الإمام أبى المعالى المعروف بإمام الحرمين
المفصحة المصرحة بكمال الجور عن الانصاف واطهار
غاية التعسف والاعتساف المملوءة بالتعرض على الإمام

المطابق أبي حنيفة ، فأزعجني وخلفني حمية الدين فشرعت
مستعيناً بالله في كشف الغطاء ، وكنت في سفر الحرمين
الشريفتين وما كان معي إلا كتب معدودة إلا أن الله
تعالى بمحض عونه ومنه أتم الأمر وأظهر . وهأنذا أذكر
تلك القصة أولاً ثم نتكلم على كلمة كلمة منها الخ »

ورأيت من هذا الكتاب نسخة في الخزانة الآصفية بحيدرآباد
الدين بالهند .

والإمام المحدث علي بن سلطان محمد القاري الهروي نور الدين
الفقيه الحنفي نزيل مكة المتوفى بها سنة أربع عشرة وألف . وهو
أحد جماهير الأعلام ومشاهير أولى الحفاظ والأفهام ، الجامع للعلوم
النقلية والعقلية والمتضلع من السنة النبوية صاحب التصانيف التي سارت
بها الركبان ، وشهرته كافية عن الأطراء في وصفه ، وكتابه
” تشييع الفقهاء الحنفية لتشايع السفهاء الشافعية “ توجد منه نسخ في
خزانات الكتب بالهند وباكستان . وقال فيه بعد الحمد والصلاة
ما نصه :

» يقول أفقر عباد الله الغني الهاري علي بن سلطان
محمد الهروي القاري : رأيت رسالة مصنوعة في ذم
مذهب السادة الحنفية الذين هم قادة الأمة الحنيفية ،
وأكثر أهل الملة الإسلامية . وموضوعه فيها أشياء من
أعجب العجائب التي تشير إلى أن قائلها جاهل أو كذاب .

وهي منسوبة إلى أبي المعالي عبد الملك بن عهد الله بن يوسف الجويني المشهور "بإمام الحرمين" من أكابر علماء مذهب الشافعي الخ .

وقال في آخره :

« ثم رأيت بعض أصحابنا أنه أفاد في هذه الحكاية ما أجاد حيث قال : وما أقبح صلاة هذا المصلي و أشنعها ، وما أسوء ضرطته وأفظعها ، لقد لهس ثوب الخلاء ، وارتدى برداء الشناعة ، وأصم بضرطته الأسماع ، وأتى بما تنفر عنه الطباع وفعل فعل السفلة الخفاف ، واستخف بالدين غاية الاستخفاف ، فضل به عن سواء الصراط ، والتحق بالأراذل والأسقاط ، بصلاته هذه وختمها بالضراط ، ولقد ساعدته إسنه كل المساعدة ، وباعدته عن الحياء والدين كل المباعدة ، أما من الدين فظاهر لأرباب اليقين ؛ لأنه نعمد الحدث في حال مناجاته لرب العالمين . وأما الحياء فذلك شئ لا ينكره أحد من العقلاء . فواجباه كيف أقدم هذا الذي يلصق إلى العلم على هذا الفعل القبيح بحضرة جماعة منهم السلطان ، فصير نفسه ضحكة لأهل الزمان بأمر الشيطان . ثم مع هذا ظن أن ضرطته هذه له نافعة ، وإنما هي له عن رتبة العقلاء واضحة . إذ لو فعل مثل ذلك أحد من العوام ،

لقليل إند ملحد مستخف بالاسلام ؛ بل من ترك الصلاة
 رأساً أهون في مقام القبائح من هذه السيئة المشتملة
 على الفضائح ، إذ هي الشناعة العظمى ، والداهية الدهيا ،
 وإنما حمل على ذلك اتباع الهوى ، لأجل أعراض الدنيا .
 فليته حين مات مات فعلة هذا معه ولم يذكر ، ولم يكتب
 في الدفاتر ولم يسطر ، لكنه أثبت في التواريخ
 واشتهر ، وتشدد به من لاخلق له وافتخر . فلو عرفوا
 ما فيه من أن الشناعة راجعة إليهم لما ذكروا مثل
 هذا فيما لديهم ؛ ولكن كما قال سبحانه : (أفمن زين
 له سوء عمله فرآه حسناً ، فإن الله يضل من يشاء و
 يهدي من يشاء) . فنعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن
 سيئات أعمالنا ، ونستغفره من زال في أقلامنا ، ونخطل
 في أقرالنا » اه .

والشيخ الفاضل علم الله بن عبد الرزاق بن خصاصه بن خضر
 الصالحى الأميتهوى أحد العلماء المهرزين في الفقه والحديث والعربية .
 ولد في السابع والعشرين من جمادى الأولى سنة أربع وخمسين و
 تسعمائة بهلدة " أميةتهى " وتوفي حادى عشر ذى الحجة سنة أربع
 وعشرين وألف ، وكان ديناً متقناً متبحراً عابداً متهجداً صاحب
 سنة واتباع وزهد وتورع واستقامة ، سافر إلى الحجاز ولبيت
 بها ثمانى عشرة سنة وأخذ الحديث عن الشيخ ابن حجر المكي وغيره
 من مشايخ عصره ثم رجع إلى الهند وصرف عمره في الدرس والإفادة

رحمه الله تعالى وترجمته مستوفاة في "نزهة الخواطر". وسماه "السيف المسلول في ضرب القفال والمقفول" قال فيه بعد الحمد والصلاة :

« يقول أضعف عباد الله القوى علم الله بن عبد الرزاق الحنفي — أصلح الله حاله وحقق آماله - : كنت أسمع من أفواه الرجال ، قصة المروزي القفال ، مع الساطان محمود الغزنوي المغتال ، في تحويله بالشعبدة والإحتيال وتنقياله عما كان عليه من سنى الأحوال ، من مذهب الإمام أبي حنيفة الأعظم ، إلى مذهب الإمام محمد بن إدريس المحترم . ولما كانت القصة مشتملة على قباح شنيعة ، وشنائع فظيعة لا تليق به بل يستحيل أن تصدر عن له حظ قليل من الأخلاق الرضية والآداب المرضية ؛ بل من له أدنى رائحة من طيب الإسلام ، فضلاً عما يبعده جمع من العلماء الأعلام كنت كذبتها وما صدقتها وخطأتها وما صربتها . وقلت حاشاه حاشاه ، أين هذا ؟ وأين علمه وتقواه ؟ مطهر جناحه من هذه الأنجاس ، منزله لسأله عن لوث هذه الأدناس ، شأنه أجل من أن يكون معروفاً بهذه الفضائح ، ومشهوراً بتلك القبايح ، من اللبالات المزخرفة والخرافات المستطرفة ، وأضحوكات المضحكة ، ومهملات المتمسخرة ، وتكلمات المجانين و حكايات المغرورين ، وخطابات المسحورين ، وهذيانات المحمومين ، هزل لا فصل ، جهل لا فضل . وكنت على

ذلك برهة من الزمان ومدة من الأكوان حتى وقفت على
 "تاريخ البافعى" من أعيان مقلدى الشافعى ، فرأيت قد
 ذكر القصة على ما شاعت فى الخافقين نقلاً عن الكتاب
 المسمى "مغيث الخلق" لإمام الحرمين فظهر أن القصة
 واقعة ، وأن الحكاية على ما هى شائعة ، ليس فى
 صدقها ريب ، ولا فيها من الإفتراء شوب فلما عرفت
 أن هذا اليقين لا يستراب ، زدت تهيئاً وفلت : إن
 هذا لشئ عجاب . وأعجب من هذا أن هؤلاء الذين عدوا
 أجلاء الشافعية عظماء ذكروا القصة تهجماً وافتخاراً ،
 وأوردوا الحكاية تهجماً وابتشاراً كما يدل على ذلك
 عباراتهم ، ويجلو ما هنالك إشاراتهم » اهـ

والإمام العلامة نوح بن مصطفى القونوى الرومى الحنفى نزيل مصر
 صاحب "الدر المنظم فى مناقب الإمام الأعظم" — وسماه "الكلمات
 الشريفة فى تنزيه الإمام أبى حنيفة عن الترهات السخيفة" ترجمه
 محمد المحبى فى "خلاصة الأثر فى أعيان القرن الحادى عشر" فقال :
 والإمام العلامة سابق حلوة للعلوم سار ذكره واشتهر علمه ، وهو
 فى علوم عديدة من الفائقين سيما التفسير والفقه والأصول والكلام
 وكان حسن الأخلاق وافر الحشمة جم الفضائل ، قرأ علوم الحديث
 رواية ودراية على محدث مصر محمد حجازى الواعظ ، وتلقن الذكر و
 لبس الخرقة وأخذ علوم المعارف ، وألف مؤلفات كثيرة ، ولم
 يرح بمصر مقيماً بخدمة الدين مصون العرض والنفس متمتعاً بما من

الله عليه من فضله حتى توفي بمصر في سنة سبعين بعد الألف رحمه الله تعالى » انتهى مختصراً .

ثم لما طبع كتاب ابن الجويني بمصر قام بالرد عليه الإمام العلامة الناقد الشيخ محمد زاهد الكوثري رحمه الله فصنف (إحقاق الحق بإبطال الباطل في مغيث الخلق) فأفاد وأجاد ، وفاق من قبله في حسن المؤاخذة والانتقاد . قال فيه بعد الحمد والصلاة :

« وبعد فهذه رسالة سميتها "إحقاق الحق بإبطال الباطل في مغيث الخلق" أرد بها على كتيب يعزى إلى أبي المعالي عبد الملك بن عهد الله بن يوسف الجويني ، ويسمى "مغيث الخلق في ترجيح القول الحق" »

كان مشارفتي في منتصف القرن الخامس في خراسان وما والاها إلى أن اضطر مؤلفه إلى مغادرة تلك الجهات لينجو بنفسه من عاقبة ما زرعه من الفتن في بلاد آمنة مطمئنة حتى أقام مدة طويلة في الحرمين الشريفين يؤم مدة في الحرم المكي ، ومدة في الحرم المدني ، فلحق الإمام الحرمين (١) ثم عاد إلى بلده بعد أن عادت المياه إلى مجاريها فأصبح أهدأ بكثير مما تقدم ، وربما ندم على ما قدم ، كما يستفاد مما ألفه من الكتب فيما بعد ، لكن لم

(١) كذا قل ابن الوردي في "تتمة المختصر في أخهار الهشر" في ترجمته ونصه : « وأم في الحرمين الشريفين وبذلك لقب » .

يخل للمبيذه الخاص أبو حامد الغزالي من التأثير من منهج شيخه في مبدأ أمره ، فأساء إلى نفسه في مقتبل عمره ، حيث دون في هذا الصدد ما هو سمة دهره . وكان ذلك في عهد شهابه ، ولقى جزاء عمله هذا حيث اتهمه أهل مذهبه بالزندقة ، فكاد أن يقتل لولا سعي بعض الحنفية عند الأمير سنجر السلجوقي — وإلى خراسان في عهد والده ملك شاه — (١) في تخايصه كما ذكره شمس الأئمة الكردري (٢) . ثم تاب وأناه وحسن رأيه في أبي حنيفة عند تاليفه ” الإحياء ” . عفا الله عما سلف .

-
- (١) هكذا قال الكوثري والصحيح : « وإلى خراسان في عهد أخيه بركياروق ثم في عهد أخيه محمد شاه »
- (٢) وما هذى به ذاك المغربي الباهت المفترى صاحب « تنبيه الباحث السرى » الذي لا علم له بالشرق وأهله بأن هذه القصة مفتعل من الكردري فهو رجم بالظن الكاذب ، وهذا الكلام سبة على قائله وقد برأ الله الكردري عن معرفته فإن مكتوب الغزالي و اعتذاره في هذا الباب قد طبع وشاع وكان ذلك في شهور سنة تسع وتسعين وأربعمائة وقد نقلنا منه نص ما قاله الغزالي في تأليفه ” المنحول ” واعتذاره في هذا الباب . والعمل على إمامة الكردري وجلالته . ولا عبرة بهذين الهاذين وأكاذيب المفترين .

وكان الفخر الرازي ثالثة الأثافي فيما ألف باسم
 "مناقب الأمام الشافعي" رضى الله حيث ضمنه من
 الأباطيل ما يزيد في الطين بلة ، بل سعى في نقل بلد
 بأسره من مذهب إلى مذهب بتأليفه « الطريقة البهائية »
 باللغة الفارسية فإمام الحرمين والغزالي و
 الرازي لا يتعمدون الكذب فيما يكتبون — فيما أرى —
 لكن من جهل أدلة الأحكام في المسائل الخلافية ، و
 بعد عن معرفة الحديث والتاريخ ، وما إلى ذلك من
 العلوم التي لا بد من معرفتها لمن يريد السباق في هذا
 الميدان إذا خاض في مثل هذا المطلب تعويلاً على يده
 في النظر فقد هاج وماج ظناً بالأخبار الكاذبة أنها
 صادقة ، وفضح نفسه بسوقه الأكاذيب والتقاطع الساقطات
 فيهموى في هوة الجهل والخذلان ، فبصدق عليه المثل
 « على نفسها جنت براقش » .

ولست أسلك فيما أكتب من الرد على ابن الجويني
 مسلك العلامة نوح القونوي في كتابه « الكلمات الشريفة
 في تنزيه أبي حنيفة عن الترهات السخيفة » من القاطف
 البالغ في الرد على الكتاب المذكور ، وانكار نسبة
 الكتاب إلى إمام الحرمين بعد أن شغل مكانه من
 التاريخ على تعاقب القرون ، ولا انتحى منتحى العلامة
 على القاري في كتابه « تشييع الفقهاء لتشنيع السفهاء »

من القسوة المتناهية مع لصحيح نسبة الكتاب إليه ،
بل أسلك فيما أكتب إن شاء الله تعالى منهجاً وسطاً
بين التلطف والقسوة على قدر ما يستوجبه الكلام الذى
أرد عليه من جهة بعده عن الحق وقربه منه ، كائناً
له هيكله فى غير ضعف ولا عنف . ولولا أن الكتاب
طبع منه آلاف ووزعت فى المدن والأرباب مع
إعادة طبع كتاب الرازى لجاز إهماله حتى مع استمرار
اطلاع الجمهور على صلاة تعزى إلى القفال المروزي
فى ترجمة يمين الدولة محمود بن سبكتكين فى ” وفيات
الأعيان “ المتداولة بأيدى الجمهور ، لكن السكوت
على تعاقب مسعى الفاتنين يكون جريمة لا تغتفر ،
فاكتب بتوفيق الله سبحانه ما يعيد الحق إلى نصابه ،
وأكتفى فيما أكتب بالكلام فى الجليات التى هى أقرب
إلى فضح دخيلة المؤلف ، والكشف عن مبلغ جهله
فيما يعانیه . وأما المسائل الخلافية الفرعية التى يتكلم هو
عنها ، فإنما يتكلم عنها بمعيار عقله وميزان رأيه بدون
أن يتعرض لأدلتها الشرعية من الكتاب والسنة ومدارك
الفقهاء ، فإذا سلك طريق الرد عليه فى ذلك كله
طال الكلام بدون حاجة فاكتفى بما يكفى
فى هتك الستر عن مسعى المؤلف . ومؤلف الكتاب على
جلالة قدره بين الشافعية وكثرة مؤلفاته فى الفقه وأصوله

لا خبرة له بالحديث مطلقاً حتى تراه يقول في «البرهان»
 (أن حديث معاذ في اجتهد الرأي مخرج في الصحاح)
 وهذا بخلاف الواقع ، لأنه لم يخرج في أحد من الصحاح ،
 وإن كان الحديث صحيحاً عند الفقهاء على الطريقة التي
 شرحتها فيما علفت على « الذبذ » لابن حزم . ثم هو
 لم يذكر في « نهاية المطلب في دراية المذهب » التي
 هي أضخم مؤلفاته حديثاً واحداً ينسبه إلى البخاري
 إلا حديث الجهر بالبسملة ، وليس هو في البخاري ،
 كما أشار إلى هذا وذاك ابن تيمية والذهبي تشهيراً له
 بجهله في الحديث ، بل قال أبو شامة المقدسي الشافعي
 في « المؤمل » عند ذكره استدلال أهل مذهبه بالأحاديث
 الضعيفة ، وتصرفهم في الأحاديث نقصاً وزيادة : « وما
 أكثره في كتب أبي المعالي وصاحبه أبي حامد » وما
 كما ترى مضرها مثل عند أبي شامة في الجهل بالحديث .
 وبذكرنا هذا ما قاله ابن الجويني حينما غلب عليه
 فخر الإسلام الزدوي في مناظرة : « إن المعاني قد
 تيسرت لأصحاب أبي حنيفة لكن لا ممارسة لهم
 بالحديث » (١) يعني كأن له شأناً في الحديث وإن

(١) كما ينقله الإمام عبد العزيز البخاري صاحب « الكشف »
 و« التحقيق » في أول شرحه على « أصول الزدوي » . - النعماني -

أصبح مغلوباً في النظر وهذا ما يتسلى به المفلسون ،
 فإذا كان حال ابن الجويني والغزالي هكذا ، فما ذا
 يكون حال الفخر الرازي في ذلك ؟ فلا يكون هؤلاء
 من رجال هذا الميدان كما سيظهر ذلك بأجلى من هذا
 في مناقشاتنا معه . ا هـ

وقد طبع هذا الكتاب بمصر في رجب سنة ستين وثلاثمائة بعد
 الألف .

التعريف بالامام السندي

والامام مسعود بن شيبه السندي معروف في هيئات العلم بالامامة
 والسعة في العلم والثقة في النقل وعلمه اعتمد الاصحاح ، وقد ذكره
 في طبقات الحنفية الامام الحافظ الذي انتهت اليه رئاسة مذهب
 أبي حنيفة في عصره الشيخ قاسم الحنفي والامام الحافظ محي الدين
 عبد القادر القرشي والمحدث علي القاري ، قال القرشي في "الجواهر
 المضية" :

"مسعود بن شيبه بن الحسين السندي عماد الدين
 الملقب بشيخ الإسلام له (كتاب التعليم) وله (طبقات
 اصحابنا) رحمه الله عليهم اجمعين" .

وكذا في " تاج التراجم " في طبقات الحنفية للحافظ قاسم بن
 قطلوبغا . وقد ائتمنه الحافظ القرشي فنقل في كتابه "الجواهر المضية"
 عن "كتاب التعليم" أشياء . ووصفه المحدث علي القاري في "الأثمار

الحنفية في طبقات الحنفية " بالشيخ الفاضل الكبير " كما في " ترجمة الخواطر " للشريف عهد الحق الحسني رحمه الله ، وكان الإمام مسعود من أعيان أهل القرن السابع ، وقد اجتهدت بأن أجد له ترجمة أكثر من ذلك فلم أعثر على شيء مما بأيدينا ، وليس ذلك بالأمر الغريب فإن حوادث التتار التي تناهت في عهد الإمام السندي وما وليها من الظلمات أضاعت منا الوقوف على كثير من المؤلفات والآثار النافعة وفحول الرجال . فحسبنا الله ونعم الوكيل (١) . وهذا صاحب " مشكاة المصابيح " الذي طار ذكره في الشرق والغرب ، وكتابه متداول بين الناس منذ صنف إلى الآن ومع هذا فلا نعلم من ترجمته شيئاً سوى الاسم واللقب والكنية والنسب مع أنه متأخر عن الإمام السندي بكثير فتذكر فإنه مهم . بل يوجد في عصر ابن الجويني كثير من الأئمة الشافعية الذين حالهم كحال الإمام السندي يوردهم ابن السبكي في " طبقاته " ولا يذكر من تراجمهم ما يشفي العليل ، كأبي علي الزجاجي الحسن بن محمد بن العباس ، قال ابن السبكي : « أحد أئمة الأصحاب لم أجد له ترجمة تشفي العليل اه » والحسين بن محمد أبي عهد الله القطان صاحب " المطارحات " الذي ينقل عنه الرافعي في كتاب الغصب . وعهد الله بن طاهر

(١) واه صرح ابن السبكي في ترجمة الحافظ فضل الله التوريشي الحنفي حيث قال في " طبقاته " : « ووقعة التتار أوجبت عدم المعرفة بحاله اه » وهوب عدم المعرفة بحاله يعده ابن السبكي في الشافعية مع أنه حنفي .

التهمی الإمام الجلیل ، وعلی بن أحمد بن محمد الزہلی صاحب کتاب
 « أدب القضاء » الذی بقول فیہ ابن السہکی : « وقد ألهم علی
 أمر هذا الشيخ » وعلی بن أحمد السہلی أبی الحسن الإسفرائینی أحد
 الأئمة فما ظنک بمن بعدهم .

وقد أغرب ابن حجر العسقلانی فی کتابہ « لسان المیزان » حیث
 رمی الإمام السندی بالجهالة فقال :

« مسعود بن شہبة بن الحسین السندی (۱) عماد
 الدین الحنفی ، مجہول لا يعرف عن أخذ العلم ولا
 من أخذ عنه . له مختصر سماه (التعلیم) کذب فیہ علی
 مالک وعلی الشافعی کذباً قبیحاً . وقال : (لا يعرف
 للشافعی مسئلة اجتهد فیہا ، ولاحادثة استنبط فیہا حکمها
 غیر مسائل معدودة تفرد بها) کذا قال « ا » .

وقد عکر علیہ الإمام الکوثری قائلاً أن :

« ابن شہبة هذا جهله ابن حجر فيما جهل مع أنه
 معروف عند الحافظ عهد القادر القرشي ، وابن دقاق المؤرخ ،
 والتقي المقریزی ، والهدر العینی ، والشمس بن طولون
 وغيرهم . فنعد صنیع ابن حجر هذا من تجاهلاته المعروفة
 — الحاجة فی النفس — وقانا الله الهماع الهوى » . (۲)

(۱) ووقع فی المطبوعه هكذا : « مسعود بن سنة بن الحسن
 السندی » فلیصحح .

(۲) « تانیب الخطیب » (ص - ۳) .

ولا عبرة بوقعة ابن حجر فيه فإنه كثير الوقعة في السادة الحنفية ، ورحم الله السخاوى إنه لينكر منه ذلك، وتجد تفصيل ذلك في كتابنا ”ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجه“ هل وصفه تلميذه العلامة المحدث الحافظ برهان الدين أبو الحسن ابراهيم ابن عمر البقاعى الشافعى ”هشيع نحس“ وقال :

« إن فيه من سئى الخصال أنه لا يعامل أحداً بما يستحقه من الإكرام فى نفس الأمر هل بما يظهر له على شأئله من محبة الرفعة وأنه يغلط ويلاح فى غلطه اهـ »

كما ينقله السخاوى فى ”الضوء اللامع“ وقال قاضى القضاة أبو الفضل محب الدين محمد بن الشحنة الحنفى - الذى كان ابن حجر يحله ولم يكن بينهما أدنى حزازة - فى ”مقدمة شرحه على الهداية“ فى حق ابن حجر :

« وكان كثير التنكيت فى تاريخه على مشائخه وأصحابه وأصحابه لاسيما الحنفية فإنه يظهر من زلاتهم ونقائصهم التى لا يعرى عنها غالب الناس ما يقدر عليه ويغفل ذكر محاسنهم وفضائلهم إلا ما ألجأته الضرورة إليه . فهو سالك فى حقهم ما سلكه الذهبى فى حقهم وحق الشافعية حتى قال السبكى : ”إنه لا ينبغي أن يؤخذ من كلامه ترجمة شافعى ولا حنفى“ وكذا لا ينبغي أن يؤخذ من كلام ابن حجر ترجمة حنفى متقدم ولا متأخر اهـ »

كذا نقل الإمام الكوثري في ما علقه على "لحظ الألفاظ هذيل طهقات الحفاظ" تأليف ابن فهد من ترجمة ابن حجر ثم قال :

« ومن راجع تراجم الرجال في كتبه ثم فحص عنهم في تواريخ غيره ممن لم يتغلب عليه تعصب وهوى يجد صواب ما يقوله ابن الشحنة ماثلاً أمام عينيه »

(ص - ۳۲۸)

وبالجملة هذه المناداة التي صدرت من العسقلاني في حق الإمام السندي لا فائدة لها ألبتة ، فإن الناس يعلمون أنه يتجاوز عن ذنوب أصحابه وآثام أهل مذهبه ، ويقذع في حق الحنفية بما هم برآء منه . وأما رمية الإمام السندي بالكذب القبيح فهو أقبح إذ لم يأت بدلائل على دعواه سوى قوله : « وقال : لا يعرف للشافعي مسألة اجتهد فيها ، ولا حادثة استنبط فيها حكمها غير مسائل معدودة تفرد بها » ولا شك أن هذا مقابلة الفاسد بالفاسد ، فهلا تكلم في هذا بحصته و في هذا بحصته . فإن كان ابن حجر يرمي الإمام السندي بالكذب بسبب هفوة هدت منه في حق سيدنا الإمام الشافعي فليرم بالكذب جميع من تكلم من الأئمة الشافعية في حق الإمام أبي حنيفة بسوء . وليحاسب نفسه بما ذكر من الأكاذيب في حق ساداتنا الأئمة الحنفية في كتابه "لسان الميزان" وغيره .

فتلك شكاة ظاهر عنك عارها
وهذا سبيل ليس فيه بأوحد

ولا أقول في الإمام السندی إلا أنه إمام فقیه عالم أديب مؤرخ
كبير له خبرة بالحديث ومعرفة بالرجال ولا يخفى جلالته على من
طالع كتابه هذا . ولا أعلم له ذنباً سوى أنه لم يصبر على ظلم الخصم
فجرى في بعض المواضع مجرى ابن الجويني والغزالي في ادعاء ما
ليس له ، والتشنيع بما لا يوجه به ، ولوصان نفسه عن ذلك لكان أحسن .

ذكر النسخ الخطية لهذا الكتاب

قال الإمام الكوثري في مقدمة " الغرة المنيعة في ترجيح مذهب
أبي حنيفة " :

" رد على ابن الجويني والغزالي — في جملة من رد
عليهما — عماد الإسلام مسعود بن شيبه السندی في
« مقدمة كتاب التعليم » له وهي من محفوظات مكتبة
الجزائر بالمغرب ، ومكتبة شيخ الإسلام بالمدينة المنورة ،
ومكتبة لآلي بالآستانة ، ومكتبة الأستاذ أحمد خيرى
بروضة بخيرى باشا بدمشقم بمصر .

وبالأسف إنا لم نقف على نسخة من هذه المخطوطات التي
ذكرها الإمام الكوثري ، وحين اعزمنا تحقيق هذا الكتاب حصلنا
على نسختين مخطوطتين .

(إحداهما) محفوظة بخرانة " المجلس العلمى " بكراتشى ،
وقد وقع في آخرها ما نصه :

« انتهى نقله من نسخة الشيخ محمد زاهد الكوثري
- أطال الله بقاءه - التي أخذ صورتها بالفوتوغراف
بواسطة بعض أصدقائه من مكتبة " برلن " ولعله نسخة
وحيدة في العالم . وأرى أن الإمام الشيخ مسعود بن
الحسين السندی ألف هذه المقدمة لكتابه "التعليم" في أصول
الدين وفروع الشريعة على وفق مذهب الإمام أبي حنيفة
النعمان رحمه الله . وبالأسف لم نجد إلا هذه المقدمة ،
وهي ناقصة من مبدئها صفحات ، وتأخر نقلها بسبب
هناك .

والمجلس العلمی استنسخها بالقاهرة سنة ١٣٥٧ هـ
محمد يوسف البنوری عفا الله عنه
سنة ١٣٦٠ هـ «

والنقص الذي ذكره العلامة الشهير المحدث البنوري في هذه
النسخة إنما ينتهي إلى صفحة (١٣٢) بعد سطرين من المطبوعة كما
صرحنا به في الهامش . وهذه النسخة بخط أحد النساخ بمصر ممن
شدوا قليلاً من العلم .

(والثانية) محفوظة بخزانة " لجنة إحياء المعارف النعمانية "
بميدراآباد الدكن بالهند وهي بخط مولانا العلامة أبي الوفاء الأفغاني
رئيس اللجنة . وجاء في خاتمتها ما نصه :

« قال العبد الضعيف أبو الوفاء الأفغاني : وقع الفراغ
من نسخ هذه المقدمة المباركة يوم الأربعاء الثاني عشر

من شهر ربيع الأول المبارك سنة سبعين وثلاث مائة
بعد الألف من هجرة خير الأنام ﷺ من النسخة المصورة
بالتصوير الشمسي من نسخة مكتبة السلطان سليم خان
بالآستانة . والمصورة كانت للعلامة المحقق مولانا الشيخ
محمد زاهد الكوثري وكيل مشيخة الإسلام بالآستانة سابقاً
نزيل القاهرة في الحال . وكنت طلبتها من سيادته للنسخ
فأرسلها سيادته من مصر . وكان النسخ في دارالجنة إحياء
المعارف النعمانية بحيدرآباد دكن (الهند) في جلال
كوچه . والحمد لله رب العالمين .

وكان الشروع فيه يوم الأحد ۲۶ من شهر الله
المحرم من هذه السنة

وقع الفراغ بحمد الله ومنه من مقابلة الكتاب بالأصل
يوم الإثنين ۲۳ من ربيع الثاني سنة ۷۱ هـ . وكان
الابتداء فيها يوم الأحد الثامن من الشهر المذكور .
وصلى الله على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه وسلم .

وبالجملة النسختان كلتاهما مخطوطتان عن نسخة مصورة للإمام
الكوثري . ونسخة الإمام الكوثري مصورة عن نسخة محفوظة بمكتبة
لا لى بالآستانة . بإسم « كتاب التعليم في الرد على الغزالي والجويني »
تحت رقم ۸۳۹ من علم الكلام في ۲۱ ورقة ، وتاريخ نسخها عام
۸۴۷ هـ كما كتب إلى بذلك كله العلامة المفضل أبو الوفاء الأفغاني

أطال الله بقاءه في مكتوبه الذي أرسله إلى يوم الثلاثاء السادس من جمادى الأولى سنة ۱۳۸۱ هـ من حيدرآباد الدكن .

ولم آل جهداً في تصحيح الكتاب وتحقيقه وقد ظهر من مقارنة النسختين المخطوطتين أنه قد وقع في النسخة المصورة المنقول عنها سقط في بعض المواضع ، وربما تعذر فهم الكلام أو قراءته على الناسخ كما قد أشرت إلى هذا وذاك في الهامش ، فالرجاء من القارى الكريم أن يعذرني في تحقيق هذه المواضع وهي قليلة جداً .

ومنا عظيم الشكر باسم العلم لسيادة الأستاذ البحاث أديب السند ومؤرخها الشريف حسام الدين الراشدي الموقر فإنه الباعث لنشر هذا الكتاب ، وهو الذي حث " لجنة إحياء الأدب السندی " أن تقوم بطبعه فأجابت اللجنة هذا الطلب العلمي . وعهد إلى بتحقيق الكتاب وكتابة المقدمة والتعليقات ، فتم الأمر والحمد لله وحده . ولسيادة العلامة الكبير الواهب عمره للعلم ونشره الفقيه المحدث المحقق مولانا الشيخ أبي الوفا الأفغانى . - حفظه الله تعالى ونصر به العلم وأهله - ولسيادة الشيخ العالم مولانا طس الهزاروى مدير " المجلس العلمى " فإنهما - جزاهما الله تعالى عن العلم وأهله خيراً - قد تفضلاً على بإعارة نسختي الكتاب وجعلاهما تحت تصرفنا . وبذلك تيسر لنا معارضة النسختين إحداهما على الأخرى وتهيؤ الكتاب للطباعة والنشر .

وكذا أشكر تلميذ الأمس وصديق اليوم الشاب العالم الفاضل

عبد القيوم بن المولوى عبد المنان البهارى الهندى ثم اللائىلى بورى
الباكستانى فإنه قد رافقنى فى معارضة نسخة المجلس العلمى على
نسخة لجنة إحياء المعارف النعمانية . وأشكر أعز أصحابى تلميذى
ونختنى الأستاذ العالم الفاضل محمد أحمد — المدرس بالمدرسة العربية
الإسلامية بنيوٹاون كراتشى — فإنه كان زميلى فى التصحيح المطبعى
وجمع الفهارس . بارك الله فيه وفى ذريته ، ووفقه ، لكل خير ونفع
به العلم والدين . آمين .

وفى الختام أسأل الله العظيم أن يوفقنى لخدمة السنة المطهرة
وعلومها . وأن يغفرلى ولوالدى ولعمى ونحالى ولسائر أقربائى ولجميع
مشائخى وللمؤمنين وللمؤمنات ، إنه هو الغفور الرحيم .

محمد عبد الرشيد النعمانى

۲۰ ربيع الأول

سنة ۱۳۸۵هـ

مقدمه

دراسات اللبيب في الاسوة الحسنة بالحبيب

از

محقق العصر

مولانا محمد عبدالرشيد نعمانيؒ

دراسات اللبيب

في الأسوة الحسنة بالحبيب



للعامة البارع المنكلم الأصولي النظار محمد الملقب بالمعين، ابن

محمد الملقب بالأمين السندي المتوفى ١١٦١ هـ

بتقدمة وتحقيق

محمد عبدالرشيد النعماني



قامت بنشرها وطبعها

جنة إحياء الأدب السندي بكر اتشي

THE SINDHI ADABI BOARD

Karachi

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كلمة عن "الدراسات"، ومؤلفها الشيخ

محمد معين

الحمد لله على آلائه ، والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم
أنبيائه ، وعلى آله وصحبه وسائر حملة دينه وفقهائه .

أما بعد فقد نبغ في السند علماء بارعون لهم خدمات مشكورة
في العلوم الدينية ، سيما في الفقه والحديث ، كابي جعفر الديبلي صاحب
مكاتيب النبي صلى الله عليه وسلم ، والإمام مسعود بن شيبه السندی
صاحب كتاب التعليم ، والعلامة جعفر البوبكاني صاحب المصنفات
الشهيرة ، والشيخ أبي الطيب السندی شارح جامع الترمذی ، والمحدث
الشهير أبي الحسن الكبير شارح الأصول الست ومسند الإمام أحمد ،
والشيخ محمد حياة السندی صاحب الإيقان ، ومحمد أكرم
النصر بوری شارح شرح النخبة ، والعلامة الكبير محمد هاشم التتوی
صاحب التصانيف الكثيرة الشهيرة والمحدث محمد عابد السندی

صاحب طوابع الأنوار والمواهب اللطيفة وغيرهم . وبالجمله فلهم مساعي خالدة في نشر العلم والدين القويم لاتنسى على ممر الدهور .

هذا وقد قامت ، ولجنة إحياء الأدب السندی ، (۱) بنشر ما يوجد الآن من تراث سلفها الكريم لكي يعم نفعه ، فهذا كتاب ، دراسات اللبيب في الأسوة الحسنة بالحبيب ، للشيخ العلامة محمد معين السندی قد طبع قديماً ، و بلاهور ، ، في سنة (۱۲۸۴) لكن نسخه قد نفدت فصار كأندر ما يكون ، فأمرت اللجنة بإعادة طبعه ، ولما كانت النسخة المطبوعة قد وقعت فيها أغلاط كثيرة ، أشارت إلى اللجنة أن أقوم بتصحيحها والتعليق عليها ، فبذلت ما في وسعي إسعافاً لـمؤلفهم فجاء بحمد الله كما ترون بحيث يروق الناظر وينشط الخاطر . بيد أنه لم يتيسر لي الوقوف على ما وقع من السقط فيها لأنني لم أظفر بنسخة خطية من هذا الكتاب ، ولكني لم آل جهداً في تصحيح ما وقع في المطبوعة من التصحيفات والتحريفات ، وهذا أحسن ما قدرت عليه والعصمة لله تعالى وحده .

وأما التعليقات التي كتبت عليها فأكثرها اعتراضات عليه ، ومباحثات معه ، فيما يتعلق بالحديث وعلومه ، وأما النقد التفصيلي فقد أغنانا عنه العلامتان الحجتان الفقيهان المحدثان الشيخ عبد اللطيف وابنـه الشيخ إبراهيم التتويان بما انتقدا عليه في ” ذب الذبابات “ ، و ، القسطاس المستقيم ، ، رحمها الله وطاب ثراها ، وسميت هذه التعليقات ” بالتعقيبات على صاحب الدراسات “ ، وأما مؤلف الكتاب .

فهو العلامة البارع النظار محمد المدعو بالمعين بن العالم
 الفقيه الشيخ محمد المدعو بالأمين بن الشيخ الصالح طالب الله
 التقوى السندی، كان أصله من "والی"، موضع من مضافات
 "روياه"، "وبت باران"، من أرض السند فانتقل أبوه منها الى
 "تته"، (١) وهو من أهل "لاكهه دل (٢)،، قبيلة من قبائل
 السند.

ولد معين بتته، وكان بيته بيت فضل وصلاح. قال العلامة
 عبد اللطيف في "ذب الذبابات"، (٣)

(١) "تته"، بلدة مشهورة، كانت عاصمة لبلاد السند في الزمن
 الماضي بناها الأمير جام نظام الدين المعروف بهجام لنده في اواخر شهور
 سنة تسع مائة، وقد خرج منها علماء كثيرون، وبسط القول في وصفها
 مؤرخ السند علي شير قانع في "تحفة الكرام"، (ج - ٣ ص ١٨٥،
 طبع مطبعة ناصري بدهلي سنة ١٣٠٤) وهذا الكتاب منتشره باللجنة
 بتصحيح البعثة الكبير مؤرخ السند السيد حسام الدين الراشدي وتعليقاته.

(٢) ومما يذكر ههنا ان الشيخ معين كان لا يوقر حمد عطاء
 الشاعر ولا يبالي به وكان كثير المجون فاته يوماً وفي كمد
 خردل و نشرها على رأس معين فسأله معين ما هذا قال "خردل"،
 (وخر معناه بالفارسية الحمار ودل قبيلة معين) فضحك الحاضرون، اورد
 هذه الحكاية صاحب "روز روشن"، في ترجمته معين من كتابه المذكور

(٣) ونسخته الخطية محفوظة عند ابناء الشيخ دين محمد المرحوم
 مدير مجلة "التوحيد"، والارقام المذكورة هي ارقام اوراق هذه النسخة

”لقد كان آباؤه رحمهم الله تعالى خلفاً عن سلف صالحين ولم يكن فيهم عالم من علماء الشريعة إلا آباه الحقيقي وكانوا ممن يلتزم مذهب الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلى أن ماتوا ، ،
(ورقة ٣٥١)

وأما أبوه فكان من أفاضل عصره المشهورين . ترجمه مؤرخ السند علي شير قانع في ”تحفة الكرام (١) فقال ”كان في الفضل أشهر زمانه ، ، وصرح الشيخ العلامة ابراهيم في ”القسطاس المستقيم ، (٢) أن آباه ”محمد أمين الدل كان عالماً متبحراً حنفياً ، ، ووصفه العلامة عبد اللطيف في ”ذب الذبابات ، ، بالعالم الصالح الورع (ورقة ٦٧) وفي موضع آخر منه بالعالم الكامل ، (ورقة ٢٧١) تزوج الشيخ محمد أمين ابنة ”فاضل خان فحصل له بسببه الجاه الكثير ، وعاش حظياً مبكناً ،

و”فاضل خان ، ، جده أبو أمه ، اسمه ملا عثمان من قبيلة ”سميجه ، ، نشأ بكهلى ، موضع في السند ، وقدم ”تته ، ، وقرأ هناك العلوم المتداولة ، فلما تخرج ومهر رحل إلى ”شاه جهان آباد ، (دهلى عاصمة الهند) فصار من جملة الصدور المعدودين والأمثال المشهورين ، يضاهى الوزراء ويجرى في مضمارهم ، ولقب ”فاضل خان ، ، وولى كتابة الإنشاء بعد وفاة ”قابل خان ، ،

(١) تحفة الكرام ج - ٣ ص ٢٢٩

(٢) ونسخه الخطية محفوظة في خزانه مدرسه مشهور العلوم

بكراتشى ، والارقام المذكورة ارقام اوراق هذه النسخة .

میر منشی، وصار صدر الصدور، ولم یزل علی مكانته ورفعة منزله مستقیم الحال رخی البال إلى أن توفی، وكان یجل الشیخ طالب الله جد معین غایبة التبجیل لصلاحه وورعه ویحسن الیه ویكرمه، ولم یبق فی أعقابه سوى أسباطه. (۱)

دراساته و اساتذته

درس رحمه الله العلوم "بتته"، وهو إذ ذاك معهد العلوم الدينية فی السند وشیوخه من جملة العلماء الذین تشد إلیهم الرجال، ویأخذ عنهم أعلام الرجال، فمنهم الفقیه البارع، أبوه الشیخ العالم محمد أمين. قال العلامة عبد اللطیف السندی فی "ذب الذباب"، "وفیهم أبوه الذی هذبه ورباه وعلمه علوماً كثيرة"

(صفحة ۲۷۲ -)

ومن أشهر أساتذته الشیخ العلامة البارع عنایت الله (۲) ولازمه وتخرج علیه حتی برع وهو من أكبر شیوخه فی العلوم المتداولة،

(۱) وترحمته مذکورة فی "تحفة الكرام"، (ج - ۳ ص ۲۳۹)

(۲) وكان "أوحد عصره فی العلوم" أخذ عن العلامة أحمد الکتابی وتلمذ علیه العلماء الکبار منهم العلم التحریر العلامة ضیاء الدین شیخ الشیخ محمد هاشم، ترجمه علی شیر قانع فی "تحفة الكرام"، (ج - ۳ ص ۲۲۷) وقال العلامة ابراهیم فی "القسطاس المستقیم"،

"كان معلمه الشیخ المخدم عنایت الله من أجلة العلماء الحنفیه" وكان معلم المخدم أحمد من آحاد العلماء الحنفیه الأعلام اه، (صفحة ۲۸)

وقرأ كتاب "الفصوص" لابن عربي على الشيخ "علي رضا درويش" (١) حين وروده بته ،

وأخذ علم الحديث عن عصره مفيد السند ومحدثها ، العالم الرباني الحافظ الفقيه المتقن العلامة ذي الفنون الشيخ محمد هاشم بن عبد الغفور بن عبد الرحمن بن عبد اللطيف بن عبد الرحمن بن خير الدين السندی البتوراني البهرام بوي التتوي المتوفى سنة ١١٧٤ أربع وسبعين ومائة وألف. قال العلامة ابراهيم التتوي في "القطاس المستقيم" ،

"وأخذ علوم الحديث عن المحدث الشهير والعالم الكبير المجد الورع البارع الملاحى في حضرة الشارع ، والباقي به مع كمال

(١) ترجمه على شیر قانع فی کتابه "مقالات الشعراء" ، فقال

"و علی رضا درویش بنهی نسبہ الی حضرة الشيخ عبدالقادر الجيلی رحمہ اللہ ، ورد بته مرات عديدة ، وكان من العلم بمكان حيث درس علیہ "الفصوص" ، الشيخ محمد معين ، وكان من اهل المشاهدة ذا احوال عجیبة ، مضى اکثر عمره فی السیاحة ، وكلیا مر ببلدة مر وهو راكب فرسه والراية امامه ووقر بعیر كتباً معه ، ثم اقام ببهكر فی آخر عمره ، فاجرى له الامیر نور محمد ما یكفی امؤنه خدامه ، وله شعر حسن (بالفارسیه) انشدنی السید غلام علی له -

خیال قامت خوبان عصای پیری ما است

وله

بغو یشتن نگرید ای گروه حق طلبان

که غیر نیست چو خود واقف در جانان

الصحوة في حالتى الإثبات والمحو ، المولى الحاشم جدى وأب أبى الشيخ محمد هاشم أفاض الله تعالى علينا فيوضات علومه وبركاته آمين .
(صفحة ١٤٧) وقال فى موضع آخر منه -

” وممن عاصروه كان من قد أخذ المخدم المعترض وبعض علماء الحرمين الشريفين عنه علوم الحديث ، وقد كان حائزاً للصحاح الست والمسندات وكتب الأطراف والطبقات وعلوم معرفة الرجال ، وله تصانيف عظيمة مشهورة فى تلك العلوم منها أطراف البخارى له ، وكان من أكابر الحنفية فى عصره أيضاً ، وهو جدى وأبو أبى العارف المحدث العالم الحاشم المخدم محمد الهاشم رحمه الرب الدائم ، ، (صفحة ٢٨)

وذكر المصنف فى ، الدراسات ، ، فى زمرة مشائخه العلمين المنيفين ، والحبرين النحريين ، محدثى عصرهما الامام ولى الله الدهلوى (١) وشيخ الاسلام عبدالقادر الصديقى فقال فى الدراسة السابعة

(١) هو المفسر المحدث الفقيه المتكلم الاصولى العارف الامام العلامة محند الهند قطب الدين احمد بن عبدالرحيم بن وحيه الدين الشهيد بن معظم بن منصور بن احمد العمرى الحنفى الدهلوى ، ولد رابع شوال سنة ١١١٤ اربع عشر ومائة والف ، وحفظ القرآن وهو ابن سبع سنين ، درس على ابيه جميع العلوم المتداولة وفرغ منها حين كان عمره خمس عشر سنة ، وتوفى والده بعد سنتين من فراغه فجلس محله فى التدريس والافادة ، ورحل الى الحرمين الشريفين سنة ثلاث واربعين ، وسمع الحديث على جمع من المشائخ منهم الشيخ ابو طاهر الكردي ثم عاد الى

(ص ٢٧٣)

، ولقد سمعنا شيخنا عالم الهند وعارف وقته الشيخ
الأجل ولي الله بن عبد الرحيم الدهلوي رحمه الله تعالى الخ ،
وذكره في الدراسة الثامنة أيضاً بقوله -

، وقد وافقنا على هذا الرأي قدوة علماء دهره ، يعسوب
زماننا الشيخ الأجل الصوفي الأكمل إمام بلاد الهند الشيخ
ولي الله بن عبد الرحيم مشافهاً في جملة صالحه من آرائنا مخاطباً لي
في تفردى ببعض ما خالفت فيه الجماهير ،
ومن الرديف فقد ركبت غضنفرأ ، ،

(ص ٢٩٢)

وقال في الدراسة الخامسة (ص ١٨٧)

الوطن منه خمس وأربعين ، وصنف التصانيف الكثيرة أشهرها "حجة الله
البالغة" ، لم ينسج على منواله ، "وازاله الخفاء عن خلفه الخلفاء ،
وهو عديم النظير في بابيه ، وكان من أجله النبلاء وكبار العلماء اماماً ربانياً
موفقاً من الله سبحانه ، قال شيخه ابو طاهر الكردي ، ، انه كان يسند عنى
اللفظ وأنا اصصح منه المعنى ، ، وقال الشيخ الاجل العارف المظهر
جان جانان العلوي الدهلوي ، ، ان الشاه ولي الله قد بين طريقه
جديدة ، وله طراز خاص في تحقيق اسرار المعارف وغوامض العلوم وانه
رباني من العلماء ولعمري لم يوجد مثله في الصوفية المحققين الذين
جمعوا بين عامي الظاهر والباطن الا رجال معدودون . توفي منه ست
وسبعين بعد مائة والف .

و وصل بحمد الله سبحانه إلینا إجازة من شيخنا الأجل مفتي

حرم الله الأمين الشيخ عبدالقادر (١) رحمه الله تعالى ، ،

لكن العلامة عبداللطيف صرح في ، ذب الذبابات ، ، ان الشيخ

(١) هو الشيخ عبدالقادر بن ابی بكر الصديقي الحنفي المكي شيخ

الاسلام ببلد الله الحرام الشيخ الفاضل الفقيه الاوحد المفتي البارع
التعريف الهام ابو الفرج محي الدين ، اخذ العلم من مكة المشرفة ولازم
الطلاب على ابی الامرار حسن بن علي العجيمي المكي وتفقه به وسمع عليه
الموطأ والصحيحين وقرا عليه فن البيان وعرض عليه كثيرا من الكتب
كالمتول والاطول وغيرها من الشروح والحواشي وحضر دروسه في تفسير
القاضي والبعوى واجاز له لفظاً وكتابة وله من التأليف كتاب ساه ، تبيان
الحكم بالنصوص الدالة على الشرف من الام اه كذا في " ملك الدرر في
ايعان القرن الحادي عشر ، للشيخ ابی الفضل محمد بن خليل المرادي
(ج - ٣ ص ٤٩ طبع الميرييه بمصر سنة ١٣٠١ هـ) وقد جمع في ذكر
مروياته تلميذه المحدث محمد هاشم التتوي ثبته المعروف ، ، باتحاد
الاكابر بمرويات الشيخ عبدالقادر ، ، وهو من احفاد ملك المحدثين محمد
طاهر الفتني الكجراتي صاحب مجمع البحار كما صرح به السيد غلام علي
البلجرامسي في ماثر الكرام ، ، (ص ١٩٥ - ١٩٦ طبع مطبعة مفيد
عام باكره بالهند ١٣٢٨) حيث قال ، ومن احفاده الشيخ عبدالقادر بن
الشيخ ابی بكر وقد امتاز في عصره في العلم والفضل والفصاحة والبلاغة
وسمى في الفقه ، تولى منصب افتاء الحرم المحترم سنين وله من التأليف
الفتاوى في اربع مجلدات ونسخة منشات ، توفي سنة ١١٣٨ ثمان وثلاثين

معين لم يخرج من بلاد السند حيث قال -

” الحمد لله الذى جعل المعترض الساكن فى ، ، تنه ، ،
بلدة معينة من بلاد السند . من أول عمره الى أن مات ولم يخرج
فى أسفاره جميعها من بلاد السند الخ ، ، (ورقة ١٩٠)

فعلى هذا يمكن أن يكون الشاه ولى الله الدهلوى مر

وما تـهـ^٢ والى ، وانشأ شيخه الشيخ عبدالله طرفه الانصارى المحكى الشافعى
قصيدة يمدح بها تلميذه فاوصل فيها نسب حده الشيخ محمد طاهر الى
ابى بكر الصديق رضى الله عنه حيث قال -

قد كان جد ابيك بل ضريحه من اوجد العلماء والفضلاء

اعنى محمد طاهر من منجى الصديق حقه بغير وراء

والجمهور على ان الشيخ محمد طاهر من البواهير وبه صرح الشيخ
عبدالحق الدهلوى فى ، اخبار الاخبار ، ، والصديق قيل انه كان من جهة
الام ، وقيل من حيث الاعتقاد فان الشيعة يسمون انفسهم بالحنابلة
فلذا كان يدعوا نفسه بالصديق ، انتهى كلامه معربا من الفارسية ، قال
صديق حسن خان القنوجى فى ” اتحاف النبلاء المتقين باحياء مآثر الفقهاء
المحدثين ، ، (ص ٣٩٨ و ٣٩٩ طبع مطبعة نظامى بـكانپور بالهند سنة
١٢٨٨) والارجح القول الثانى فان النسب لا يثبت من جهة الام ولكن
من جهة الاب وسبب الاعتداد به من مثل الشيخ محمد طاهر العالم
المحقق بعيد جداً ، ولكن قول طرفه فى البيت المذكور ” حقه بغير
مراء ، ، صريح فى صحته كونه صديقاً سواء كان من جهة الام و
الاب انتهى معربا من الفارسية ، قلت ويدل على كونه صديقاً من جهة

هذه البلاد فلقية معين وأخذ عنه ، وأما حصول الإجازة من
 الشيخ عبدالقادر الصديقي فهو بالكتابة لا غير .
 شيوخه في الطريقة

ال في " القسطاس المستقيم " ، (ورقة ٢٨)
 " وكان مرشده في طريق الحق تعالى قطب للولاية
 المحمدية ، الورع التقي البار ، العارف العالم مولانا وسيدنا الشيخ
 أبو القاسم النقشبندی (١) قدس الله تعالى سره العزيز ،

الام تصنيفه رسالته المذكوة المسماة ببيان الحكم بالنصوص الدالة على
 الشرف من الام ،

(١) كان هذا الشيخ رضى الله عنه من كمل العارفين من اجلاء مشائخ
 السند في عصره صاحب الكرامات الظاهرة والافعال الفاخرة والاحوال
 الحارقة والمقامات السنية والمعارف العلية تلمذ له جماعة من اهل
 الطريق وانتمى اليه خلق من الصالحاء والاولياء واعترفوا بفضله واقروا
 مكانته وكان من اعيان علماء السند واكابر الشيوخ علماء وعملاً وحالاً
 قالوا وزهداً وورعاً توفي سابع شعبان سنة ١١٣٨ ثمان وثلاثين ومائة
 والى ودفن بمقبرة مكلى " بته " ، واراد الشيخ معين ان يفرد ترجمته رضى الله
 عنه بالتأليف فلم يرضه ونهاه عنه فامسك معين عن ذلك ، قال العلامة ابراهيم
 في " القسطاس المستقيم " ،

" وكان حنفياً شهيراً وهو حدى ايضاً وابواب امى من اكابر علماء
 بلدة تته وعرفائهم " ، اه (ورقة ٢٨)

قلت وترجمته ببسوطه في كتب القوم " كتبه الكرام " ، لعل شير

وذكر على شير قانع في "طومار السلاسل"، ونسخته الخطية محفوظة
في خزانة كتب لجنة إحياء الأدب السندي -

«ان المخدم محمد معين التتوي أخذ الطريقة عن المخدم أبي
القاسم النقشبندی عن الشيخ سيف الدين السرهندی عن أبيه الشيخ
محمد معصوم عن أبيه الشيخ أحمد السرهندی مجدد الألف الثاني
رضي الله عنهم»،

وقال العلامة إبراهيم في "القسطاس المستقيم"، (ورقة ١٤٦ و ١٤٧)
"كان يعيش مدة طويلة في حضرة القطب العارف،
ذي عوالى المعارف، الانسان الكامل، والكتاب الجامع الحافل،
سلطان ملك الولاية، فارس مضمار الهداية، القائم
بأمر الله الدائم، جدى أب أب أمى الشيخ أبى القاسم النقشبندی
قدسنا الله سبحانه بسره ونفعنا ببره آمين، لطلب الطريق
وكان في أوائله متأدياً ومتأثراً، فلما انتشر غلو الشاه عنايت الله
لأنكاه الصوفى (١) جزاه الله سبحانه بما هو يستحقه

قانع، و "تكملة" مقالات الشعراء، للشيخ خليل، ونسخته الخطية محفوظة
في خزانة كتب السيد حسام الدين الراشد، الموقر، وستنشره اللجنة بتصحيح
الاستاذ المذكور وتعليقاته، وتحف الطاهرين، لا عظم التتوي وقد نشرت
اللجنة بتصحيح آغا بدر الدين الدراني وغيرها من المصنفات،

(١) هو الشيخ عنايت الله بن فضل الله بن ملا يوسف بن ملا
شهاب الدين بن ملا احب بن الشيخ الاحل المخدم صدر الدين
المعروف بصدور لأنكاه الصوفى القادرى، ولأنكاه قبيله مشهورة، وآباء

توجه إليه بإيثار الاثنينية فترا منه الشيخ قدس سره ثم تاب
فقبل الشيخ توبته فتوفي الشيخ بعد رياح قلائل ثم تقلد بقلادة

المذكورين كلهم من مشايخ الطريقة المعروفين ببلاد الهند، درس
الشيخ عنایت الله العلوم المتداولة على الشاه غلام محمد واخذ الشاه
غلام محمد الطريقة عن تلميذه وحصل له منه الاجازة، واخذ الشيخ
عنایت الله الطريقة عن الشيخ عزب الله القادري عن ابيه الشيخ جلال محمد
السنوري عن الشيخ ميراجي البرهان بوري عن الشاه عبدالشكور عن
الشاه برهان الدين عن الشيخ نعم الدين عن علي الخطيب الاحمد
آبادي عن برهان الدين البحاري عن السيد محمود عن ابيه السيد جلال
عن الشيخ ركن الدين ابي الفتح عن ابيه صدرالدين عن ابيه شيخ
الاسلام بهاءالدين زكريا الماتاني عن شيخ الشيوخ شهابالدين
السهروردي رضي الله عنهم اجمعين كما في ،، طومار السلاسل ،، لعل شير
قانع ، والشيخ عنایت الله طاف البلاد في بدايه امره حتى وصل الى
الدكن فاخذ هناك عن السيد عبدالملك وعمل عنده المجاهدات الشافيه
حتى حصل له ما حصل ، وقد بالغ في الثناء عليه على شير قانع في
"تحفه" الكرام ،، ومقالات الشعراء ،، ونسخته الخطيه بيد المصنف
فوطه في خزانه كتب اللجنه ، وستنشره اللجنه بتصحيح الاستاذ
البحاثه المحقق السيد حسام الدين الراشدي وهو تحت الطبع الان ،
وانما قال العلامة ابراهيم التتوي في حقه ، اقال لانه انكر عليه اباحته
لسجود التحيه وغيرها فان الناس كانوا يسجدون بين يديه ، وقد احضر
الشاه غلام محمد المذكور بين يدي علماء ،، تته ،، وهزر لسجوده بين

السید عبداللطیف التارک اه (۱)

وقال العلامة عبداللطیف فی ” ذب الذبابات ، ،

” ومنهم الأولیاء السرہندیۃ الذین أخذ منهم هذا المعترض
ومشائخہ الکرام الذین ربوہ الطریقة القادرية والنقشبندیۃ ، ،

اه (ورقة ۱۹۶)

وقال العلامة ابراہیم فی ” القسطاس المستقیم ، ،

” وكان يدعی کمال الفناء لنفسه فی حضراتہم القدسیۃ ، ،

(ورقة ۲۸)

وقال فیہ أيضاً

” كان المعترض مدة عمره يدعی نفسه من مریدہم ومن

کلاب بابہم ، ، (ورقة ۴۱)

یدی الشاہ عنایت واللہ اعلم ، واستشهد صاحب الترجمة سنہ ۱۱۳۰
ثلاثین ومائۃ والف قتلہ والی تہ النواب اعظم خان بن صالح خان بعد
ان حاصرہ فی قلعہ ، ، جھوک ، المعروفہ ، بمیران پور من توابع بتورہ
اربعة اشھر ثم انزلہ من الحصن فقتلہ والوقعہ مشہورۃ ،

(۱) هو السید عبداللطیف بن سید حبیب شاہ الشہیر بالتارک کان
ابوہ رجلاً صالحاً من رجال اللہ ، وكان السید عبداللطیف من اکابر العارفين
صاحب الرتبة العلیہ وكان رحمہ اللہ امیاً ومع ذلك لہ قدم فی ارسخ
علوم القوم ، وخوارقہ کثیرة وقد افردت فی ترجمتہ تألیف . توفی
سنہ ۱۱۶۵ خمس وستین ومائۃ والف ودفن ، ، بہٹ ، ، قریۃ مشہورۃ
من توابع ، ، ہالہ کنڈی ، ، وقبرہ مشہور بزار ویتبرک بہ ،

وقال أيضاً فيه -

”والحال أنه كان مدة عمره يدعو نفسه من كلاب باب هذا

العارف الكامل ومتابعيه ، ، (ورقة ٣٠)

وقال أيضاً فيه -

”والمعترض يدعى فناء نفسه في حضرته القدسية أعني

به الإمام الرباني والهيكل النوراني المجدد للألف الثاني قدس

الله تعالى أسرار طالبيه الى يوم الدين ، ، (ورقة ٣٤)

قلت وكان يعتقد فوق ذلك في حق الشيخ الأكبر ابن عربي

رحمه الله كما يظهر من ، ، الدراسات ، ، فلم يذكر فيه شيئاً من

المشائخ السرهندية مع كثرة نقله من أقوال الشيخ ابن عربي بل

خص الدراسة الخامسة وهي من أكبر دراساته لمحضن الاحتجاج

بكلامه وساق فيها من الفتوحات المكية للشيخ الأكبر ما يدل على

مطلوب الباب ثم شرحه بالتفصيل والاطناب حيث قال

”الدراسة الخامسة ، ، وهي متمحضة من كلام الشيخ الأكبر

الأجل الوارث الأكمل قطب أقطاب الأمة محي الدين محمد

بن العربي الطائي الحاتمي المغربي الأندلسي قدسنا الله تعالى بجداول

علومه القدسية الفائضة من بحره المحيط الذي لاساحل له ، ، آه

وصرح العلامة عبداللطيف في ”ذب الذبابات ، ،

”أن نسخة الفتوحات التي كانت في خزانة المعترض

نسخة واحدة غير مصححة مملوءة بالغلط الكثير ، ، (ورقة

ومن كان مجلهم الشيخ معين ويستفيد منهم الشيخ جلال محمد (١)
من أهل ككراله، كان عالماً نحريراً، نادرة العصر لم يكن له
نظيراً في جمعه للعلوم، ومع وفور علمه وكونه بارعاً في الطب
والنجوم كان يعيش كسائر الناس وكان يحب الانزواء ولا يأتي الأمراء،
وكان الشيخ محمد معين يعظمه في العلم غاية التعظيم ويرجحه على
على أكثر علماء عصره،

ومنهم العلامة مير سعد الله الفوري (٢) قال على شير قانع في
"تحفة الكرام"، (ج - ٢ ص ٣٤)

(١) ترجمه "على شير قانع في" تحفة الكرام، (ج - ٣ ص ١١٤)
(٢) قلت هو العلامة السيد سعد الله بن السيد غلام محمد السلونى
ولد سنة ٨٨٩ وتسعين و ألف بقصبة سلون من مديرية آله آباد بالهند،
ونشأ هناك وكان ابن اخت الشيخ بير محمد السلونى من كبار الاولياء،
وفق لطاب العلم في صغره وفرغ من دراسته العلوم في زمن قليل وجلس
للتدريس والافادة في ريعان شبابه، وصنف التصانيف البديعة في علم
الحقائق والحكمة والمعقولات واخذ الطريقة عن ابيه عن الجهجاني عن
الصوفي فيروز عن السيد وجيه الدين العلوى الحجراتى، ورحل الى الحرمين
الشريفين فاقام بمكة مدة ورزق القبول من الناس كافة واعتقده الاكابر
والاصاغر حتى اخذ عنه اعلم علماء عصره شيخ العالم الذى قد انتهت
اليه سلسلة اسانيد اكثر علماء العرب والعجم الشيخ عبد الله البصرى
المكى المتوفى سنة ١١٣٤ اربع ثلثين ومائة و ألف الطريقة القادرية
كما صرح به ابنه الشيخ سالم بن عبد الله البصرى في ثبته الذى جمع

”كان المخدم محمد معين التتوي يعتقد كمالاته العلمية غاية الاعتقاد وكان يرجح رأيه على أكثر الآراء ، وكان عند الضرورة يستمد منه في حل الدقائق في ضمن مراسلاته ، انتهى معرباً من الفارسية .

فيه اجازات والده ومروياته حيث قال ،

” مشائخه في الطريق واماتته في الارشاد والتحقيق جملة اجلاء منهم العلامة المحقق السيد سعد الله الهندي عن السيد عبد الشكور عن الشاه مسعود الاسفرائني عن الشيخ علي الحسيني عن الشيخ جعفر احمد الحسيني عن الشيخ ابراهيم الحسيني عن الشيخ عبدالله الحسيني عن الشيخ عبدالرزاق عن سيدنا عبدالقادر الجيلاني قدس الله اسرارهم ،

ولما عاد السيد سعد الله من الحرمين الشريفين اقام ببليدة ”سورت“ بالهند فصار مرجعاً للعالم ، وتوفي رحمه الله ١١٣٨ ثمان وثلاثين والاف ودفن ”سورت“ ترجمه السيد غلام علي الباجرامى في ”مآثر الكرام“ قلت وعنه اخذ الطريقة امام الديار السندية في وقته العلامة محمد هاشم التتوي قال الشيخ ابراهيم خليل في ”تكملة“ مقالات الشعراء ،

” لما الح المخدم محمد هاشم علي الشيخ النقشبندی (ابي القاسم) في امر التلقين قال الشيخ ان صور المتلقنين قد عرضت علي واستم فيها فقال المخدم دلوني على موضع فيه شيخى فقال هو السيد سعد الله السورتى علامة العصر وصاحب الارشاد وصاحب الطريقة القادرية فذهب المخدم اليه واستفاد منه انتهى معرباً من الفارسية

وقال أيضاً في ترجمته من ، تحفة الكرام ، ،

”وكانت تجرى بينه ، وبين مير سعد الله السورقي

القوري مراسلات الاخلاص والمحاكمات العلمية انتهى معرباً .

ومنهم الشيخ فقير الله العاوي الجلال آبادي ثم الشكار بوري كان

من كبراء العارفين ومشائخ الطريقة المعروفين ؛ أخذ الطريقة عن الشيخ

محمد مسعود البشاوري وكان موهباً للأنام من كبار الأمازين بالمعروف

والناهين عن المنكر ، وكانت الحكام والأمرء يعظمونه ويبجلونه وكان

يرشدهم إلى إقامة العدل ودفع الجور ، توفي رحمه الله ” بشكار بور ، ،

ثالث صفر سنة خمس وتسعين ومائة وألف ، وقبره مشهور بزار ويتبرك

به ، وقد طبع مكائبيه في مجلد ضخيم بـلاهور وفيه خمسة مكاتيب إلى

الشيخ معين ، يظهر من مطالعتها أن الشيخ معين كان يسئله عن

بعض الأمور الآتية ويلتمس منه الدعاء في إنجاح الحوائج ، والشيخ

العاوي يجيبه ويرشده إلى مواظبة صيغة الصلوة المنجية ويوصيه بالصبر على

الضراء ، والنظر إلى الظاهر دون المظهر .

ثناء العلماء عليه ،

وصفه الشيخ فقير الله العاوي في المكتوبين من مكائبيه ، الثالث

والعشرين والخامس والعشرين ، ، بالعالم الرباني ، ، وقال على شير قانع

في ، تحفة الكرام ، ،

” ان الله قد جعله جامعاً لجميع فنون الكمال في عصره ،

كان تحرير العصر ، علامة الدهر في المنقول والمعقول ” انتهى

معرباً .

وقال ايضاً في "مقالات الشعراء" ، له
 ، وكان جامعاً لعلوم المعقول والمنقول ، حاوياً لمعالم
 الفروع والأصول ، كاشفاً للحقائق العلمية والعملية ، شارحاً للدقائق
 الصورية والمعنوية علامة العصر ، نحرير الوقت مظهر أنوار الحقائق
 الربانية ، ومهبط آثار المعارف السبحانية ، انتهى معرباً من
 الفارسية .

ووصفه الشيخ ابراهيم الخليل في "تكملة مقالات الشعراء" ، -
 ، وعمدة العلماء الربانيين ، وقدوة المفسرين والمحدثين ،
 المخدم محمد معين قدس سره ،
 ووصفه أعظم التتوي في "تحفة الطاهرين" . بجامع العلوم ،
 ووصفه صديق حسن خان القنوجي في "دليل الطالب على أرجح
 المطالب" ، -

"بالشيخ العلامة الأديب "محمد معين" ، (۱)
 وفي "اتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين" ، -
 ، ، بالشيوخ الفاضل المحقق (۲) ، ،
 ونقل صاحب ، مدار الحق في رد معيار الحق ، ، عن السيد
 نذير حسين الدهلوي مصنف ، ، معيار الحق ، ، أنه كان يبالغ
 في الثناء على كتابه "الدراسات" ، ويرجحه على تأليفه "معيار
 الحق" . المذكور ، وقال ، كان هذا الرجل محققاً كبيراً ، وله

(۱) ص ۱۶۷ طبع مطبعة شاهجاني بيه بال بالهند سنة ۱۲۹۵

(۲) ص ۷۸

اطلاع واسع على الكتب اه كما سيأتى نصه ، وقد أقر بتبحره وفضله
منتقده العلامة ابراهيم التتوى حيث سمي كتابه ، الذى صنفه فى
الرد عليه ، "بالقسطاس المستقيم فى الجواب عما وقع للفاضل
المتبحر المخدم محمد معين التسليم من السقطات الواهية والقول
السقيم ، ، واعترف فى "سحق الاغبياء ، ، بكونه ماهراً فى كل فن كما
سيأتى والفضل ما شهدت به الأعداء .

انتقاد الأكابر عليه

قال الشيخ الإمام محمد هاشم التتوى ، فى "السنة النبوية فى القطع
بالأفضلية ، ،

، والمعلوم من حاله أنه لازال مشغلاً فى جميع عمره بأهمال
الحق وإظهار الباطل ومستمراً إلى آخر حياته على إحياء البدع
وإماتة السنة ، وتحليل المحرمات كالبدعة الفاشية أيام عاشوراء
وكضرب الطبول والنقارات (١) والدوائر والطنبورات فانه كان
يحضرها بنفسه عنده ، ويأمر بها الناس بضربها فى المساجد
الشريفة التى هى بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه
تعالى إلى غير ذلك من الأباطيل التى لاتعد ولا تحصى اه (٢)
وقال العلامة عبداللطيف بن الشيخ محمد هاشم المذكور فى مقدمته

(١) النقارات كلمة عامية جمع نقاره وهى الطبل ، وكذلك الدوا

جمع دائرة وهى الدف ،

(١) نقله العلامة ابراهيم حفيد الشيخ الامام " فى القسط

المستقيم ، ، (صفحة ٢٠)

” ذب الذباباب ، ،

” من المعلوم أن صاحب ” الدراسات كان رأيه واعتقاده
يميل إلى الشيعة في أكثر ما يقول أو يفعل في أحكام الشريعة ،
والبينة الواضحة والقريظة الفاضحة الدالة عليه رسالة له سماها
” مواهب سيد البشر ، ، حيث كفر وفسق فيها مروان ، ولقد
وجد في ” صحيح البخاري ، ، بعض أحاديثه من غير المتابعات
والمعلقات ؛ وذكر فيها أن الخلفاء الإثني عشر الذين جاء الحديث
بوجودهم في أمتهم صلى الله عليه وسلم هم الإثنا عشر من أهل
بيت الرضوان ، وأن سيدتنا فاطمة والأئمة الإثني عشر معصومون
كعصمة الأنبياء على نبينا وعليهم الصلاة والسلام والثناء ،
وأنهم أوصياء الرسول المأمون صلى الله عليه وعليهم وسلم ، وأنهم
مخصوصون بالصلاة والسلام عليهم إصالةً واستقلالاً دون غيرهم
من الصحابة والتابعين ولو من الخلفاء الثلاثة وأبناءه صلى الله
عليه وسلم أو بناته غير فاطمة فلا يجوز الصلاة عليهم والسلام
إلا تبعاً ، وأشياء كثيرة غيرها مخالفة للدين القويم البنيان ، زعماً
منه أن هذا نصرته منه لأهل بيت الرضوان ، ،

ورسالة سماها ” الحجة الجلية في رد من قطع
بالأفضلية ، ، فقد ذكر فيها أن الراجح والإنصاف والحق الذي
هو معتقده الحكم بأفضلية علي على الثلاثة رضي الله تعالى
عنهم ، وأنه لم يحصل من أحاديث أفضلية أبي بكر وإثنين
بعده الجزم بظنية فضلهم على علي فضلاً عن الجزم بقطعيته ،

وأن كون هذه الأحاديث نصاً منطوقاً في هذه الأفضلية باطل ،
 وأن حديث "أما ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى" ،
 "قطعى في إفادة فضل على على أبى بكر وإثنين بعده ،
 وأن الحكم بتبديع من لم يفضل الشيخين على على أو فضله
 عليهما جسارة من القول ، وأن الحكم بأفضليته عليهما قول
 أكثر الأولياء من أهل العزلة ، وهو الكذب الصريح عليهم ،
 وأن هؤلاء الحاكمين بمثل هذه الأحكام هان عليهم جانب أهل
 بيت النبوة رضى الله تعالى عنهم حتى لينوا أمرهم في أكثر الأمور
 ولم يراعوه حق الرعاية فلم يبالوه في باب الأفضلية أيضاً في
 انجرار حكم الابتداع إلى زيد بن على بن زين العابدين لقوله
 بتفضيل جده على بن أبى طالب على أبى بكر وعمر وغيرهما
 على ما هو معلوم من مذهبه ومذهب أتباعه ، ثم قال فيها ،
 ولو وجد هذا الانجرار إلى علمائهم كابن الهمام من الحنفية
 والمزنى من الشافعية فضلاً عن أبى يوسف ومحمد لكفوا عن
 إطلاق ذلك الحكم ولعالخوا الأمر أشد المعالجة لحصول التقصى
 عن هذه الشناعة ، فإما أن يتيقن بعصية هؤلاء بالأئمة
 الطاهرين من أهل بيت النبوة عناداً أو لكونهم أدون وأحقر
 عندهم من علماء مذاهبهم فضلاً عن أئمتهم ، ثم قال ، فإلى
 الله سبحانه وإلى رسوله صلى الله عليه وسلم المشتكى ، لم يبق
 على وجه الأرض من مذهب الأئمة الإثنى عشر الطاهرين
 أوصياء الرسول صلى الله عليه وسلم وأوليائه إسم ولا رسم بحيث

لا نرى في كتبكم منهم فتوى ولا رواية ولا أثراً ، أما في
 كتب الفقه فأصلاً ، وأما في كتب الحديث فكذلك إلا شيئاً
 يسيراً لا يشفي غليل العاطش إلى منهم ، والأثر الباقي منهم على
 الأرض اليوم هو زيد بن علي رضي الله تعالى عنهما في حفظ
 مذهبه وبقاء أتباعه اليوم ، وكون أكثرهم أبناء في الأمة
 ممن صح نسبهم الشريف ، وكثير من هذه الأمور المخترعة
 سيظهر عليك من " الدراسات ، أيضاً ومن المعلوم انه لم
 يحفظ مذهبه ولم يثبت عليه تفضيل على على الثلاثة ، ،
 ورسالة سماها " قرّة العين ، ، فإنه ذكر فيها إباحة
 التعزية على سيدنا الحسين رضي الله تعالى عنه بلبس
 السواد والنياحة والحداد ، وأن دليل القائلين بعدم جواز التعزية
 بعد الثلاث باطل ، وأن من استبعده فهو طائش لا يمعن النظر
 في الدقائق ، وأن ذكر الله تعالى بالمسبحة المأخوذة من تراب
 كربلاء ، والسجدة لله تعالى عليه محمود ، وأنه والله لو كان صلى
 الله عليه وسلم حياً في قضية كربلاء لاستن هذا الحداد كثيراً
 مما يغفل عنه فقهاء أهل السنة وقراءهم ، وأن كون الحزن
 والندبة والبكاء على الحسين في أيام عاشوراء من شعار الروافض
 ممنوع ، وأن التقية محمودة وهي التي قال فيها جعفر
 الصادق رضي الله تعالى عنه " التقية ديني ودين آبائي ، ،
 ورسالة له في تحقيق معنى حديث " لانورث ما تركنا
 صدقة ، حيث حكم فيها بأن فاطمة رضي الله تعالى عنها

سيدة العالمين إنسا ومملكاً وذكر فيها معنى آخر لذلك الحديث
الذى هو عين التوجيه الذى ذكره الرافضة فيه ليرد الطعن على
أبي بكر فى منعه رضى الله تعالى عنه ميراثه صلى الله عليه
وسلم عن فاطمة على وجه الإرث،

”ورسالة له حكم فيها بإسلام أبى طالب وهو حكم على خلاف
إجماع أهل السنة، ومكابحة خصت بها الشيعة الشنيعة،،

وهذه ”الدراسات،، حيث ذكر فيها أن معاوية

ممن رأى رأيا على خلاف الأحاديث فمالت الصحابة على
الإنكار عليه، وأنه كان باغياً جائراً لم يتحمل عنه السنة والدين

قبل تسليم الحسن رضى الله عنه الخلافة إليه، قلت ومن
هذا الحكم ينجر حكم البغى والجور وعدم صحة تحمل السنة

والدين إلى من كان معه قبل ذلك التسليم، وهو نصف الصحابة
الكرام أو أزيد بشئ قليل أو أنقص كذلك، وذكر فيها أن

التزام مذهب واحد من المذاهب الأربعة وغيرها متابعة لذلك
المذهب دون الرسول، وأنه إخلال بترك الواجب، وأنه

ارتكاب حرام، وأنه إشراك فى توحيد وجهة الرسول، وأن
إجماع الأئمة الإثني عشر إجماع معتبر، وأن مذهب واحد منهم

مذهب باقىهم، وأن أمثلة الاجماع التى وجدت فى الشريعة
ليست من باب الإجماع المعتبر، وأن الحديث الصحيح

يجب تركه، بمجرد عملهم وعمل واحد منهم فقط، ويحرم تركه
بعمل غيرهم ولو من الصحابة أو الخلفاء الثلاثة، وأنهم

معصومون كالأنبياء بمعنى استحالة صدور الذنب والخطأ عنهم ،
 وأنهم معصومون من الخطأ الاجتهادي أيضاً بالمعنى المذكور .
 ورسالة له في حقيقة القول بالتناسخ ومذهب الدهرية
 ورسائل أخرى له يظهر منها ظهوراً بيناً وفاقه في أكثر أقواله
 وأفعاله بالشيعة ولذا كان يخفيها بعد أن صنفها وهذبها ولا يظهرها
 على رؤوس الأشهاد ، بل إنما يظهرها عند الآحاد ، الذين قلده
 فيما كان معتقده ودأبه ، وشأنه وديدنه ، وحلوا عن أعناقهم
 ربقة تقليد المجتهدين زعماء منهم على ما أسسه في
 ” الدراسات “ ، أن الواجب عليهم وهم عوام أو طلاب العلم تقليده
 وأن تقليده واجب عليهم وأن تقليد المجتهدين حرام عليهم ،
 فالتزموا ما ذهب إليه إلزاماً أكيداً وسموا من خالفهم جباراً
 عنيداً ، وبعض أشعاره الفارسية حيث قال .

وای قوم سایه گیر شجره ملعون حق

آن زقوم دوزخی بارش یزید بدمال

قال أيضاً ،

برملك برجن وانس این نوحه آمد فرض عین

هی غریب کربلا جان جهان شاه حسین

قال أيضاً

ای بد آن قومی که بهر آل سفیان باختند

نقد ایمانی که باشد سکه دار نام آل

قال أيضاً

صد هزاران لعنت حق باد بر ابن زیاد
 صد هزار اندر هزاران بر سر شمر لعین
 آن دونگ صد هزار ابلیس در ظلم و شقا
 آن دوبازوی یزید رجس رأس الخاسرین
 وقال أيضاً -

ای واعظ خوش کلام ، شیرین پیغام
 منبر به سواد قبره گون کن بتمام
 باروی سیه ، خاک بسر فاش بگو
 در تعزیت حسین صبر است حرام

وقال أيضاً في آخر منقبتيه في مدح سيدنا علي المرتضى رضي الله
 تعالى عنه

برای نقش خوش دین جعفری "تسلیم" ،
 زجوهر یمین دل نگین ما شده بود
 ومن المعلوم أن صاحب "الدراسات" ، كان يذكر اسمه في
 جميع أشعاره الفارسية بلفظ "التسليم" ، وجعله تخلصاً لنفسه فيها
 وغيرها من أشعاره الفارسية والعربية .

وبعض أشعار ولي عهده السيد نجم الدين عزلت ، والمتمسك
 بحبل عقائده الذي ألف رسالة مفردة في عقائده فأظهرها على بعض
 تلامذته سرّاً فلما سمعوا عنه شيئاً منها ، تولوا عن متابعتها
 ومتابعة أستاذه ومعتقده ، فأخفى أمرها ولم يجد سبيلاً إلّا
 إظهارها ، وفيها ما فيها من ردائل العقائد الفاسدة المنطبقة على

قواعد الزائغة الرافضة ، وهو ما قال -

از اهل شام هيچ ميرس وزظلم آن
صد لعن بر يزيد زحق واتظلماه

وقال أيضاً -

ختام مرثيه " عزلت ، ، بلعن مروان كن
بلعن ابن زياد لعين شيطان كن
بلعن شجره ملعونه باش رطب لسان
كه خاندان زافا عيل آن سگان ويران

وقال أيضاً -

" عزلت ، ، ختام مرثيه لعن يزيد كن
حب خود از مكامن غيبي پديد كن

وقال أيضاً -

ای موالی ماتم آمد جامه جان چاک كن
لعن آل حرب را ورد زبان پاك كن

وبعض أقواله وأفعاله المعلومه لنا ، من استحباب الجمع في
الوضوء بين غسل الأرجل ومسحها من غير لبس الخفين ، ومن العمل
بترك مسح الخفين في طول عمره ، ومن قوله عن صميم قلبه أن
الحق في أمر فذك وغره كان مع فاطمة ، وأن أبا بكر وغره ممن
قال بخلاف ما قالت به كانوا مخطئين ، ومن اجتماع نساء كثيرة بأمره
ورضاه في بيته في العشرة الأولى من شهر الله المحرم كل سنة ،
ونياحتهن ، ولبسهن السواد ، وتسويدهن الوجوه وخمش الحدود ،

وشق الجيوب ، والدعاء بالويل والثبور جهاراً ونزاً التراب
 وضرب الأيدي على الثدي والصدور والوجوه ، وتنف الشعور والحداد ،
 والحث عليها والرضاء بفعلها جميعاً ، أو بعضها من الرجال
 التابعين له ، ومنع الرجال والنساء عن أكل الطيبات من
 اللحوم والألبان والأسمان واستعمال الأدهان ، ومنعهم عن النوم
 على السرر وتركه تدريس العلوم وتعطيله المدارس ، وحته غيره
 على ذلك وذهابه عند الرفضه فيها ، والحث لهم على ما يفعلونه
 فيها من المنكرات في باب التحزن ، والإفتاء لهم بأن صدور
 هذه الأفعال والحركات والسكنات من هؤلاء لم ينشأ إلا من
 كمال حبهم بآله صلى الله وسلم عليه وعليهم ، وتعظيمه للتأبوت
 الذي حضر مجلسه ، والخشوع والخضوع له بنفسه وأتباعه أزيد
 من مقدار الركوع ، وتجويز صنع التأبوت فيها ، وعده صنعه
 وذلك الخضوع والخشوع له من جملة العبادات ، ومدحه بنفسه وأتباعه
 هؤلاء الفاعلين والفاعلات لهذه البدعات بحبهم لأهل البيت الرضى
 وصدق حسن نيتهم إليهم ، ومن غصبه حقوق أهل البيت
 من أقاربه طول عمره وغصبه ألوفاً من أموالهم كل سنة اعتصاماً بحبل
 الحكم الظالمين وإعطاء الرشوة لهم ، ومن الإكراه عليهم أن يكتبوا له
 إبراء عاماً فيما مضى من الغصوب وفيما سيأتى منها بتوسط
 تلك الظلمة ، ومن منعه في أيام غلبة الغالية الرفضه على
 هذه البلاد ومجئهم في هذه البلدة "تته" عن أن يذكر
 أسماء الصحابة الكرام في خطبة الجمعة والعيدين تمسكاً بأن هذا الذك

فيها لم يعهد في عهد الصحابة والتابعين وإنما هو محدث فينبغي
 تركه وزعماً أن هذا السعي منه يكون موجباً لرضا أولئك
 الغالية عنه ، ثم لم ينل كلامه راديه ولم يقع شئ منهما بفضل الله
 الكريم إلا ما اتفق في يوم الجمعة واحد من ترك الخطباء ذكر
 أساميتهم رضي الله تعالى عنهم من كثرة خوف أولئك الغالية ،
 ومن كونه يركن إلى الأحكام الظالمين فيخضع عندهم أزيد من
 مقدار الركوع ويجلس إليهم وإن كانوا رفضةً سبابين للسلف
 الصالحين أو دهرية أو غيرهم حسبوه معهم وتيقنوا أنه منافى
 الدين ، لا إلى هؤلاء ولا إلى هؤلاء فجعلوه حكماً بينهم فيما
 اختلفوا فيه من أباطيلهم الباطلة فعملوا بما حكم به ، ومن
 سعيه في قتل بعض العلماء وإيذائه إيذاءً شديداً ، وهو الذي
 أخذ علم الحديث عنه وكان قدوة أهل السنة والجماعة في عهده
 حين سعى لإجراء بعض الأحكام الشرعية القطعية فكتب
 لإجلها مكتوباً إلى حضرة السلطان ، ومن أنه كان لا يؤخذ من
 سب معاوية رضي الله تعالى عنه وأمه وأباه أبا سفيان رضي
 الله تعالى عنهما ، ويؤخذ من كان يريد مؤاخدة سابعهم ،
 ومن أنه كان يقول بافتراض اللعن على يزيد وابن زياد وشمر
 وجواز لعن من لا يلعنهم أو حكم بكراهة اللعن عليهم أو بعدم
 جوازه أو بانه خلاف الأولى أو بأن السكوت فيه أسلم وإن كان
 ذلك القائل بهذه الأقوال محباً صادقاً لأهل البيت العظيم
 ومملوئاً قلبه من العداوة والبغض الشديد إلى أعدائهم الظالمين

وهو شأن المؤمنين فثبتنا اللهم عليه . ومن سعيه الشديد في دفع
إجراء الأمور القطعية المذكورة لأجل رضا الحاكم الوالي من
غير إكراه منه في ذلك عليه ، ومن أنه لا يقبل دعوة الوليمة ولو
كانت من أي الداعي إلا إذا ألزم على نفسه شرط إحضار
المطربة الفاسقة في مجلسه وإحضار المعازف والملاهي فتتغنى بها
عنده في ذلك المجلس على رؤوس الأشهاد بالأغاني ، ومن
أخذه القروض طول عمره بطريق الربوا ، ومن عمله الدائم على
بيع السلم من غير وجود الشرائط المعتبرة في صحتها ، ومن حكمه
بجواز أخذ اللحى قبل وصولها إلى قدر القبض ، ومن حكمه
بجواز الخضاب بالسواد البحت لغير الغازي أيضاً ، ومن غيرها
من المبتدعات والمنكرات التي لاتعد ولا تحصى ؛ ولكن لما كان
أكثر أهالي هذه البلاد يطعنون طعناً كثيراً عليه ويشيعونه
ويرفضونه ويدهرونه ويطعنون على من كان يتمسك بطريقه
ويتدين بسبيله ؛ تحيل للتقية التي كانت عنده محموداً ؛ ومضى
له في ذلك مدة موفورة ؛ فلم ير إلى ذلك سبيلاً إلا بالانحراط
في سلك العلماء العاملين بالحديث النبوي الغير الملتزمين مذهباً
واحداً أي مذهب كان من المذاهب الأربعة وغيرها فأحدث
ما أحدث ؛ وأبدع ما للابتداع أورث ؛ وصنف "الدراسات" ؛
تقويةً لدعواه ورداً لانسلاك أكثر العلماء المتقدمين والمتأخرين
من الأولياء العظام والمحدثين الفخام والفقهاء الكرام وأهل
البيت المنعم في رتبة التقليد لمذهب معين من الأربعة وحماه ؛

فجعلناه تقليداً لعالم دون ما قال الله تعالى وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم على وفق هواه ؛ وسيظهر من تعليقاتنا أن دعوى هذه إدعاء غير قائم على مبناه ، وقول لا يلتفت إليه بعد ما ظهر الحق كالشمس في ضحاها ؛ اهـ

وقال العلامة إبراهيم بن عبداللطيف بن الشيخ محمد هاشم التتوي ؛ في كتابه "سحق الأغبياء الطاعنين في كمال الأولياء وأتقياء العلماء" ، ونسخته الخطية محفوظة بمدرسة "مظهر العلوم" ، بكراتشي - "وأعجب من ذلك وأغرب أن المخدم محمد معين بن المخدم محمد أمين الذي أبوه كان عالماً حنفياً تقياً ؛ وهو بعد ما تعلم العلوم العربية وصار ماهراً في كل فن ترك مذهب أبي حنيفة وطعن فيه وأظهر كثرة الإصابة مع الإمام الشافعي ؛ فتقلد الإمام الشافعي ثم جمع رسائل صرح فيها أن دلائل أهل السنة والجماعة ظنية تتعارض وتتساقط فيما بينها فلم يبق لهم دليل إلى الحق ؛ وجزم أن معاوية رضي الله عنه كان إماماً جائراً لا يتحمل عن مثله الدين ولا السنة ؛ وقال إن الذي اتبع مذهباً معيناً فهو الذي حجج على سعة رحمة الله تعالى ؛ ثم قال ؛ ان المتبع مذهباً ثنوي مشرك لأن من تبع أبا حنيفة أو الشافعي فقد أخرج عنقه من كوة سيدنا محمد رسول الله صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم وأدخل في كوة إمامه أبي حنيفة أو الشافعي يتبرأ منه أثمته يوم القيامة (اذ تبرأ الذين اتبعوا من الذين اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بهم)

الأسباب) وأثبت رفع اليدين في كل خفض ورفع ولو في خفض السجدين ورفعهما عند الشافعي غلطاً ؛ وحرم الصبر على شهادة الإمام حسين بن علي رضي الله تعالى عنهما ؛ وأوجب تعزية كل عاشوراء مع الرسوم والبدعات ، وقال بقطعية الأقوال الإجتهدية للأئمة الإثني عشر من أهل بيت النبوة ؛ وقطعية كل كشف من كشوف كل ولي من أولياء الله كيفما كان كقطعية النص القرآني والحديث المتواتر ، وبقطعية الحكم بإيمان فرعون القبطي إلى غير ذلك من المفاسد الكثيرة الوفيرة مع أن كل ذلك باطل باطل باطل اهـ (ورقة ٢٩)

وقال في " القسطاس المستقيم " ؛ منتقداً على بعض أقواله -

" فهذا ليس فيه دليل للمعترض في إباحته لمبتدعي بلدة

" قده ، صانها الله سبحانه من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا

آمين ؛ التواييت بصورتي قبري الحسينين الكريمين رضي الله

تعالى عنهما والسجود لهما والنوحة وضرب الحدود وشق الجيوب

والدعاء بالويل والشور ، وذكر المطاعن في الصحابة ضمن

مذكورات المشاجرات والتشنيعات على أئمة المذاهب والحكم

على أتباعهم بالثنوية لأنه يعد المقلدين ثنوية اهـ (ورقة ١٥٤)

" حسن عشرته مع الحكام ، "

كان الشيخ معين يجالس الأمراء والحكام ويوزرونه أيضاً

ويجلونه ، وقد صرح بركونه إلى الأمراء الظلمة العلامة

عبد اللطيف في "ذب الذبابات"، وقال علي شير قانع في
 "تحفة الكرام"، إن الحكم كانوا يأتون لزيارته ويبجلونه غاية
 التبجيل، وهو أيضاً كان يلاقهم بوجه طليق ويرحب بهم اه
 وقال في "مقالات الشعراء"، وأكثر الحكم يتشرفون بحضورهم
 عنده بارادة تامة، وكان أيضاً يخاطب أرباب الدول ويعاشرهم
 معاشرةً حسنةً اه وصنف باستدعاء النواب "مهابت خان"،
 والى "تته"، المتوفى سنة خمس وثلاثين ومائة والفي، كتاباً
 في حل اصطلاحات الصوفية، ولما ولي "تته"، النواب
 سيف الله خان (١) وكان من الشيعة الغلاة الداعين إلى مذهبه
 بأقصى جهده (٢) جرى له معه ما ذكره الشيخ عبد اللطيف
 في مقدمه ذبه، وكان بينه وبين سيف الله المذكور علاقة وثيقة
 ورابطة صادقة، ولعل هذا هو السبب لميله إلى بعض مسائل

(١) ولي في ذي الحجة سنة سبع وثلاثين ومائة وألف، واستمر
 على ولايته نحو ست سنين إلى أن مات سنة ثلاث وأربعين ومائة وألف
 وابنه صادق علي خان بن سيف الله خان أيضاً قد ولي "تته"، نيابة
 عن أمير خان سنة تسع وأربعين وألف، وعزل في سنة خمسين وكان علي
 قدم إليه وقد جرى في عهدها ما جرى كما نقلناه سابقاً عن مقدمه
 "ذب الذبابات"،

(٢) قال علي شير قانع في ترجمته من "تحفة الكرام"،
 (ص ١٠١) ومذهب تشيع را خيلي رواج داده يعنى وبه انتشار الرافض
 انتشاراً عظيماً،

الشيعة وعقائدهم، وحكى الشيخ أعظم التذوى في ترجمته من كتاب "تحفة الطاهرين"، أنه كان بعض ندماء النواب المذكور منحرفاً عن الشيخ محمد معين فترصد لأذاه وأراد أن يقع النفارينه وبين النواب، ولما لم يتيسر له ذلك استدعى من النواب سيف الله خان لنفسه تولية الحسبة "بچاچگان"، موضع بالسند وكانت فيها ضيعات للشيخ معين وأراد بذلك أنه إذا وصل هناك يخرب ضيعته بحيث لا يبقى فيها وجه للغلة، فاضطرب لذلك الشيخ معين اضطراباً شديداً وأتى حضرة الشيخ أبى القاسم النقشبندى وكان يتوضأ فشكى إليه ذلك والتمس منه الدعاء ففاق الشيخ من اضطرابه حتى سقط الإبريق من يده وتكسر ثم التفت إلى معين وقال لا تحزن سينقلب حاله كذلك فيقال إنه لما ذهب لتولية الحسبة إلى البلدة المذكورة جمع فرسه كما وصل إلى فرض البلدة حتى ألقاه على الأرض ثم أخذ يعدو ورجله في ركاب فتكسرت عظامه وسقط ميتاً،

"اشتغاله بالعلم،"

وكان له مدرسة يدرس فيها ويقوم بأمرها أحسن قيا ويكفي مؤنة المتعلمين بها والنازلين إليها، وخرج منها كثير ممن تولى الدرس وتأهل للفتيا كما صرح به القانع في "مقالات الشعراء"، وكان مكباً على مطالعة علوم الأوائل من المنطق والفلسفة والنجوم والموسيقى وغيرها، قال العلامة عبد اللطيف "ذب الذبابات"،

” إن هذا المعترض انكب على كتب
المنطق والحكمة المملوءة بالأباطيل طول عمره ،
(ورقة ٨٥)

وقال الشيخ إبراهيم في ” القسطاس المستقيم “ ،
” إنه كان يرى في مدة عمرة كتب علوم
الفلسفة والنجوم والموسيقى وصنف فيها ، وفي الرمياء
والكيمياء والهيمياء وغيرها ، ، (ورقة ٦٠ و ٦١)
ومضى على ذلك حتى بلغ سن الكهولة وحينئذ وفق
لطلب الحديث ، فقد ذكر في مقدمة دراساته ، أنه لما بلغ
بـه سفر العمر إلى مرحلة العشر السادس عكف على كتب
الحديث وختم بمدة قليلة الأصول السبعة ، ولعل هذا هو الباعث
لفوته سماع الكبار وأخذه علم الحديث عن عصره الشيخ محمد
هاشم التتوي ، وحينئذ قد نزع من عنقه قلادة التقليد وصنف
” الدراسات “ ، وذلك بعد ما درس الفقه الحنفي واذعن لدقة
نظر الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه فقد صرح في ” الدراسة
الثانية عشر “ ،

” إن دقة نظر أبي حنيفة في أغوار هذا الفن
مما لا يساهمه ، فيها أحد من الأئمة السابقين واللاحقين ،
وذلك أمر مفروغ عنه في شأنه ولقد ذقت
هذا بحمد الله تعالى في صناعته النظرية حين قرؤا على
كتاب ” الهداية “ ، في فقهه فقل دليل ينسب إليه

ولم يكن الظفر عندى فى عونہ على دليل غيره ، وسرد

الأمثلة فى ذلك يعسر طريق الحتم علينا ، (١)

ولكن صرح فى " ذب الذبابات " أنه

" لم يكمل فيه آلة الاجتهاد ولو فى مسألة أصلاً (ورقة ٧٠)

وصرح فيه أيضاً

" والتبحر فى الحديث فى هذا الزمان لا يكون

إلا بعد استجماع كتب الحديث والعكوف عليها

واستقراء الأحاديث النبوية ، ولم يتيسر هذا المعنى لهذا

المعترض لأنه لم يوجد عنده من تلك الكتب الا قدر يسير ،

(ورقة ٧٢)

" انحرافه عن ابن تيمية "

وكان معين يعادى الشيخ ابن تيمية أشد العداوة حتى

كان يسبه ويكفره ويسميه " بشقى الدين " قال فى " ذب

الذبابات ،

" والعجب كل العجب من استدلال المعترض

بقول ابن القيم وهو من تلامذة ابن تيمية الذى كفره

المعترض وفسقه ، ومن أثنى عليه واعتقده اعتقاداً

تاماً ، وأثنى على كتابه الموسوم " رد الروافض " لابن

تيمية ثناءً جميلاً الذى أحرق أكباد المعترض إحراقاً

بليغاً فحكم بوجوب إحراق كتابه المذكور وشنع على

من أنكر وجوبه ، أو أثنى على ابن تيمية فحكم عليه
بما حكم وهم براء عن حكمه ، ، (ورقة ١٨٠)

وفيه أيضاً

” والمعترض ممن يذم ابن تيمية وأتباعه ، ذمّاً كثيراً
بل أوجب تحريق كتاب ابن تيمية في ” رد الروافض ،
وأغلظ في شأنه تغليظاً شديداً ، وحرّم النظر إلى أقواله
وأقوال أتباعه والالتفات إليها ، (ورقة ٢٩٩)

وقال في رد القسطاس المستقيم ، .

” والمعترض كان ينكر على الإمام الحافظ ابن تيمية فكان
يسبّه ويلعنه ، ويكفره ، ويبدل لقبه المعروف تقي الدين بقوله
” شقي الدين ، ، وحرر في شأنه ما حرر ، فعلق في مبحث
آية التّظهير من كتاب : منهاج أهل النبوة في رد الروافض
والقدرية ، ، الذي صنّفه الإمام الحافظ شيخ الإسلام تقي الدين
بن تيمية ما لفظه ، ، : فعلم أنه أي ابن تيمية خارجي عدو
لأهل البيت بل هو ملعون شقي انتهى كلام المعترض .
(ورقة ٢١١)

ولقد كتب معين إلى شيخه الشاه ولي الله الدهلوي يستفسره

في حق ابن تيمية فأجابه بما نصّه ،

: الحمد لله مفيض النعم ، وملهم الحكم ، وصلى الله على
سيدنا محمد سيد العرب والعجم ، وعلى آله وصحبه عوالى الهم
أما بعد ، فيقول الفقير ولي الله بن عبد الرحيم عاملهما الله

تعالى بفضله الجسيم ؛ وردت رقيمة كريمة من مخدوم مكرم
لازال معيناً للحق والدين في الفحص عن حال الشيخ تقي الدين
أحمد بن تيمية ؛ عامله الله تعالى بفضله ، وأى شئ ينبغى
أن يعتقد فيه ، فوجب الائتمار بأمره ، والذي أعتقده أنا واحب
أن يعتقده جميع المسلمين في علماء الاسلام حملة الكتاب والسنة
والفقه الذابين عن عقيدة أهل السنة والحديث أنهم عدول
بتعديل النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال (يحمل هذا العلم
من كل خلف عدوله) وإن كان بعضهم تكلم بما لا يرضيه هذا
المعتقد إذا كان قوله ذلك في أصول الدين أو في المباحث
الفقهية أو في الحقائق الوجدانية وعلى هذا الأصل اعتقدنا في
الشيخ الأجل محي الدين محمد بن علي بن العربي ، وفي الشيخ
المجدد أحمد بن عبد الأحد السهرندي انهما من صفوة
عباد الله ولم نلتفت إلى ما قيل فيهما ، فكذلك ابن تيمية
فإننا قد تحققنا من حاله أنه عالم بكتاب الله ومعانيه اللغوية
والشرعية ، وحافظ لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وآثار
السلف ، عارف بمعانيها اللغوية والشرعية ، استاذ في النحو واللغة ،
محرر لمذهب الحنابلة فروعه وأصوله ، فائق في الذكاء ، ذواسان
وبلاغة في الذب عن عقيدة أهل السنة ، لم يؤثر عنه فسق
ولا بدعة ، اللهم إلا هذه الامور التي ضيق عليه لأجلها وليس
شئ منها الا ومعه ، دليله من الكتاب والسنة وآثار السلف ، فمثل
هذا الشيخ عزيز الوجود في العالم ومن يطبق أن يباحق مثاؤه ، في تحريره

وتقريره والذين ضيقوا عاميه ما بلغوا معشار ما آتاه الله تعالى وإن كان تضيقهم ذلك ناشئاً من اجتهاد ، ومشاجرة العلماء في مثل ذلك ما هي إلا كمشاجرة الصحابة فيما بينهم ، والواجب في ذلك كف اللسان إلا بخير ،

وقد ذكر أنه قال " أن الله تعالى فوق العرش " ، والتحقيق أن في هذه المسئلة ثلاث مقامات أحدها البحث عما يصح إثباته للحق توقيفاً وعما لا يصح توقيفاً ، والحق في هذا المقام أن الله تعالى أثبت لنفسه جهة الفوق وأن الأحاديث متظاهرة في ذلك ، وقد نقل الترمذي ذلك عن الإمام مالك ونظائره ، وثانيها أن العقل هل يجوز كون مثل هذا الكلام حقيقة أو يوجب حمله على المجاز ، والحق في هذا المقام أن العقل يوجب أنه ليس على ظاهره في نفس الأمر ، وثالثها أنه هل يجب تأويله أو يجوز وقفه على ظاهره من غير تعين المراد ، والحق فيه أنه لم يثبت في حديث صحيح أو ضعيف أنه يجب تأويله ولا أنه لا يجوز استعمال مثل تلك العبارات من الأمة ، أخبرني أبو طاهر عن أبيه أنه قال قال الحافظ ابن حجر العسقلاني ، لم ينقل عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا عن أحد من الصحابة من طريق صحيح التصريح بوجوب تأويل شئ من ذلك يعنى المتشابهات ولا المنع من ذكره ، ومن المحال أن يأمره الله نبيه بتبليغ ما أنزل عليه من ربه وينزل عليه (اليوم أكملت لكم دينكم) ثم يترك هذا الباب فلا يميز ما يجوز نسبته إليه تعالى مما لا يجوز مع حثه على

تبليغ الشاهد الغائب حتى نقلوا أقواله وأفعاله وأحواله وما فعل
 محضرته فدل على أنهم اتفقوا على الإيمان به على الوجه الذي
 أراد الله تعالى منها وأوجب تنزيهه المخلوقات بقوله (ليس كمثله شيء)
 فمن وأوجب خلاف ذلك بعدهم فقد خالف سبيلهم انتهى ، وهذا
 الذي حققناه هو مذهب الشيخ أبي الحسن الأشعري عند التحقيق ،
 أقراني أبو طاهر المدني رضي الله عنه بخط أبيه أن الشيخ أبا الحسن قال
 في كتابه ، إني على مذهب أحمد في مسألة الصفات وأن الله فوق العرش ،
 وكلام ابن تيمية محمول على المقام الأول والثالث ، وإذا رجعنا إلى
 الوجدان فلا شك أن لله تعالى خصوصية مع العرش ليست لغيره من
 مخلوقاته ، ولا تجدد عبارة في ذلك أفصح وأقرب من الاستواء إلى العرش
 كما أنا لانجد عبارة في انكشاف المسموعات والمبصرات أفصح
 من السمع والبصر والله أعلم بحقائق الأمور ،

وقد رذكر عنه " أنه منع السفر لزيارة النبي صلى الله تعالى عليه
 وسلم ، ، ولا يرد على كلامه في ذلك دليل صريح صحيح فإنه لم
 يمنع الزيارة مطلقاً بل منع السفر لزيارة القبر بحديث
 (لاتشد الرحال) ولحديث (لاتتخذوا قبري عيداً) فإذا كان لقوله
 مساع إجهادي لا ينبغي أن يشدد عليه ذلك التشدد ،

وقد ذكر عنه أنه أنكر وجود القطب والغوث والخضر والذي
 يدعيه الشيعة أنه المهدي وحق له ذلك فان السني دام على
 شرطه من اعتقاد ما ثبت بالكتاب والاجماع والسكوت عما لا يثبت
 بها يجوز له أن لا يعتقد ذلك ، ومن أثبت من الصوفية فإنه

لم يثبت من كتاب وسنة ، اللهم إلا الكشف ، وليس من أدلة
الشرع ، والذي أفهم من كلامه أنه يريد أن هذا قول متبدع
باطل إعتقاده من حيث الشرع لقوله صلى الله عليه وسلم
(من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد) ولو كان قطع
بالانكار لم يستحق التكفير والتفسيق أيضاً ، وههنا دقيقة وهي أنه
كم من مسألة لم يدل عليها الشرع لانفيها ولا إثباتاً ودل عليها
العقل ، كقولنا يحصل من ضرب العشرة في العشرة المائة ،
والكشف والوجدان ، كقولنا المحبة الذاتية ثابتة للكل من عباد الله
وهي ميل الوجود الخالص الى أصله المطلق من القيود كمثل
ميل كل عنصر الى مقمره ، وهذه المسائل حقة في الحقيقة ولو
اعتقد انسان أنها من الشرع كان اعتقاده ذلك خطأ ، ولو
أحلها محل الثابت بالشرع فأنكر على من لم يقل بها أو حاول
إثباتها على منكريها كاثبات الشرعيات كان خطأ ،

وقد ذكر عنه أنه أنكر اعتقاد الشيعة في الإمام
المحجوب على زعمهم ، وحق له أن ينكر ذلك بل الأ شاعرة
كلهم على هذا الانكار لا أعلم أن أحداً قال به .

وقد ذكر عنه أنه أساء الأدب مع سيدنا على رضي الله
تعالى عنه وحاشاه عن ذلك وقد طالعت كلامه فوجدت بعضه
مسوقاً في منا قضية كلام الشيعة في طعنهم على الخلفاء الثلاثة
بأمور تخيلوها نقصاً كما هو مذكور في آخر " التجريد " ، فقام
هذا الشيخ يعدد عليهم أموراً اعترفوا بها في سيدنا على وهي

مثلها كأنه يقول ليست هذه الامور نقصاً كما تخيلتم فإن مثلها
 مأثور عن سيدنا علي وهو رضي الله تعالى عنه مرضى عندنا
 وعندكم فما هو جوابكم في سيدنا علي هو جوابنا في الخلفاء
 الثلاثة ، وهذا من كمال علمه وقوته ، ومن الاعتراف بفضل
 سيدنا علي ، وعلى هذا الأصل يخرج قوله ، ” معلوم أن الرأي إن لم
 يكن مذموماً الخ أن الحسين رضي الله عنه لم يعظم إنكار الأمة
 لقتله كما عظم إنكارهم لقتل عثمان ، وقوله ” فإن فضل أبي بكر
 الخ معناه الرد على الشيعة في طعنهم على الصديق في منع فذك
 وأنه إيذاء لفاطمة رضي الله تعالى عنها ، وقد قال النبي صلى
 الله عليه وسلم ” يؤذيني ما آذاها ، ، أن مثل هذه الأمور مستثنى
 من مطلق الإيذاء لأنه مما يشرع للشرع ، وكذلك قوله ” وأما فعل يؤذيني
 الخ حاشاه أن يشنع على علي وفاطمة رضي الله تعالى عنهما
 بل هو على سبيل المناقضة كأنه قال ، تشنيعكم على أبي بكر هو
 مثل ما فرض من تشنيع على علي فاطمة فما هو جوابكم هو
 جوابنا بعينه ، وبعضه في مناقضة الشيعة في إثباتهم فضيلة
 سيدنا علي على الخلفاء الثلاثة وهو مذكور في آخر ” التجريد ،
 أيضاً فقام هذا الشيخ يثبت للخلفاء الثلاثة مثل ما أثبتوا لسيدنا
 علي أو أفضل منه ، وليس في التفضيل إساءة أدب فإن
 التفضيل مذهب أهل السنة أجمع ، وحاشاه أن يسيئ الأدب
 مع علي رضي الله عنه ، وأما تفسير آية الطهارة بالإرادة
 التشريعية فصحيح ، ومثله قوله تعالى (يريد الله بكم اليسر ولا يريد

بكم العسر) و (يريد الله أن يتوب عليكم) إلى غير ذلك من الآيات،
وبعد فإني اذكر الله عزوجل كل مسلم في هذه
المسئلة وأمثالها ، الله الله أن يسب أحداً من المسلمين عالماً
مجتهداً في أمثال هذه ، فهذا ما تيسر في الحال من الجواب
وما حماني عليه إلا النصيح ، والله أعلم بحقيقته - اهـ ، ، (١)
و ولوعه بالغناء ، ،

وكان مولعاً بسماع الغناء أشد الولوع بل يعده ، من
الطاعات حيث قال في "الدراسات"،

"إن السنة كل فعل وعمل أتى به النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم من أمور الدنيا والآخرة وليست الدنيا إذا طرزت
بطراز السنة دنيا ، فهو صلى الله تعالى عليه وسلم داع إليه
ووجب على الخلق إجابة دعائه ، هذا على وجه دعى إليه لحتم
تبعيته بالوحي المنزل وبقوله ، فهو مما يشمله الآية الكريمة (يا أيها
الذين آمنوا استجبوا لله وللرسول إذا دعاكم) فمن ثبت عنده
أن النبي صلى الله عليه وسلم سمع الغناء بدف مثلاً ثم امتنع
عنه لا لما يجد في نفسه من العوارض المحرمة بل لقول رجل
قال بحرمته مطلقاً فذاك توقف في إجابة مادعى إليه رسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم من إباحة هذا الصنيع وترك

(١) طبع هذا المكنوب مع مكتوباته الفارسية بدهلي بمطبعة محبوب
المطابع مع ترجمته بالاردوية (ص ٦٣ حتى ٦٨) ولكنه كان مملوئاً من
النصحيات والمترحم ، قد حذف ترجمته أكثر العبارات فاتبعنا تصحيحه ،

أوجوب فور العمل ، وهو ههنا اما نفس السماع أو توطين نفسه
على اباحة ذلك ، (ص ٢٥٩)

وقال على شير في " تحفة الكرام ،

"وكان محباً للسمع عالماً بالموسيقى كما ورد في الخبرنسبة
أهل التحقيق أن "السمع معراج الاولياء ، (١) وقد انتقل في
عين سماع الغناء من دار الفناء إلى دار البقاء ، (انتهى معرباً
من الفارسية)

وقال أيضاً في مقالات الشعراء

"إنه كان يصاحب حضرة سلافة السادات العظام ، عمدة
المشائخ الكرام صاحب الآيات الظاهرة والكرامات الباهرة السيد
عبد اللطيف قدس سره ، الشهير بالتارك من أهل " بهت ، ،
موضع قريب قصبة " هاله كندی ، ، بكمال الارادة وصدق
النية ، وهو أيضاً كان كثيراً ما يأتي لزيارته في البلدة فتقع
مجالس الغناء والقال والحال ، وقد كان حضرة اللطيف موجوداً ،
أيضاً في وقت ارتحاله حين فاضت روحه إلى المولى الحقيقي .
(انتهى معرباً من الفارسية)

وقال العلامة عبد اللطيف في " ذب الذبابات ، ،

(١) هذا الخبر الذي ذكره على شير لا يثبت عن رسول الله عليه
وسلم ولا عن احد من الصحابة والتابعين ، قبح الله واضعه ما احراه على
الكذب ، وعلى شير مع ميله الى التشيع لم يكن له بصيرة بالعلوم
الشرعية ،

”وكان المعترض ممن يقول بجواز جميع المعازف والملاهي والمجوس
حتى المزامير والطنابير والنقارات، بل كان يقول باستثناءها
مطلقاً حتى إنه كان لا يقبل دعوة الوليمة ولا غيرها من أحد
من الشرفاء وغيرهم حتى يأتي بها وبالمطربه والمغنيين الذين
لا يصلون ولا يصومون ويرتكبون ما حرم الله تعالى ورسوله،
صلى الله عليه وسلم ويشربون الخمر والمسكرات، ويفعلون ما
يفعلون من النواهي ولا يكادون يفعلون ما يؤمنون في مجلس تلك
الدعوة، ومع هذا لا يكتفي على هذا القدر، واستأجر كثيراً من
أولئك المطربين الملتزمين تلك المعازف والملاهي برمتها
الزماماً شديداً وجعل لهم أجوراً كثيرة من دنياه، إما مياومة
أو مشاهرة أو مسانحة لأجل التغنى بتلك المعازف والملاهي
عنده أي وقت شاء وأي حين أراد، وكان يعطي لهم الملابس
النفيسة ويهب لهم مواهب وهدايا ونفائس وعطايا، ويسمع منهم
الغناء المقرون بها في الخلاء والملاء، ويتطرب بذلك، ويعده
عبادة مقربة إلى الله تعالى ووسيلة إلى الفوز بالدرجات العلى،
وعادة جميلة لحصول المعرفة بالله تعالى ومدداً وعوناً في
الوصول إليها، ويحضر غيره على ذلك حض عباد الله تعالى
على الصلوات والصيام والصدقات، ويأمر بجميع ذلك وينهى
عن ترك التغنى والمعازف والملاهي، وهو وإن كان في أول أمره
نقشبندياً معتزلاً عن جميع هذه الأمور لكن لمآمات شيخه
ومرشده قدس الله تعالى سره في الطريقة المباركة النقشبندية أحدث

هذه الأمور ونشأ بها إلى أن فاجأه الملك المأمور، وكان في
 صحة وتعيش وسرور فقبض روحه ذاهباً إلى جلال الله الشك
 (ورقة ٣٠٣ و ٣٠٤)

وقال الشيخ ابراهيم في "القسطاس المستقيم"،

"واستأجر عنده القوالين المشهورين في ذلك الزمان بالابتداع
 والتغنى وضرب الآلات المسمى أحدهما بآنجل والآخر بچنچل
 وباغية مغنية المساة بدورى بالنكاح الشرعى فكانا يتقولان
 ويتغنيان مع ضرب الآلات عنده في مجلس الرجال وكانت
 تتغنى مع اللهو عنده إذا كان مع النساء وانتقصت حمية
 السادة النقشبندية الأحمدية المعصومية قدست أسرارهم العلية
 منه حيث ، وياشر ممنوعات الشرع وشيوخ طريقه ، (ورقه ١٤٧)
 وحكى صاحب "تحفة الكرام"، في ترجمة الشاه

عبد اللطيف الصوفي التتوي من أصحاب الشاه اسماعيل الصوفي.

"أن الشيخ محمد معين ذهب إليه لزيارته يوماً فجرى
 في أثناء الكلام ذكر شئ من الموسيقى فقال الصوفي المذكور
 مخاطباً له إني أيضاً قد أسلك في هذا الطريق تارة ثم شرع
 في نغمة قد أثرت في قلوب الحاضرين وحصلت بسببها الحالة
 العجيبة ، (انتهى معرباً)

وفاته

وتوفي رحمه الله فجأةً في عين سماع الغناء سنة إحدى

وستين ومائة والـف، قال في "تحفة الكرام"،

” وكفاك من جملة مقاماته العلية أن حضرة صاحب
العصر السيد عبد اللطيف التارك قال لمريديه قوموا لكي نذهب
إلى صاحبنا لآخر رؤيته فجاء إلى ”تته“ ، ورتب مجلس
الغناء ، فقام الشيخ معين من المجلس وقد أخذ الغناء بمجامع
قلبه وكما وصل إلى داخل المنزل توفي من ساعته ، (انتهى معرباً)
ودفن بمقبرة ”مكلى“ ، (١) عند قدم شيخه الشيخ أبي
القاسم النقشبندی ، صرح به الشيخ خليل في ”تكملة مقالات
الشعراء“ ، ولما فرغوا من دفنه قال السيد عبد اللطيف التارك
كان محيئنا إلى ”تته“ ، لرؤيته وقد انتهى بعد يومنا هذا ،
كما في ”تحفة الكرام“ ،
وأنشد الشعراء في تاريخ وفاته أشعاراً رائعةً بالفارسية ،
قال محمد محسن التتوي-

عارف دين معين حق مخدوم
آنكه در عشق جمله تن دل شد
نور دهنش بمشكلات علوم
در شب جهل بدر كامل شد

(١) ”مكلى“ ، جبل معروف بتته ، وفيه مقبرة عظيمة دفن فيها
خالق من الاولياء والصلحاء واعيان العلماء ، وقد صنف على شير قانع في
وصفه والثناء عليه جزءه المعروف ”بمكلى نامه“ ، وقد طبع بتحشية
البحاثة الكبير مؤرخ السند السيد حسام الدين الراشدی وتعليقاته
القيمة في ”مهران“ ، مجله ”الجنة“ ، وجمع الشيخ اعظم التتوي في ذكر
اعيان الصالحاء المدفونين بجبل مكلى كتابه المعروف ”بتحفة الطاهرين“ ،

با کمالات ظاهری از فقر
باطنش مظهر فضائل شد
بنگاهی که کرد شاهد غیب
عین او گشت وسوی منزل شد
لاجرم سال فوت او گفتند
قطره در بیحر واصل شد

۱۱۶۱

وقال ایضاً

معین اهل حق مخدوم دوران
دلیل قاطع هر علم چون سیف
که چون خورشید طبعش گرم گشتی
شتای سامعان دم می زد از صیف
ازین محنت سرا مردانه در دم
بمهمان خانه حق رفت چون ضیف

بدل گفتم اگر عرفان شناسی
بگو زن درد تاریخی بهر کیف
دو مد آه دل پیهم زد و گفت
معین دین احمد رفت صد حیف

۱۱۶۱

وقال استاذی نعمت الله

ایکه در حضرت عزت شده نامت مقبول
روح فرخنده تویافت بفردوس نزول
بی تو مانم زد گانند خلائق یکسر
بی تو در رونق علم است علامات خمول
سال تاریخ وفاتت ز خرد بر سیدم
دست بردست زنان گفت. « شفیع تورا رسول »

۱۱۶۲

ولكن في هذا التاريخ زيادة سنة ولعلها معفوة عند أهل الفن ،
وله أيضاً -

ای دریغ از قضیه وحشت آرد
رحلت آن جان نثار اهل بیت
آن معین الحق مخدوم الأنام
باد روحش در جوار اهل بیت
سال فوتش را چنین گفته خرد
وہ چہ بوداو دوستدار اهل بیت

۱۱۶۱

وقال محمد پناه رجا

مخدوم بس کہ بود بدنیا معین دین
در ماتمش دل همه مؤمن حزن اوست
واحسرتا چہ مانم یک حشر آفت است
هریک جدا جدا دلش اند و هگین اوست

می سوخت از تب غم و می کرد فکر سال
 یعنی دل رجا که محبت گزین اوست
 آمد بسال رحلت او این ندا زغیب
 ناجی شد او که آل محمد معین اوست

۱۱۶۱

تلامیذه

وهم كثيرون ومنهم من تصدر للدرس ووسد إليه الفتوى، قال
 في "مقالات الشعراء"، "وقد تخرج عليه كثيرون من أصحاب
 الدرس والفتوى، منهم مير نجم الدين "عزلة"، الرضوى،
 والمولوى محمد صادق"، (انتهى معرباً)

وهذا ان من جلة أصحابه، ترجمها على شير قانع في "التحفة"،
 و "المقالات"، فاما نجم الدين فقال في "مقالات الشعراء"،

"هو مير نجم الدين بن مير رفيع الدين الرضوى البهكرى
 من أولاد مير محمد يوسف عليه الرحمة كان جامعاً للكمالات،
 حاوياً للفضائل، من أجل تلامذة الشيخ محمد معين، وكان
 ابن أخته، تولى الدرس والإفتاء في حياة شيخه وبلغ تلامذته
 مرتبة الكمال، فمنهم الشيخ أحمد وهو اليوم من أهل المروءة في
 نواحى "تنه"، والشيخ محمد باقر الواعظ، ولصاحب
 الترجمة تصانيف غريبة في العربية، منها جزءه الذى صنفه في

يوم واحد على ، منهاج الجزء المعروف ” بيك روزى ، ، فى المنطق ، وهو أكبر وأحسن منه جمع فيه شتى العلوم ، ” وطوطى نامہ ، ، الفارسيه ، وعبارته أحلى من عبارة النخشبي ، وله ديوان شعر أيضاً بالعربية ، ولولا عجلت منيته ، لكان وحيد عصره ، فالله يبارك فى أولاده ، توفى سنة ستين ومائة وألف ، ومن شعره -

معشوق را ز جوهر ناز آفریده اند
عشاق را ز خاك نیاز آفریده اند (اھ)

زاد فى ” التحفة ، ،

” وقال الشعر الحسن ، وكان تخلصه (١) ” عزلت ، ، اھ قلت وكان على قدم شيخه فى المعتقد والفروع وقد مر نبذ من أشعاره نقلاً عن مقدمة ” الذب ، ، وأما المولوى محمد صادق فقال فى ” المقالات ، ،

” هو المولوى محمد صادق بن المخدوم عنایت الله الواعظ من أرشد تلامذة المخدوم محمد معين كان آية فى علوم المعقول بالبلدة ، عديم النظير فى أقرانه ولم يحظ من الشهرة ، وقد قرأ عليه أكثر المعقولات شيوخى الشيخ نعمت الله وكان يعيش فى غاية السذاجة ، وكان الشيخ شكر الله والى البلدة وشيخ الاسلام ميرك محمد أحسن براعيان جانب حرمة

(١) التخلص يقال للاسم الخاص الذى يستعمله شعراء

غاية المراعاة ويتفقدان أحواله غاية التفقد ، ومن شعره في مرثية
الامام حسين رضى الله تعالى عنه -

از ماتم حسين شده در ناله جبرئيل
كر دند قد سيان فلك جامه رابه نيل
گرچه برى ست ذات حق از درد و گريه
ذات نبى بگريه بود نائب جليل اه

زاد في " التحفة " ، وكان من مريدى السيد عبد اللطيف التارك
وعاش مدة عمره مشغولاً في تعمير الباطن طارحاً للتكلف بالكلية
لم يعرض نفسه للمشايخ اه قلت ويظهر من شعره انه كان أيضاً على
طريقة شيخه في المعتقد ، وقال العلامة ابراهيم في " القسطاس المستقيم " ،
" قد رقت في رد بعض تلاميذ المعترض الذى كان داعياً
نفسه بالحنفية وكان يجهر بالتسمية ويأمر الناس به ، وكان يحكم
بأن الجهر مذهب على ، ومعاويه لغاية بغضه علياً أسر بالتسمية
وليس للاسرار أصل سوى هذا ، ، (ورقة ٨٨ و ٨٩)

وغالب ظنى أنه قد أراد العلامة ههنا بقوله ، ، بعض تلاميذ
المعترض ، ، أحد هذين المذكورين والله أعلم ،

ومن أخذ عنه في بدء طلبه العلامة المحدث محمد حياة
السندى نزيل المدينة المنورة ، ترجمه المؤرخ محمد خليل المرادى
في " سلك الدرر في أعيان القرن الثانى عشر " ، فقال هو

" محمد حياة بن ابراهيم السندى الأصل والمولد المدنى
الحنفى العلامة المحدث الفهامة حامل لواء السنة بمدينة سيد

الإنس والجنة ، ولد بالسند ببعض قراها ورغب في تحصيل العلم وهو بها ثم انتقل الى "تنه" ، قاعدة بلاد السند ، وقرأ على محمد معين بن محمد أمين ، ثم هاجر إلى الحرمين الشريفين وتوطن المدينة المنورة ولازم الشيخ أبا الحسن بن عبد الهادي السندی وجلس مجاسه بعد وفاته أربعاً وعشرين سنة ، وأجاز له الشيخ عبد الله بن سالم البصري والشيخ محمد أبو الطاهر بن إبراهيم الكوراني وأبو الأ سرار حسن بن علي العجيمي وغيرهم وكان ورعاً متجرباً منعزلاً عن الخلق إلا في وقت قراءة الدروس مثابراً على أداء الجماعات في الصف الأول من المسجد النبوي وله تصانيف كثيرة ، منها شرح الترغيب والترهيب " للمندري في مجلدين و ، شرح على الأربعين النووية ، مختصر جداً " ومختصر الزواجر ، " وشرح الحكم العطائية ، " والحكم الحدادية ، وله رسائل آخر لطيفة وتحقيقات عجيبة منيفة ، وكانت وفاته ليلة آخر أربعماء من صفر سادس عشرية سنة ثلاث وستين ومائه وألف ودفن بالبقيع رحمه الله تعالى ، (۱)

قلت وكان يبائن شيخه محمد معين في المعتقدات والأعمال وقد ألف في الرد عليه ، وسيأتي ذكر رده ،

ومن الأخذين عنه الميرزا محمد جعفر الشيرازي ورد بتنه بارادة سياحة الهند ، فاقام برهة عند الشيخ محمد معين يستفيد عنه وصار من حسن سعي الشيخ من ندماء محمد خدا داد خان ابن والي

(۱) ج - ۴ ص ۳۴ طبع العميرية ببولاق مصر سنة ۱۳۰۱

السند وتقلبت به الأحوال إلى أن قتل في سنة سبع وستين وسائة والـ
 وكان بارعاً في الجفر والتكسير والعزيمة ، وجمع الجفر الجامع
 للنواب خـدا يار خان المعروف بميان نور محمد والى السند ، وترجمته
 مبسوطه في التحفة ، (۱)

ومنهم شرف الدين على أحد ندماء النواب مهابت خان والى
 تـه ، كان فاضلاً مفهنأ ، ولى الحسبة وله شعر بالفارسية وتخلصه
 ” عارف ، ، قال على شير في مقالات الشعراء ، ،
 ” كان يستفيد من حضرة المخدوم محمد معين استفادة
 علمية ، وكتب مقدمة على الجزء الذى صنفه شيخه المذكور ،
 فى ” شرح رموز الصوفية ، ،

ومن المستفيدين عنه مير مرتضى السيوستانى تخلصه ” قانع ، من
 الفاطميين النجباء كان عالماً ، دامشاركة جيدة فى العلوم ، ولى القضاء
 بسيوستان ، وورد بته فطالع عند حضرة المخدوم محمد معين أجزاء
 فى العلوم كذا قال على شير فى ” المقالات ، ، وذكر أنه رآه فى
 بلدة ” مراد آباد ، ، بالسند وقد انتهى اليه الفضل اه وكان بارعاً
 فى الشعر الفارسى وأشعاره مذكورة فى ” يد بيضاء ، ، لأزاد البلجرامى
 وهو تلميذ آزاد المذكور فى الشع .

تصانيفه

قد صرح فى ” تحفة الكرام ، ، أن له تصانيف كثيرة اه وقال
 فى ” مقالات الشعراء ، ، وله تصانيف غريبة فى جميع العلوم اه ولكنه

لم يسرد أسماء تصانيفه ونحن نذكر هنا ما وصل إلى علمنا منها -
 فمنها "الرسالة الأويسية" ، بالفارسية ألفها ، لشيخه
 السيد عبد اللطيف التارك ، وكان سبب تأليفه أن
 السيد المذكور أرسل إليه يستفتيه عن معنى الاويسى وهل جاء
 ذكره ، في كلام القوم أم لا ، واستفادة الاويسى من الروحانية هل
 ينافی الاستفادة من المرشد الظاهري ، وهل يجوز العقل والشرع
 الاستفادة من الميت في عالم البرزخ ، وهل ينافی الفقر وسلك طريق
 القوم أقوال علماء الظاهر ، فأجابه الشيخ بتأليف هذه الرسالة .

ومنها جزء في "شرح رموز عقائد الصوفية" ، ألفه باستدعاء النواب
 مهابت خان والى ، قال على شير قانع في ترجمة تلميذه شرف الدين
 عارف من "مقالات الشعراء" ، أنه كتب عليه مقدمة وأنشد هذه
 الأبيات المشتملة على بيان تاريخ هذا الكتاب .

کیمیائے دلان معین الحق * کہ کند زربیک نگہ زر صا ص
 قدوه عالمان پاک سرشت * زبده عارفان خواص الخا ص
 کرده بروفق خواہش نواب * آسمان قدر آفتاب دلا ص
 مرجح اہل دولت از مکنت * منظر اہل فقر از اخلا ص
 خان صفوت نشان مہابت خان * کہ بحکمش فلک بود رقا ص
 شرح رمز عقائد صوفی * شیخ فیروز آبروی خوا ص
 سال وی بر زبان عارف راند * ملہم غیب آیہ اخلا ص

۱۱۳۳

ومنها رسالتان في إثبات رفع اليدين في الصلاة عند كل خفض

ورفع كما هو مذهب الرافضة وقد تصدى لإثباته في "الدراسات"،
 أيضاً، أحدهما بالعربية، والثانية بالفارسية، ذكرهما العلامة عبد اللطيف
 في "ذب الذبابات"،
 (ورقة ٢٠٤) وقال -

"من المعلوم أن فيها أسانيد موضوعة يحرم عليه إدراجها
 في رسالتيه المذكورتين فما أجرأه على هذا، وقد أفردت بالجمع
 في رسالة مفردة رداً على المعترض،
 ومنها جزء في الجواب عما تمسك به الإمام ابن الهمام في تقديم
 الأعم على الأقرأ بقوله صلى الله عليه وسلم، ، ، مروا بأبائكم
 فليصل بالناس، ، وقد ذكره المصنف في الدراسة الأولى، ، فقال -

، ، وأما ما تمسك به الأمام ابن الهمام من قوله صلى الله
 عليه وسلم مروا بأبائكم فليصل بالناس فقد أجبت عنه في
 وريقات، ولم نذكر ذلك لخوف الإطالة بسبعة أجوبة موجهة
 إن شاء الله تعالى على المصنف، ، اهـ (ص ٣٠)

ومنها ، ، وإيقاظ الوسنان، ، في البحث عن كفاءة قریش
 بعضهم لبعض، ، وقد ذكر المصنف هذا الكتاب في الدراسة الثانية، ،
 في بحث دوران الحكم بدوران العلة فقال

، ، وقد جريت قبل هذا بسنين كثيرة على قولهم في
 حديث كفاءة قریش في كتابي ، ، إيقاظ الوسنان، ، وكنت
 أقول بدوران الحكم على العلة مطلقاً في ذلك الزمان في كثير
 من المواضع، واليوم استغفر الله سبحانه من إطلاق القول

في ذلك والله تعالى يغفر زلاتي اليوم وقبل اليوم وبعده ، بجاء
من غفرله ما تقدم من ذنبه وما تأخر ، ، اه (ص ٧٨)

وقال في ، ، ذب الذبابات ، ،

، ، وإيقاظ الوسنان ، ، رسالة له ذكر فيها أن الخلفاء
الثلاثة رضي الله تعالى عنهم والعباس وأولاده ، ونحوهم ليسوا
بأكفاء لآل رسول الله صلى الله عليه وسلم ولعلي وأولاده رضي الله
تعالى عنهم ، ورد فيها ما مهده الحنفية الكرام من قولهم قریش
بعضهم أكفاء بعض ، فيلزم منه أن يكون نكاح سيدنا عمر
مع ابنة سيدنا علي ونكاح سيدنا علي ونكاح سيدنا عثمان مع
ابنتيه صلى الله عليه وسلم ونكاح أبي العاص مع زينب الكبرى
أنكحة بغير كفوء ، فيجب أن يكون مجرد رأييه في تلك
الرسالة مدفوعاً ومردوداً بما قاله أبو حنيفة وألوف مؤلفة من
من مقلدية من المحدثين والعرفاء بالله والفقهاء والأصوليين والمتكلمين
(ورقة ١٠٦)

وكذا قال الشيخ ابراهيم في ، ، القسطاس المستقيم ، ، (ورقة ٥٦)
ومنها ” غاية الفسخ لمسئلة النسخ ، ، وذكره المصنف
في مواضع عديدة من ” الدراسات ، ، فقال في الدراسة
الحادية عشرة

” إنهم ربما يتركون العمل بما في الصحيحين من
الأحاديث ، ويقدمون معارضه عليه لكون المعارض ناسخاً لما
فهما إما نسخاً بالرأى من غير إجماع من الأمة الذي يسمونه

نسخاً اجتهادياً لم يقل به المحققون ، وتكلمت على بطلانه في
في أجزاء مفردة سميناها ” غاية الفسخ لمسئلة النسخ ، اه
(ص ٣٥٣)

وقال أيضاً في هذه الدراسة

” النسخ الاجتهادى المعروف في الفقهاء المتأخرين فهذا الفقير
لا يرى ذلك في اتباع المحققين فإنه لا محوج اليه عقلاً عند
قصور العلم عن وجه الجمع بين الحديثين ، وفوق كل ذى علم
عليم ، فقد نادى جهاراً بعض الجهابذة وقال ” ليات من قفل
عليه الجمع بين الحديثين فإني اتصدى له وليس في الأحاديث
ما أعلم فيه ذلك ، وتأخر أحدهما عن الآخر على ما قاله
الحازمى لا بوجوب القول به فالوجه فيما لم يعلم جمعه ، إما الوقفة
إلى أن يأتیه العلم وإما بالنسخ عن النبي صلى الله عليه وسلم
أو وجه الجمع ، وإما العمل بهما على العزيمة والرخصة ،
وقد فصلنا القول في هذه المسئلة في أجزاء مفردة على ما
أشرنا إليه فيما سبق ، ، اه (ص ٣٩١)

وقال في دراسته الثالثة في بحث إستشكال الحديث بالرأى

” وباقي الكلام في هذا المقام يطلب من رسالتنا المفردة
في ابطال هذا النسخ ، ، اه (ص ١١٤)

وقال في بدء ” الدراسة الثامنة ، ،

” إن قال قائل علم أنك تقول إن التعارض بين
الحديثين على فهم الرجال ، وإن علم تأخير أحدهما لا يبيح

الحكم بالنسخ كما بسطته في رسالة مفردة في ذلك ، ، اه
(ص ٢٠٩)

والإليه يشير العلامة عبد اللطيف في ، ذب الذبابات ، ، حيث يقول
والمعترض قد ألف رسالة قد حكم فيها بأنه يجب الجمع
بين الحديثين وإن كان أحدهما صحيحاً متفقاً على صحته والآخر
ضعيفاً متفقاً على ضعفه ، ، اه (ورقة ٢٢١)

ومنها جزء في الكلام على حديث المصرة حاول فيه إثبات
كون هذا الحديث موافقاً للقياس ذكره المصنف ” في الدراسة الخامسة ، ،
فقال -

” وقد جروا على ذلك في الحديث المصرة من مسند
أبي هريرة رضى الله تعالى عنه وقد أجبننا عنه في وريقات بما
يتبين به وفاق القياس بالحديث من غير خافية ، ، (ص ٢٠٩)
وقال في ، الدراسة الحادية عشرة ، ،

” ولم ينقل من أحد من السلف اشتراط الفقه من
الراوى فثبت أنه قول مستحدث ولنا وريقات مفردة في رد هذا
القول ، وأن ترك حديث المصرة بمثل هذا لا ينسب إلى أبي حنيفة
رحمه الله تعالى والرجوع إليها يكفي مؤنة هذا المقام ، ،
(ص ٣٩٢)

ومنها جزء في تحقيق أهل البيت المذكورة في آية التطهير أن
المراد منهم الخمسة الطاهرة رضى الله عنهم دون أمهات المؤمنين رضى
الله عنهن ، وهذا الجزء يشتمل على وريقات ذكره المصنف في

” وهل يدخل في أهل بيته نساؤه ، أو يتمحض ذلك بالصدق على ولده صلى الله عليه وسلم ، ففتشنا عن ذلك فوجدنا في صحيح مسلم برواية يزيد بن حبان عن زيد بن أرقم فقلنا من أهل بيته نساؤه ؟ قال لا وأيم الله ، إن المرأة تكون مع الرجل العصر من الدهر ثم يطلقها فترجع إلى أبيها وفومها ، أهل بيته أصله وعصبته الذين حرموا الصدقة بعده ، وهذه الرواية عن زيد بن أرقم تفسر الرواية الأخرى عنه في صحيح مسلم أيضاً ، فقليل لزيد من أهل بيته أليس نساؤه من أهل بيته ؟ قال بلى إن نساءه من أهل بيته ؛ ولكن أهل بيته من حرم عليهم الصدقة بعده ، الحديث ، وتبين أن معنى قوله ” بلى إن نساءه من أهل بيته ، ، إن نساءه من أهل بيت سكناه الذين امتازوا بكرامات وخصوصيات كثيرة لا من أهل بيت نسبه ، وإنما أولئك من حرمت عليهم الصدقة ، صرح بذلك الأبى في شرح مسلم جمعاً من الروايات بل تصحيحاً للاستدراك في الرواية الواحدة بقوله ؛ ولكن أهل بيته ، ، الخ وهذا التحقيق في تفسير أهل البيت بالحديث الصحيح يعين المراد منهم في آية التطهير مع نصوص كثيرة من الأحاديث الصحاح المنادية على أن المراد منهم الخمسة الطاهرة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين ؛ ولنا وريقات في تحقيق ذلك مجلد في دفترنا يحب على طالب الحق الرجوع إليه ، ؛ اه (ص ٢٣٦ و ٢٣٧)

ومنها " غاية الايضاح في المحاكمة بين النووي وابن الصلاح ،
وهذه رسالة دمجها المصنف في " الدراسة العاشرة ، من هذا الكتاب
حيث يقول

" إن أحاديث " الجامع الصحيح ، للإمام أبي عبد الله
محمد بن إسماعيل البخاري وكتاب الصحيح للإمام أبي الحسين
مسلم بن الحجاج القشيري رحمهما الله تعالى ونفعنا ببركاتهما ،
هي رأس مال من سلك الطريق إلى الله تعالى بالأسوة الحسنة
بخير الخلق قاطبة ، وقريرة عين العامل بالحديث والتمسك
الأعظم له فيما بينه وبين ربه ، والنعمة الكبرى عليه من
آلاء الله سبحانه ، والمعجزة الباقية من رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم من حيث حفاظ أسانيدنا على ممر الدهور إلى
زماننا هذا فهي تلو القرآن في إعجازه الباقي إلى انقراض الدنيا ،
وليس لعامل الحديث شأن مهم من الدوران حولها في كل ما
يقع له من أمور الدنيا والآخرة فكان من الواجب في هذا
الكتاب الكلام الوافي على كيفية إفادتها العلم ، ولقد سبقت منا
بفتح الله سبحانه رسالة في تحقيق ذلك سميناه " بغاية الايضاح
في المحاكمة بين النووي وابن الصلاح ، فأضمنها كتابي هذا
لكونها كفاية في بابه إن شاء الله تعالى ، اهـ (ص ٣٠٨ و ٣٠٩)
وحاول المصنف فيها إثبات قطعية ما أخرجه الشيخان في
صحيحهما تبعاً لابن الصلاح خلافاً للنووي مع كون النووي فوق ابن
الصلاح بدرجات ، فقد صرح شيخنا الذهبي الإمام الزاهد العلامة مجد الدين

ابن الظهير المعروف بابن الاربلي أنه "ما وصل الشيخ تقي الدين
ابن الصلاح إلى ما وصل إليه الشيخ محي الدين من العلم في الفقه
والحدِيث واللغة وعدوية اللفظ والعبارة ، (١)

ومنها "إبراز الضمير للمنصف الخبير ، ؛ صنفه لإثبات أن
آثار الصحابة لا تقاوم الأحاديث المرفوعة ذكره المصنف في "الدراسة
الحادية عشرة ، ؛ في ضمن إنتقاد الوجوه التي ترك لأجلها العمل
بأحاديث الصحيحين ، ؛ فقال -

"الوجه الثاني وهو أدنى من الأول التمسك بآثار الصحابة
رضي الله تعالى عنهم ، وأنهم أعلم بحاله صلى الله تعالى عليه
وسلم ، وأعرف بما قرر عليه الأمر آخراً فيتركون أحاديث
الصحيحين مع الإقرار بأصحتها بتلك الآثار فلم يلزم من
هذا أيضاً خرقهم في المجمع عليه من التلق بالقبول ، وأما
الكلام على وهن هذا التمسك فليس هذا موضعه ، ومن أراد
الإطلاع عليه فليراجع أجزاء سمينها "إبراز الضمير
للمنصف الخبير ، ؛ فإن فيه مغنى لمن تفتن ثم أنصف ، ؛ اه
(ص ٢٥٥ و ٢٥٦)

وقال فيها أيضاً -

"ولقد تكلمنا في أجزاء مفردة على أن الآثار لا تقاوم

(١) الجواهر المضية في طبقات الحنفية للحافظ عبد القادر المقرشي

(ج - ٢ ص ٤٠٣ طبع مطبعة دائرة المعارف ببيدر آباد الدكن

سنه ١٣٣٢ هـ)

المرفوع عند الكل حتى الحنفية أيضاً بأبسط من هذا اهـ،
(ص ٣٩٧)

ومنها ”أنوار الوجد من منح المجد،، يبحث فيه عن الأسرار الباطنة على ذوق الصوفية الصافية ذكره المصنف في ”الدراسة التاسعة،، حيث قال -
”وحمل كلام الله تعالى وكلام رسوله صلى الله تعالى عليه وسلم على محامل الأسرار الباطنة منهم ليس رفضاً للمعنى الظاهر وتأويل الكلمات القدسية منها إلى غيرها بل إنهم يؤمنون بظواهرها من غير تأويل ويفاض عليهم بواطنها من غير اخراج عما هو حقه من لسانه، ومن أراد العثور على تحقيقه في تفصيله فليرا جمع إلى كتابنا،، أنوار الوجد من منح الوجد،، فإن فيه مغنى إن شاء الله تعالى عن غيره،، اهـ (ص ٣٠٢ و ٣٠٣)
وقال في ”الدراسة الثانية عشرة،، عند الكلام على التجلى الالهى،،
”وبيان هذه الأسرار محلها كتابنا ”أنوار الوجد،، وهذا القدر يكفى منه ههنا،، (ص ٤٤٢)

ومنها رسالة مفردة في انتقاد الموضعين من ”فتح القدير،، ذكرها في ”الدراسة الثانية عشرة،، فقال

”وعلى هذا الذى أعتقد فى أهل بيت النبوة انتقد على إمام الحنفية كمال الدين بن الهمام موضعين من كتابه ”فتح القدير، فقد أحرق قلبى بما أفرط فيهم مع وفور علمه وحسن سيرته وشمائله، فسترنا الله وإياه بحمىل عفوه ورحمته بعزهم وجاههم على جدهم وعليهم أفضل الصلوات والتسليمات، أحدهما فى

مباحث الطلاق حيث ذكر قوله صلى الله تعالى عليه وسلم
 (لعن الله كل ذواق مطلق) وحرم بذلك فعله ، ثم قال ، ، وأما ما فعله
 الحسن فرأى منه وثانيهما في باب الغنائم حيث
 تكلم على قول أبي جعفر محمد بن علي الباقر رضي الله تعالى
 عنهما فيما أخبر به عن جده علي بن أبي طالب رضي الله تعالى
 عنه أنه كان يرى سهم ذوى القربى لكن لم يعطهم مخافة أن
 يدعى عليه بخلاف سيرة أبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما
 بكلام محموله كون خبره ذلك خلاف الواقع
 ولقد سبقت منا رسالة مفردة في إنتقاد الموضعين تكلمنا فيها
 على الثانى واستوفينا الكلام في الجواب عن الإمام الحق رضى
 الله تعالى عنه فلنكتف به ، ، اه (ص ٤٣٧ و ٤٣٨)

ومنها جزء في تحقيق معنى حديث (لا نورث ما تركنا صدقة)
 نصر فيه تأويل الروافض لهذا الحديث ، وحاو تخطئة خير البشر بعد
 الأنبياء بالتحقيق سيدنا أبي بكر الصديق رضى الله عنه فأبدى وجوها
 باطلة لإثبات توريت الأنبياء زعماً منه أن هذا دفاع عن سيدتنا فاطمة
 رضى الله تعالى عنها ذكره المصنف في ” الدراسة الخامسة ، ، فقال

” وشهادة حديث عدم الإرث لإصابة أبي بكر الحق
 باجتهاده قطعاً ممنوع ، كيف ويلزم على ذلك خطأ الزهراء قطعاً
 ومن هان عليه ذلك فما أهونه في عين أهل الحق من العلماء
 المحققين ، وشهادة الصحابة بصحة الحديث غير شهادتهم بخطأها
 في تلك المسئلة إذ الحديث ليس نصاً في مطلوب أبي بكر

إذ لها عن الحديث أجوبة أفردنا فيها وريقات ، ومن اعتقده ؛
نصاً وعلم علم البتول به على ما يقطع بذلك ذكره في المشاجرة
واعتقد مع ذلك إصرارها على رأيها حتى وصلت إلى أبيها صلوات
الله وسلامه عليه وعليها كما يشهد به ظاهر حديث في البخاري
فتد عاجج أمراً عظيماً ونسب إليها الرأي في مقابلة النص ، وهو
صنيع محرم ولم تكن في ذلك وحدها بل وافقها على ذلك كبار
الصحابة ، على والحسن والحسين رضي الله تعالى عنهم ، (ص ٢٤٤)
وكان سبب تأليفه لهذا الجزء على ما قال العلامة ابراهيم في " القسطاس
المستقيم " ؛ أنه -

" قال الزرقاني شارح الموطأ ما لفظه ؛ حديث عائشة أم المؤمنين
رضي الله تعالى عنها (لانورث ما تركنا فهو صدقة) بالرفع
قطعاً خبر لقوله فهو ؛ والجملة خبر ما تركنا ، وهذا يؤيد الرواية التي في
حديث أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه (ما تركنا صدقة) باسقاط
فهو ، برفع صدقة كما توارد عليه أهل الحديث في القديم والحديث ؛
مخبر المبتدأ الذي هو ؛ ما تركنا وفي الكلام جملتان الأولى فعلية والثانية
إسمية ؛ وادعى بعض الرافضة أن الصواب قراءة لا يورث بتحتية أوله
ونصب صدقة على الحال وهو خلاف الرواية ؛ وقد احتج بعض المحدثين
على بعض الإمامية بأن أبا بكر رضي الله تعالى عنه احتج به على
فاطمة رضي الله تعالى عنها ؛ وهما من أفصح الفصحاء وأعلم
بمدلولات الألفاظ فلو كان الأمر كما يقول الروافض لم يكن فيما
احتج به أبو بكر حجة ، ولا كان جوابه مطابقاً لسؤالها ، وهذا

واضح لمن انصف انتهى عبارة الزرقاني ، فلما وصل إلى المتبحر عبارة الزرقاني كتب عليه ” رسالة ، ، نصر فيه تأويل الروافض ، وشنع على أهل السنة والجماعة ، وأعاد الطعن على الصديق الأكبر رضى الله تعالى عنه ولا تطيل الكلام ولنكتف على حبة من صبرة قال -

” أقول لادعاء القراءة الأخيرة وجه أى وجه لكل مؤمن بالعترة الطاهرة لاسيما سيدة نساء العالمين كلهن عايتها أفضل تسليمات الأرواح القدسية وتحياتها وعلى بعلمها وأبنائها فإنه قد ثبت أنها عليها السلام ادعت الإرث بالكتاب المجيد واحتج الصديق الأكبر رضى الله تعالى عنه بهذا الحديث ، ومعلوم أن فاطمة على أبيها وعليها أشرف الصلوة والسلام وعلى بعلمها وابنيها ، تنكبت من تلك الحجة وبقيت ساخطة على حقها من حيث اجتهداها ورأى الشريف حتى ماتت على ما فى صحيح البخارى ، فوجب عنها عليها السلام الجواب عن الحديث وإلا يلزم أن لا يكون وجدها ومجدها فى محله ، سبحانك هذا بهتان عظيم إلى آخرها ، ، اه (ورقة ٦)

ونقل ايضاً فى ” القسطاس المستقيم ، ، عن تلك الرسالة أنه قال فيها -

” وإلى الله سبحانه الشكوى وإلى رسوله وبضعته القدسية وأبنائها أئمة الهدى على ذوبان كبدى ، مجتهد من الفقهاء إذا رأى مقلدوه محجوجاً بآية أو حديث يسعون غاية سعيهم فى الجواب عنه حتى لا يخرج قوله عن الشريعة ويكون له وجه منها ،

فربما يكتبون في ذلك مما لا يخفى بعده ، وربما يرتكب بعض المتجاسرين منهم ما لا يرضى الله به ورسوله . من الحكم بنسخ حديث الخصم من عند أنفسهم بما يشبه الشبهة الواهية عند الأذكياء ، كل ذلك نصرة لإمامهم ، وأن لا يخرج قوايه من وجوه الشريعة المطهرة ، ولا يلزم من إبداء الوجوه للإمام الأزدراء والتخجيل لخصمهم فإن له وجهاً ولهذا وجهاً ، هذا في المجتهدين بل في طبقات مشايخ الفقهاء فما دونهم ، وأما في فاطمة رضى الله تعالى عنها فهل ثبت عندكم ، أن من قواعد التسنين أن تترك محجوجة مفحمة لا دليل لها ولا جواب عن دليل يرد عليها ، ساخطة على غير الحق ، أو يجب عليكم أن تبدوا لقولها محملاً وجواباً كما تفعلون لفقهاءكم أولاً يجب ، وإنما يجب ذلك على الرافضة لأنهم المتعينون لحماية العترة الطاهرة ، وإصلاح أقوالهم ودلائلهم ولو فيما تخرج به عند الشريعة المطهرة ، ، اه (ورقة ٨ و ٩)

وقد رد العلامة إبراهيم على هذه الرسالة في "القطاس المستقيم" ، ومنها "مواهب سيد البشر في حديث الأئمة الإثني عشر" ، ذكره المصنف في "الدراسة الخامسة" ، عند الكلام على آية التطهير فقال -

"ولما وجدنا هذا في صحيح مسلم علمنا أنهم (يعني أهل البيت) أبناءه صلى الله تعالى عليه وسلم فإذا انضم إلى ذلك ما ورد من أخبار في الأئمة الإثني عشر مما بسطنا أكثرها في

المقامات الأربعة من كتابنا المسمى "مواهب سيد البشر في
حديث الأئمة الإثني عشر"، بالترتيب بسطناها، وما اجتمع
عليه السلف والخلف من غزارة علوم هذا العدد المبارك،
وخرقهم العوائد، وما اختصوا به من المزايا الباهرة من بين سائر
الرجال الأبطال من هذه الفئة الفائقة على معاصريها في كل
عصر، يتيقن بأنهم الأولى بصدق أحاديث التمسك عليهم من
غيرهم (ص ٢٣٧)

وقال في "القسطاس المستقيم"،

"وَألف المخدوم محمد معين، التسليم، رسالة أخرى
سمّاها "مواهب سيد البشر"، وحاصل تلك الرسالة تكفير
مروان بن الحكم مع أنه من جملة رواة صحيح البخاري، وأن
سيدتنا فاطمة والأئمة الإثني عشر رضي الله تعالى عنهم معصومون
كعصمة الأنبياء عليهم السلام، وأنهم أوصياء الرسول صلى الله
عليه وعلى آله وصحبه وسلم، وأنهم هم المخصوصون بارسال الصلوة
والسلام عليهم بعد الأنبياء عليهم السلام دون غيرهم،
(ورقة ٩)

ورد على هذه الرسالة أيضاً في "القسطاس المستقيم"، وقد مر
بعض ما في هذه الرسالة نقلاً عن مقدمة "الذب"، ومنها "قوة
العين في البكاء على الإمام حسين"، قال فيه -

"إن كون الحزن والبكاء والندبة على الحسين في أيام عاشوراء
على جده سيد المرسلين وعليه الصلوات والتسليمات من شعار الروافض

ممنوع ، فقد أخبرنا الثقات المعتمدون أن علماء ما وراء النهر
يعتادون ذلك إلى اليوم ، ، (" القسطاس المستقيم " ، ورقة ٢)
ثم قال -

، ، وقد يروى في " أسد الغابة " ، أن بنى هاشم سلام الله
وعليهم أجمعين ، لبسوا السواد على الحسن صلوات الله عليه وتسليماته
على جده وعليه وأخيه ، سنةً تامةً ، وأقامت عليه نساء هن
للنوح شهراً انتهى . وعلم الحسين عليه السلام ، وكفى به قدوةً
وإماماً وهادياً ، بذلك اللبس والنوح كالمتمفق بالقطع ولو منعهم
لأنزجروا من غير مهل ؛ فلما لم يمنعهم دل على التعزية بعد
الثلاث بل على إباحة الحداد والنياحة ؛ ولا يستبعده إلا كل
طائش لا يمعن النظر في الدقائق ، ، اه (" القسطاس المستقيم " ، ورقة ٢)
بل قال فيه -

" لا والله لو كان صلى الله عليه وسلم حياً لاستن في
هذا الحداد كثيراً مما يغفل عنه فقهاؤكم وقراؤكم ، ، اه
(" القسطاس المستقيم " ، ورقة ١)
وصرح فيه أيضاً -

" أن ذكر الله سبحانه بالمسبحة المأخوذة من تراب كربلاء
والسجدة لله عليه محمودان ، ، اه (" القسطاس المستقيم " ، ورقة ١)
وصرح فيه أيضاً -

" وهذه هي التقية المحمودة التي قال فيها الصادق بن
الصادق المصداق صلى الله عليه وآله وسلم ، التقية ديني ودين

آبائي ، ، اه (" القسطاس المستقيم ، ، ورقة ١)

وإلى هذه الرسالة يشير صاحب " ذب الذبابات ، ، حيث يقول -

" وقد صدر عن المعارض في " رسالة ، ، له ألفها في بعض

بدعات عاشوراء من جواز النياحة والتعزية بعد الثلاث ولبس

السواد وغيرها الذي أحاديث الصحيحين وغيرهما من كتب

الحديث اتفقت على منعه ، جعل الأثر المنقول عن نساء بني

هاشم في وفاة سيدنا الحسن المجتبي بن علي رضي الله تعالى

عنهما وهو أثر موضوع مفترى على ما صرح به ابن سعد

في طبقاته ، معارضاً بأحاديث الصحيحين بل أحاديث الصحاح

الستة بل بأحاديث جميع الكتب الحديثية التي وجدت على ظهر

الأرض مع أنه لم يبين أن الأثر موضوع ، ، اه (ورقة ٣٤٥)

وقال أيضاً في بحث ما يتعلق ، ، بالدراسة الرابعة ، ،

" وقد اعترف بمحموديتها (يعني التقية) المعارض في

" رسالة ، ، له ألفها في تجويز بدعات عاشوراء متمسكاً في ذلك

بما نسبته إلى القرم الهمام سيدنا جعفر الصادق رضي الله تعالى

عنه أنه قال " التقيه ديني ودين آبائي ، ، ولم يثبت ذلك الأثر

عنه رضي الله تعالى عنه أصلاً لا بسند صحيح ولا بسند ضعيف

بل هو موضوع مفترى عليه من مفتريات الشيعة حتى أنني

سمعت من بعض من كان من الأتقياء عند المعارض أنه أكد

علينا حين علمنا فروع التقيه فقال ، إنكم إذا ذكرتم معاوية

في مجالسكم ، وفيها واحد من الأغبار وجب عليكم أن تقولوا

بالرضوان عليه على وجه الجهار، ويحرم عليكم النكاح بما سواه،
وليكن ذلك منكم بطيب الكلام الدال على طيب النفس ظاهراً
وباطناً بحسب الظاهر وعلى التعظيم الأتم الوافر، اهـ (" ذب
الذبابات " ، ورقة ١٥٩)

وقد رد على هذه الرسالة الشيخ الإمام محمد هاشم السندى فى جزء
مفرد سماه " كشف الغطاء عما يحل ويحرم من النوح والبكاء " ، ونسخته
الخطية موجهة عند الشيخ العالم هاشم جان المجددى " بثنثو سائين
داد " ، من توابع ثنثو محمد خان بالسند) وكذلك رد عليه حفيده
فى " القسطاس المستقيم " ، وقد أفرد المحدث محمد حياة السندى أيضاً
كتاباً فى رد بدعه التعزية ، ذكره القنوجى فى " اتحاف النبلاء " ، فى
ترجمة الشيخ محمد حياة .

ومنها " الحججة الجلية فى نقض الحكم بالأفضلية " ، هكذا سماه
فى " القسطاس المستقيم " ، وذكره فى " ذب الذبابات " ، باسم " الحججة
الجلية فى رد من قطع بالأفضلية " ، (١) قال فى " القسطاس المستقيم " ،
" وأيضاً صنف المتبحر المخدم رسالة سماها ، الحججة الجلية
فى نقض الحكم بالأفضلية " ، وحاصل رسالته هذه أن الأفضل
بعد الأنبياء على ثم عثمان ثم عمر ثم أبوبكر ، وأن دلائل أهل
السنة أحاد المتن ظنية الدلالة متعارضة فى أنفسها مع أن
التعارض يوجب التساقط ، فلا دليل لأهل السنة وأن أفضلية على
أبى بكر أوضح حجة وأقوى بيضة من عكسه ، وأن الحكم بتبديع

من لم يفضل الشيخين على علي أو فضل علياً عليهما جسارة من القول ، وأن دليل أفضلية الخلفاء الثلاثة غير ثابت أصلاً ، وأن أهل السنة هان عليهم جانب أهل بيت النبوة رضي الله تعالى عنهم حتى لينوا أمرهم في أكثر الأمور ، ولم يراعوه حق الرعاية ، فألى الله سبحانه وإلى رسوله عليه وعلى آله أفضل الصلوات والتحيات المشتكى ، لم يبق على وجه الأرض من مذهب الأئمة الإثني عشر الطاهرين أوصياء الرسول وأوليائه صلوات الله وتسليماته عليه وعليهم أجمعين ، إسم ولا رسم بحيث لا نرى في كتبكم منهم فتوى ولا رواية ولا أثراً اه (ورقة ١١ و ١٢)

وعلق في " ذب الذبابات " على قوله في " الدراسة الأولى " ، (وعن أبي بكر الصديق سيد الصحابة) ما نصه -

" ولا تغتر بقوله بعد أسم الصديق رضي الله عنه " سيد الصحابة " ، ولا تغلط به ما ذكرت في المقدمة فإنه صرح في رسالته الموسومة " بالحجة الجلية " ، أن علياً من الآل ، وأفضلية أبي بكر إنما هو على الصحابة ، واستدل عليه فيها بقوله تعالى (والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان) الآية " ، اه (ورقة ٩١)

وقد جمع في رد هذه الرسالة الشيخ الإمام محمد هاشم التقوي

كتاباً سماه " بالسنة النبوية في القطع بالأفضلية " ، وكذلك رد عليه العلامة المحدث محمد حياة السندی نزيل المدينة المنورة في تأليف مفرد ، ورد عليه أيضاً في " القسطاس المستقيم " ، وقال في خاتمة " ذب الذبابات " ،

”وهذا ما قال أهل الحرمين الشريفين من العلماء بعد
ما رأوا رسالة المعارض المسماة ”بالحمجة الجلية في رد من قطع
بلافضلية“ ،

وقد طالعنا الرسالة الواردة من نواحى الهند المتضمنة
للبحث مع الأئمة في الجزم بتفضيل أبى بكر على على رضى الله
تعالى عنها ، وتأملنا في مبانيها الواقفة على غير أصل ، وتبعنا
النظر في معانيها التي لم تشتمل على قول فصل فالفينا فيها من
الخلل والفساد ، وسوء الرأى والاعتقاد ، ما شهد بابتداع مؤلفها
وخروجه عن السنة النبوية واتباعها ، وبين أنه مستقر في ظرف
الرفض والاعتزال والتشيع ، وقاطن في مساكن البدعة ورباعها ،
وجاء فيها بحجج لا محجة لها في قواعد الشرع ، وأتى بكلمات لم
يستند فيها لأصل ولا فرع ، ولولا أن الاشتغال بتتبع ذلك من
الفضول وتضييع الوقت ، والاعتناء به اعتناء بالابتداع الموجب
للمقت ، لصرفنا إليه عنان العناية ، وأوضحنا ما ارتكبه من الضلالة
والغواية ، مع أن مثل هذا عند أئمة السنة مما علم من الدين
بالضرورة لاسيما وقد قام إلى الأمر الأخ الصالح المبارك الناصح
أبو عبد الله محمد حياة السندى ثم المدنى ، ورد تلك الرسالة
في رسالة له عليه السلام ، فقد طالعناها بأجمعها ، ورأينا فيها من
الفوائد العجيبة والأبحاث المفيدة الغريبة ما رد كيد ذلك المبتدع
في نحره ، وأغرق ضلالته في بحر انتهى .

ومنها جزء في إثبات إسلام أبى طالب قال في ”القسطاس المستقيم“ ،

” وأيضاً صنف المخدم رسالة ، ، حكم فيها بإسلام أبي طالب على خلاف ما عليه جماهير السنة ، ، (ورقة ٢١)
ومنها جزء في أثبات التناسخ قال في ” القسطاس المستقيم ، ،
” وأيضاً صنف رسالة في تأييد القول بالتناسخ وحقيقته
تبعاً للشيخ محي الدين بن عربي ، فتلك الرسالة لم يتيسر لي
مطالعها حتى أرد على كل قول من أقواله (ورقة ٢٢)

ومنها ” دراسات اللبيب في الأسوة الحسنة بالحبيب ، ولعل هذا
الكتاب من آخر تصانيفه وهو من أبداع تأليفه ولقد تلقاه العلماء بالرد
والقبول قديماً وحديثاً ، فهذا العلامة محمد عبد الحى اللكنوى الأنصارى
الحنفى صاحب التصانيف الشهيرة يتمسك به في مقدمة كتابه ” التعليق
الممجد على موطأ الإمام محمد ، ، في دفع طعن من طعن على الإمام
الأعظم أبي حنيفة بكثرة الرأى قائلًا بأن -

” اعتقادنا واعتقاد كل منصف في حقه أنه لو أدرك زمانا
كثرت فيه رواية الأحاديث ، وكشف المحدثون عن جمالها القناع
بالكشف الحثيث ، لقل القياس في مذهبه كما حققه عبد الوهاب
الشعراني في ميزانه ، ومـ لا معين في كتابه دراسات اللبيب في
الأسوة الحسنة بالحبيب ، ، اهـ

وينقل عنه في رسالته المسماة ” بالإجوبة الفاضلة للإسئلة العشرة
الكاملة ” ضمن جواب السؤال الرابع ما نصه -

وفي ” الدراسة الحادية عشرة ، ، من ” دراسات اللبيب ، ،
ليس الجرح من كل جارح مما يعتنى به كجرح ابن الجوزى ورميه

الحسان بل بعض الصحاح بالوضع ، وهذا الدارقطني القادح
في الأحرف المبحوث عنها قد طعن في امام الأئمة أبي حنيفة
وضعف ما دار عليه من الأحاديث بسببه ، وكذلك الخطيب
البغدادي وقد أفرط في ذلك ، ولم يعابها وبمن حذى حذوهما
مع الاتفاق على توثيقه وجلالة قدره وعظيم منقبته التي بها زال
العلم في الثريا انتهى (١)

وكذا ارتضى تحقيقه في مسألة النسخ ونقل تلخيصه في جواب
السؤال الخامس ، واستحسن إيراداته على الإمام ابن الهمام ضمن
جواب السؤال السابع في مسألة الترجيح بما رواه الشيخين حيث قال -

” ولم يخالف فيه إلا ابن الهمام وابن أمير حاج العلام
ومن تبعهما في هذا المرام ، وقد تعقب عليه صاحب ” دراسات
الليب ، بتعقبات جيدة وإيرادات قوية فليرجع اليه ، ، (٢)
وانتقد عليه في كتابه ” السعي المشكور في رد المذهب المأثور ، ،
(٣) قوله في حق الظاهرية ” أن الإجماع لا يخرق بخلافهم ، ، وكذلك
الشيخ عبد الله التونسي ينقل كثيراً من ” الدراسات ، ، في حواشيه
على شرح النخبة وقد يرد عليه تارة ، ، وكذلك سرد النواب صديق
حسن القنوجي في كتابه ” اتحاف النبلاء ، ، في ترجمة داود الظاهري

(١) ص ٥٢ ، وهذه الرسالة قد طبعت في مجموع الرسائل السبع

بمطبعة شوكت اسلام بلكنو سنة ١٣١٠

(٢) ص ٥٦

(٣) ص ٣٨٩ طبع المطبعة المذكورة في السنة المذكورة

ما بسط في "الدراسات"، من بيان الفرق بين الظاهرية وأصحاب
الظواهر، وكثيراً ما ينقل عنه في كتابه "منهج الوصول إلى علم
الأصول"، وغير ذلك من تأليفه، وهو ممن يحسن الثناء على كتابه
"الدراسات"، فقال في "اتحاف النبلاء المتقين بأحياء مآثر الفقهاء
المحدثين"، في حرف الدال، من المقصد الأول في أسامي الكتب
والمصنفين، ما نصه -

"دراسات اللبيب في الأسوة الحسنة بالحبيب"، للشيخ
الفاضل المحقق محمد معين بن محمد أمين السندی، مجلد وسط
طبع ببليدة "لاهور"، سنة ١٢٨٤ أوله، "لك الحمد اللهم
على أن سقت إلينا من طمطم يم الكتاب رزقاً طرياً"،
واستعمل في هذا الكتاب لفظة الدراسة مقام الفصل والباب،
وجملتها اثنتا عشرة دراسة، ألفه لإثبات العمل على الحديث
الصحيح وترك رواية المذهب إذا خالفته؛ وهو كتاب جيد في
بابه مع متانة العبارة ورشاقة اللفظ (١) وتحقيق المطالب العلية
وسرد الأدلة الصحيحة على مدعاه، غير أنه قد توغل في إبداء
ذوق التصوف في هذا الكتاب من دون حاجة إليه، ومع ذلك
فهذا الكتاب كافٍ وافٍ لافحام الخصم وإلزام المقلدين،

(٣) وجدت بخط الاستاذ العلامة عبد الحق النافع على هامش

نسختي من "الدراسات"، أن عبارته من العشو والتعقيد مأوثة اهـ

وللقاضی طلا محمد البشاوری (۱) قصیدہ فی وصف هذا الكتاب
والتحریص فی العمل بالحديث وقد طبعت فی آخره ، ینبغی
مطالعہا ، ، (انتهى معرباً من الفارسیة)
وقال عبید اللہ السندی ،

” ان الشیخ معین صنف ” دراسات اللیب ، لترجیح
طریقة الشاہ ولی اللہ الدہلوی علی طریقة الشیخ عبد الحق
الدہلوی ، ینبغی مطالعة ” الدراسة الثانية عشرة ، ، من هذا
الكتاب خاصہ ، فإنه قد کتب فیہا الرد علی ما أورده ،
البخاری فی تاریخہ الصغیر (کذا فیہ والصواب الکبیر) من جرح
الإمام أبی حنیفة ، والكتاب قد طبع بلاحور ، وقام بطبعہ
أهل الحديث ، ، (انتهى معرباً من الارذویة (۲))

وكان طبع هذا الكتاب بلاحور علی نفقة محمد ابرہیم التاجر من
شعب البنجابیین الدہلویین بأمر شیخہ الذی إنتہت إلیہ ریاسة
المنتہمین إلی مذهب أصحاب الحديث فی عصرہ الشیخ نذیر حسین
الدہلوی ، ومما قیل فیہ -

” دراسات اللیب ریاض علم * خلّت عن کل متقصّة ووصم
بنزہتها مروحة القلوب * حماها اللہ عن خطر الخطوب

(۱) والقنوحی والبشاور ، کلاہما ینتمیان إلی مذهب اصحاب الحديث
وینکران تقلید الائمہ فی الفروع

(۲) ہامش کتاب ” شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ،
لعبید اللہ السندی ص ۹۹ طبع للاحور سنہ ۱۹۴۲ع

فلله الجزاء لمن تصدى * على تصنيف ذا السفر العجيب
 هدى وشفاء لصب مستهام * ومن نار المحبة في لبيب
 تشبث بالحديث فذاك حتم * إذا ما صح من قول الحبيب
 ألا يارغباً في الدين حقاً * تأمل في "دراسات اللبيب"،
 وقال طلا محمد البشاورى يمدح هذا الكتاب -

الحمد لله ربى خالق البشر
 وفيه أودع من آثار حكمته
 حمداً كثيراً خطيراً دائماً أبداً
 ثم الصلوة على خير البرية من
 وآله الطيبين الطاهرين هم
 أزكى صلوة تفوق المسك في أرج
 كما يحب ويرضى ربنا أبداً
 ثم الرضى عن جميع الصحب قاطبة
 عن ابن عفان ذى النورين بعدهما
 وبعد بشرى لأصحاب السداد بأن
 فهذه نسخة مرغوبة طبعت
 راقية وفاقية بحسن الخط واختتمت
 حكت معانيه حورات مجالسها
 خريدة لا ترى في الدهر ثانياها
 كأنها الفور في الحضراء حاملة
 صنعاً من الحمأ المسنون ذى كدر
 ما لا يحيط به ذو العقل والفكر
 حمداً جزيلاً جميلاً غير منحصر
 آياته ظهرت في الشمس والقمر
 الكرام عزاً وقدرأى مقتدر
 وتنشط الروح من أضواءها العطر
 ما صاح طير على غصن من الشجر
 لاسيما عن أبى بكر وعن عمر
 وعن على محيط العلم والخبر
 تمت دراسات أهل العلم والنظر
 بل روضة قد حوت من زاهر الزهر
 وبخترت في العرى في أجمل الصور
 على سرائر من استبرق خضر
 ولم تجد مثلها في سالف العصر
 نوافجاً عباقاً من فورها العطر

مجموعة لقناع الحق كاشفة
 عذراء شبناء عند النطق تنظرها
 يا لائمي عدلاً لو كنت ناظرها
 كأن وجنتها صبح و طلعتها
 تحكى لوا معها في النور عن فلق
 راح بلا ضرر، صفو بلا كدر
 تضيء (١) شمائلها شمساً بلا كسف
 لو غائص الفكر فيها غاص مجتهداً
 تثبت الحق بالبرهان موضحة
 روائح الرند والند الزكي لها
 غدا فؤادي بها في الروح مبهجاً
 كأنها الشمس لا تحت من مطالعها
 أو غادة برزت في زينة وضيا
 تنضر الروح من تقرير مطلبها
 أطروفة من معانيها مروحة
 هي الكنوز التي عزت جواهرها
 وكم محاسن يهدي الواصفون لها
 قالوا ظفرت بما تبغى فقلت لهم
 تصنيف خير خبير كامل فطن
 محمد بن محمد طاب مرقده

(١) كذا في الاصل ،

صحت و عمت مع الاقبال والظفر
 تفر عن برد رطب وعن درر
 لصرت من عدلى للعفو معتذري
 برق تألق في الظلماء بالسحر
 وعن شهاب وعن شمس وعن قمر
 برق بلا خطر، نور بلا شرر
 تحكى شمائلها عن عنبر الشجر
 يراه بجرأ بلا ضير ولا ضجر
 على الفؤاد ثبوت النقش في الحجر
 تروح الروح من هم ومن فكر
 كوردة بسمت من نسمة السحر
 بدت لنا في جمال غير مستتر
 لعاشق دنف في الوجد والسهر
 كما تنضر وجه الزرع بالمطر
 للروح والعقل والأسماع والنظر
 محفوظة من حلول الحادث الغير
 ما بين منتظم منها ومنتبر
 الشكر لله ربى منجح الوطر
 من من فضائله داماء ذى ذخ
 معين دين الهدى بالمنطق البهر

بحر العلوم إمام العصر شمس هدى
سميدع العصر حبر الدهر بدر دجى
هو الخبير الذى فاق الفواضل فى
من ذا يماثله فى الفضل مرتبة
قد أبرز الحق فى هذا فليس هنا
محصوله أن قول المصطفى سند
إذا تعارض قولاً قال قائله
فالأخذ حتم بمضمون الحديث ولا
ومن يقدم أقوال الرجال على
بلى وعزة ربي لا فلاح سوى
وكل فضل وافضل ومكرمة
نفسى الفدا من مقول فيه حدثنا
إن شئت حب رسول الله فادن الى
لله در لأصحاب الحديث لقد
وعرفونا صحاحاً من ذوى سقم
وملكونا ملاك الأمر واحتملوا
أهل التقى والنقى لولا تأخرهم
قوم اذا جودلوا أوزوحموا غلبوا
قد جاهدوا فى قوام الدين واجتهدوا
مشيدوا الملة الغرا بهمتهم
عليك أخذاً بأقوال النبي أبداً

عريف أعصاره النحرير فى الخبر
فى العلم محتكم فى الزهد مشتهر
علم وفضل وفى مجد وفى خطر
من ذا يساهمه فى العلم والفخر
حق بمنكم صدق بمستتر
بلا امتراء لأهل البدو والحضر
بلا دليل جليل جاء فى الخبر
يلام آخذه بالضير والضرر
قول النبي تاه فى بيداء ذى مجر
تسليم قول النبي بالسمع والبصر
لقول سيدنا المبعوث من مضر
فذاك فى مسمعى من أطيب الخبر
حديثه ودع الجهال فى البطر
شادوا الأصول بلا خوف ولا خطر
ونسقوا فى نظام كل منتشر
فى نصرة الدين من يؤس ومن ضرر
لجاء أوصافهم فى محكم السور
بالنجاح وانصرفوا بالفتح والظفر
وفرخوا الفرض والمسنون بالخبر
ساعون لله لا للجاه والفخر
فلا تدعها ولا تترك ولا تذر

فإن فيها شفاء للقلوب فلا
 سوى حديث النبي والله ليس لنا
 ياويح قوم أضاعوا الدين قاطبةً
 ياويلهم نسخوا الأخبار وابتدعوا
 لد عمون أشاعوا بدعة وهوى
 وينحتون رسوماً عم فتنتها
 ولا يخافون حساباً إذا بعثوا
 وم سمعت جسارات لهم سفهاً
 فما انتهوا من كلام الله قط وان
 نعوذ بالله من سوء الخصال لهم
 لا أقدر المنع في شئ وأنكره
 إلى المهيم من شكوى الظلم ثم إلى
 هيات كيف يرومون الفلاح وهم
 صم وبكم وعمى في الضلال فهم
 قوم قد اتخذوا الأخبار آلهةً
 فقل أعوذ برب الناس من خطر
 وإنما شكوتي زادت لضيعتهم
 وعدوهم في قفار تب سائرهما
 دليلنا من كتاب الله عز وجل
 للذكر قد يسر القرآن خالقنا
 ياويح عارض بدع سوء منظره

يغرك اللدغياً من أولى الضرر
 صدر بمنشرح قلب بمصطبر
 ولم يخافوا عذاب الهون في السقر
 مسائل نسجوا بالفكر والنظر
 من عند أنفسهم ياعمية البصر
 وما لها في قرون الخير من أثر
 ويدع داع إلى شئ من النكر
 ومهجتى من ضرام الوجد في سعر
 آياته قد حوت من كل مزدجر
 هم الشياطين في زى من البشر
 وذاك من أضعف الإيمان في الخبر
 نبينا المصطفى المنعيت في الزبر
 على شفا جرف هار من السقر
 لا يعقلون تميز النفع من ضرر
 من دون رب العلى ياسؤة البطر
 الوسواس خناسهم ياقى إلى البشر
 ديناً فوياً بلا بأس ولا حذر
 تها بعيداً بلا ماء ولا شجر
 وقول أحمد هدى غير ذى دعر
 فهل لا ياتيه البيضاء بمدكر
 إن رمت خيراً فكن جداً على حذر

فكلما قدر الديان بالقدر
والصفو يأتي على الأكدار بالأثر
إذ كل بدع ضلال جاء في الخبر
سبحان ربى منيع القول والقدر
مكور الدهر بالأصال والبكر
ولا يحاط له بالفكر والنظر
محمد جاء بالآيات والنذر
ودينه أقوم الأديان في العصر
تفصيلها جاء في الأخبار والسير
إلام تمرغ في جعرو في قدر
إلا وعند حلول الشيب والكبر
ولا خطائي وإسرائي بمغفر
ذنبى وان كان يردني من الخطر
وارحم على فاقتي يارب وانتصر
عبد كثير الخطا للعفو مفتقر
الحمد لله ربى خالق البشر

ومهجتي من لبيب الوجد في حرق
كمياء في شنب كحلاء في حرق
سبحان من خلق الانسان من علق
على المناكب فؤديها ذوى الحلق

يا نفس لا تقنطى من كربة وعنا
فاليسر مقترن عسراً بلا مهل
لا تأتين أموراً ماروى سلف
الحمد لله حمداً لا نفاذ له
مدبر الأمر في الأعصار مرحمة
تبارك الله ليس العقل يدركه
ثم الصلوة على فخر الورى شرفاً
آياته أشرف الآيات باهرة
وكم له معجزات جل رتبها
يا نفس جودى وعودى بالنقي عجلأ
ما استافقت نفسى الوسنى وما انبتهت
خشيت أمرى لا دائى بمنصرم
لكن عفوك يا رحمن أوسع من
اغفر بجودك عفواً سيئات "طلا"،
ما شان عزك ربى أن تجاوز عن
أقول فى الختم ما قد قلت متبدأ
وله أيضاً

راحت سليمى فقلبي اليوم فى قلق
علياء فى نسب غيداء فى طرب
إذا بدت فى أناس قال قائلهم
فبارك الله فى حسن إذا طرحت

كأنها الصبح في نور و فؤدتها
 البين أرقى والوجد أحرقي
 كأنني تحت أقدامي لفي جمر
 أفنى الهوى طاقتي حتى لواعجها
 وكم حجرت عيوني عن مغازاة
 عوجانرق دمة في حسرة وجوى
 على انطماس رسوم العلم قاطبة
 أضحت مراسم علم الدين عافية
 فبينما كنت أشكو فاقني أسفلاً
 إذ طابت الأذن من ذكرى مكرمة
 إلف بلا أسف كنز بلا تلف
 وغيرها من طروس لا يماثلها
 إذ أسفرت عن ضياء الصبح طلعتها
 أوراقها تخطف الأبصار بارقة
 شمس السنا والهدى في لمعة وضيا
 تصنيف حبر خبير بـارح فهم
 معين دين الهدى من من براعته
 جزاه ربى خيراً دائماً فله
 وكم جهول ترى في الغى جاحده
 إذا لقيت لمن عاداه من سفه
 يامعرضاً عن أحاديث النبي سفهاً

سرادق الليل قد سيطت على الفلق
 والقلب في دهب والعين في أرق
 لا أستطيع على حال من القلق
 لم تبق من مهجتي شيئاً سوى رمق
 فكلمنا حل بي من آفة الحدق
 يـاعين ذات انهال على نسق
 ثم اختلافات أهل العصر والفرق
 من وابلات وطيشات ذوى الصعق
 فيما فؤادي من ريب المنون لقي
 صحيفة فاقت الأزهار في عبق
 شمس بلا كسف بدر بلا بهق
 في ندرة النظم أوفى جودة النسق
 وأظهرت عن سنابرق وعن شفق
 كأنها صفحات التبر من ورق
 نور التقي والنقي بالمنظر الطلق
 عريف أقرانه في الخلق والخلق
 فاق الخلائق في علم وفي ذلق
 حسن الثناء إلى يوم التناد بقي
 ويزدري فضله جهلاً من الرهق
 فقل أعوذ برب الناس والفلق
 لتركن طباق السوء عن طبق

لا يستفاد بقول قال معرضها
ولا دواء لأهل الجهل عند نهى
يارامقا فيه سل لله مرحمة
إذا اطلعت على وصم ومنقصة
أصلح و لا تك طعناً لكاتبه
وبعد إن شئت قل لله در طلاع
زد واحداً ثم قل تاريخ مختمها

وقد انتدب للرد على هذا الكتاب والانتقاد عليه قديماً
بلدياه العلامة عبداللطيف التتوي فصنف مجلداً ضخماً سماه
"ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات"، وابنه
العلامة ابراهيم وسماه "القسطاس المستقيم في الجواب عما وقع
للفاضل المخدم محمد معين" التسليم، من السقطات الواهية
والقول السقيم، والقسطاس لا يختص برد الدراسات فقط بل رد
فيه عليها وعلى بعض الرسائل المذكورة فبدأ أولاً برد "قرة العين في
البكاء على الإمام حسين"، ثم برد رسالته التي صنفها لنصرة تأويل
الروافض في معنى حديث (لا نورث ما تركناه صدقة) ثم برد
"مواهب سيد البشر"، ثم برد "الحجة الجلية"، ثم برد
"الدراسات"، والنسخة التي من هذا الكتاب في مدرسة "مظهر
العلوم"، سكراتشي قد انتهت أثناء أنتقاد الدراسة الخامسة فالله أعلم
هل نم الكتاب أم قد إنتهى إلى حيث انتهى.

ثم لما طبع هذا الكتاب وشاع، كتب أهل دهلي

شتان بين طلوع الشمس والغسق
أعبي المسيح علاج الجاهل الحمق
لطابع ماهر الاصلاح والأنق
فكن عفوا بلا لوم ولا حنق
إن الكرامة في صمح بلارحق
مؤرخ الطبع والترتيب والنسق
طبع الدراسات انجتنى من القلق

مکتوباً إلى حضرة السيد نذیر حسین الدهلوی سموه ” الاستفسار عن
عن صاحب المعیار ، ، يستفتونه فی ” الدراسات ، ، وغيرها وهاک
نصه -

” حامداً ومصلیاً إلى حضرة المولوی محمد نذیر حسین

المؤقر -

وبعد فإننا أهل دهلۃ حنفیون منذ زمن قديم ، وقد
مضى على هذا المذهب اصاغر علمائنا وأکابرهم حتی أن الشيخ
ولی الله والشيخ عبدالعزیز والشيخ محمد اسحق أيضاً كانوا من
الحنفية يدل علیه عملهم فی العبادات والمعاملات وقد صرح
عالمکم النواب صديق حسن خان المؤقر فی ” الاتحاف ، ،
والمولوی محمد یسین فی هامش ” الطریقة المحمدية فی ترجمة
الدرر البهیة ، ، أن الشاه ولی الله والشاه عبدالعزیز كانا من
العلماء الحنفية ، ، وفي هذا العصر أيضاً جميع العلماء فی
” دهلۃ ، ، حنفیون حتی أنکم أيضاً تعدون أنفسکم حنفی المذهب
ویشهد علیه نصکم فی ” المعیار ، ، أيضاً وهو هذا ، (إن
إمامنا وسیدنا أبو حنیفة النعمان) الخ ، والحکام أيضاً یحکمون
فی القضايا علی وفق فقه الحنفية وترجمة ” الهدایة ، ، فی الفقه
موجودة فی دیوان الحكومة ، ویسمونها بقانون الشرع المحمدی ،
فکتاب ” الدراسات ، ، التي رغبت قلندر بخش التاجر علی طبعها
فطبعت بلاهور وکثر الشغب بها فی دهلۃ ونواحیه ، وظن الحنفية
بل سائر أهل السنة علی ما قرر فی باب المکائد من ” التحفة

الإثنا عشرية ، ، أن مؤلف الدراسات ، ، رافضى تزيماً بنزى المحدثين
 تقيّة ، فقد قال في باب المكائد من " التحفة الإثنا عشرية ، ،
 (١) الكيد الثلاثون من الرفضة أن بعضهم يسعى
 في هدم المذاهب الأربعة لأهل السنة والجماعة بأنه ،
 يبطل المذهب الواحد سرّاً والثلاثة علانية فقد رأيت كتاباً
 أبدى مصنفه أنه شافعي ثم أخذ يثبت مذهب الإمام الشافعي
 ببراهين ضعيفة وأقيسة واهية وينقض على المذاهب الثلاثة ثم
 يقض على مذهب الشافعي أيضاً بالأحاديث ، وهذا كيد
 غامض ربما يغتر به عالم سني انتهى وقال فيه أيضاً " الكيد الرابع
 والثلاثون ، ، أنهم ينقلون فضائل الخلفاء الأربعة من كتب أهل
 السنة ويدرجون فيها بعض مثالب الخلفاء الثلاثة لكي يظن العوام
 من أهل السنة ناقلها سنياً وترددون في مذهبهم بسبب نقله المثالب
 انتهى فنحن على ثقة أن صاحب " الدراسات ، ، أيضاً
 مشى على هذا الممشى فأورد في كتابه من فضائل أئمة
 السنة لا سيما إمام الأئمة الإمام الأعظم رحمه الله فقد كتب في

(١) وهذا الكتاب من تصانيف الشيخ الاجل الشاه عبدالعز يزبن الشاه
 ولي الله الدهلوي رحمهما الله تعالى وهو من احسن ما ألف في الرد على الشيعة
 الامامية كشف فيه عن حال الشيعة وبيان اصول مذاهبهم وبيان اسلافهم
 ورواة اخبارهم واحاديثهم ونبذ من عقائدهم وقد التزم فيه ان لا ينقل
 شيئاً من حال الشيعة وعقائدهم الا من كتبهم الشهيرة المعتبرة فله دره
 وعلى الله اجره .

ذكر دأئحه ومناقبه ورد طعن الطاعنين عليه نحو تسع عشرة ورقة أوله (الدراسة الثانية عشرة في إبداء حسن الطوية إلى الإمام الأجل أبي حنيفة ولزوم التأدب به وبمذهبه والذب عنه ورد ما قيل فيه) الخ • وقال (ومالي لا أعرف حقه ، وقد ربيت أنا وآبائي على موائد علمه وأدبه وعبدنا الله سبحانه وأطعنا رسوله ، صلى الله عليه وسلم على هداه وسلكنا هذا الطريق المبارك على ممشاه ومسلكه فله رحمه الله تعالى علينا من الأيادي الباسطة التي لم نقدر على وفاء حقها نسأل الله سبحانه أن يجازيه عليها عنا (١) وقال (والتحقيق من مذهب الإمام الأجل أبي حنيفة أيضاً تقديم الضعيف على القياس (٢) وسرد لذلك أمثلة ثم قال (خلافاً للشافعي فإنه أخذ بالقياس) (٣) وقال (ومن أمثلة ذلك مسح الرقبة في الوضوء فإني لم أجده مستنداً مرفوعاً ولا موفوقاً ومع ذلك لا أتركه) (٤) يعني لحسن الظن بالإمام الأعظم لعله قد بلغه الحديث في هذا الباب ، ومع سرد هذه الفضائل ضعف المذاهب الأربعة أولاً وآخرها اتباعاً للسنة وتحقيقاً للعمل بالحديث ، وقرر في وسط الكتاب عصمة

(١) ص ٤٠٣ ، ٤٠٤

(٢) ص ٣٩٩

(٣) ص ٤٠٠

(٤) ٤٠٧

الأئمة الإثني عشر وفاطمة الزهراء ، وقال ، باستحالة صدور الخطأ عنهم وأثبت خطأ الصديق الأكبر وسائر الصحابة بازاءهم فرد مذهب أهل السنة بالكلية ، وحكم على الأحاديث التي جاءت في فضل الصحابة وسيا في فضل الشيخين بالضعف والوضع مع كون هذه الأحاديث في الصحاح وتأولها تأويلاً لا يقبله العقل السليم ، اللهم احفظنا من هذه المكائد ، فننقل بعض ما في الدراسات ، ونسئل حضراتكم ماذا تعمل الحنفية فيها ، وهل أنتم تعتقدون صحتها أم لا (وهي هذه) (المسئلة الاولى) إن أبا بكر الصديق والصحابة الذين خالفوا فاطمة وعلياً كلهم كانوا على الخطأ وبصه (فإن قلت إذا كانوا - أي الأئمة الاثنا عشر وفاطمة معصومين فلم يختلف القرن الاول من الصحابة مع علي حتى خالفه ابن عباس في بعض المسائل ، وخالفه أكثر الصحابة لما توقف عن البيعة ، وخالف أبو بكر سيدة نساء العالمين في دعواها الإرث ، وشهد باصالة أبي بكر عدم إرث الأنبياء الحديث ووافقتهم الصحابة ، قلنا إن من خالفه فهو مخطئ ، وشهادة عدم الارث ممنوع ، كيف ويلزم على ذلك خطأ الزهراء انتهى . (١) وهذا عين معتقد الروافض حيث يقولون بإمامة الإثني عشر وعصمة الأربعة عشر خلافاً لفقهاء أهل السنة ومحدثيها .

(المسئلة الثانية) إن الأئمة الإثني عشر وفاطمة

الزهراء كلهم معصومون بحيث يستحيل صدور الخطأ عنهم وهاك
نصه (فصدور الخطأ عن المهدي مستحيل ، فالفرق بينه وبين
الرسول أن الرسول قام على عصمته الدليل العقلي والمهدي قام
على عصمته شهادة المعصوم عن الخطأ عقلاً فاشتركا في
استحالة الخطأ وامتناع صدوره عنها ، (١) وهذا عجيب أن
عصمة رسول الله صلى الله عليه وسلم عقلي وعصمة المهدي
نقلي فليُنظر فضيلتكم هل في مذهب أهل السنة والجماعة
إثبات العصمة لغير نبي ، وقد صرح الشيخ عبدالعزيز رحمه
الله في الباب العاشر من " التحفة الإثنا عشرية " ، أنه ليس
من مذهب أهل السنة إثبات العصمة لغير نبي انتهى .

(المسئلة الثالثة) إحياء محبي أهل البيت في زمن المهدي
وفوزهم في حضوره ونصه (ولقد اخبرت من بعض أهل العلم
(٢) أنه قال من مات على الحب الصادق لإمام العصر ولم يدرك

(١) ص ٢٣٠

(٢) قال العلامة " عبداللطيف السندى في " ذب الذاياب " ،

واظن ان مراد المعترض ههنا ببعض اهل العلم هو الشيخ
الرافضي الذي كان من احياء المعترض في الايام التي كانت الحكومة فيها
في بلدتنا هذه لبعض الرفضية " الملعونة " السابعة ، وكان يحب المعترض
حباً كثيراً ، ويراعيه بالالوف الكثيرة من النقود ، ويجئ في بيته في
الضيافات ، وكان ذلك الشيخ الرافضي معظماً عنده ، وصديقاً صادقاً لهذا
المعترض ، وكان هو الشيخ النجدي في نفس الامر ، (ورقه ٢٥٨)

أوانه آذن الله سبحانه أن يحياه فيفوز فوزاً عظيماً في حضوره
من نوره وهذه هي الرجعة في عهده عليه السلام ، (١) والرجعة
عقيدة مشهورة للرافضة رد عليها علماء السنة قال النووي في
شرح مسلم الرجعة باطلة تعتقدها الروافض ،

(المسئلة الرابعة) حكم على حديث ”أصحابي كالنجوم ، ،
بالوضع نظراً إلى إثبات العصمة لأهل البيت ، وقال في حديث
”اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر ، ، أنه يفيد إباحة اقتداء
الشيخين دون الوجوب أو الاستحباب ، ونصه ”حديث الأول موضوع
وإلا لكان قوله إهتديتم فيه خاصة مما يدل على عدم خطئهم ،
والثاني فيه جواز الاقتداء بهما وهو لا يقتضي عدم خطأهما بل بلوغهما
درجة ممن يتبع ، ، انتهى (٢) وحديث ”أصحابي كالنجوم ، ، موجود في
”المشكوة ، ، وقد صرح القاضي ثناء الله الباني بتي المحدث في ”السيف
المسلول ، ، (أن متنه مشهور ، وقد رواه البيهقي بأسانيد متذوعة يرتقى
بها إلى درجة الحسن اهـ) والحديث الثاني قد ورد حيث قال صلى الله
عليه وسلم (إني لا أدري ما بقائي فيكم فاقتدوا بالذين من بعدي
وأشار إلى أبي بكر وعمر)

(المسئلة الخامسة) الجمع في الحضر بين صلاتي الظهر والعصر ،
والمغرب والعشاء

فنحن نخشى أن تميل العامة إلى الرفض فضلاً عن ترك

(١) ص ٢٥١

(٢) راجع الكتاب ص ٢٤٠

التقليد ، والرجاء من فضيلتكم أن تتفضلوا علينا بالجواب عن هذه الأسئلة (انتهى معرباً من الأردوية) (١)

ولم يجب صاحب "المعيار" ؛ عن هذه الأسئلة فيما نعلم ، وقال الشيخ العالم محمد شاه (٢) في "مدار الحق في الرد على معيار الحق" ،

"ولا يخفى أني سمعت أيام تصنيفي لكتابي "مدار الحق في الرد على معيار الحق" ؛ أن صاحب "المعيار" ، يطبع كتاباً آخر لتأييد معياره ، وكتب إلى المولى مخدوم الموقر في

(١) "الاستفسار عن صاحب المعيار" ، من ص ١٢ حتى ١٢ طبع مطبعة احمدى بدلهي ،

(٢) هو الشيخ العالم البارع المققن محمد شاه الصديقي الحنفي من اجل تلامذة السيد محبوب على تلميذ اصحاب الامام المحدث عبدالعزیز بن ولي الله العمري الدهلوي ، كان سيفاً قاطعاً على الالامذهبيه ، وله اليد الطولى في الخلاف والباع المعتمد في الفقه والحديث والاصول كان عالماً فاضلاً مناظراً اخذ عنه الشيخ فقير محمد المجهلي صاحب حقائق الحنفية وصنف التصانيف الحسنه منها هذا الكتاب الذي كشف فيه الستار عن عوار صاحب "المعيار" ، صنفه نقضا على انكاره تقليد الائمة المتبوعين "والبلاغ المبين في اخفاء التامين" ، "واعترافات اهل السنه" على مسائل اهل البدعه" ، وهذه الثلاثه في الاردويه ، و "عمدة الاصول في حديث الرسول" ، بالعربيه وهو كتاب نفيس في علم مصطلح الحديث ، وتوفي رحمه الله يوم السابع والعشرين من شهر رمضان المبارك سنه خمس وثلاث ومائه بعد الالف ،

هذه الأيام من لاهور مكتوباً، فيه أن صاحب "المعيار"،
 أرسل تلميذاً له لطبع كتاب "دراسات اللبيب"، وأظن أن
 "مصنف الدراسات"، رافضى فعليك بمطالعة هذا الكتاب،
 اه ثم جاء محبي القديم وصديقي الحميم المولوى أمير حسن السهسوانى
 وأقام بمنزل عبدالعزيز بن الحاج على جان الموقر وذهبت لزيارته
 فإذا صاحب "المعيار"، قد شرف بقدومه أيضاً، ونسخ
 "الدراسات" موضوعة هناك نحو مائة أو مائتين، وصاحب
 المعيار يثنى على كتاب "الدراسات"، ثناءً بليغاً، فأشار إلى
 المولوى أمير حسن وعبدالعزيز أن أولف فى الرد على هذا الكتاب
 أيضاً وقال صاحب "المعيار"، لا تعرضوا هذا الكتاب عليه
 فينكسر قلب هذا البائس، ثم دفع إلى عبدالعزيز نسخة من
 هذا الكتاب بإشارة المولوى أمير حسن الموقر وذهبت بعد
 يوم أو يومين إلى حضرة صاحب "المعيار"، فى مسجده
 وقت العصر، فاطرى صاحب "المعيار"، فى الثناء على كتاب
 "الدراسات"، حتى رجحه على "معياره"، فقلت له إن كتابكم
 "المعيار"، يرجح عليه وينت له وجه ترجيحه أيضاً فقال
 حسن ولكن هذا الرجل يعنى صاحب "الدراسات"، محقق
 كبير واه نظر على الكتب، وبالجمللة لما قت من عنده ورجعت
 إلى بيتى ونظرت فى "الدراسات"، نظرة عاجاة، علمت
 أن جامع رافضى فى زى سنى تزيأ باللامذهبية لإضلال
 أهل السنة والجماعة فأشار إلى أكثر معتقدات الروافض وأهل

الهوى وفرو عنهم ، ولما كان سردها جميعاً والرد عليها متعذراً
 بوجوه عديدة أذكر نبذاً من معتقدات هذا الدراسى التى هى
 عقائد الرافضة وأهل الهوى دون عقائد أهل السنة والجماعة
 روماً للاختصار مقتصراً على قدر الحاجة لا جميع الواهيات
 التى شعب بها هذا الدراسى فى إثبات هذه العقائد الباطلة ،
 ثم ذكر من معتقداته واحداً واحداً وأطال فى الرد عليها ، وفى
 سرد جميع ذلك كله فلنقتصر على ذكر الأمور التى انتقد عليها من
 غير ذكر الرد ، فمن شاء الاطلاع على ذلك فليراجع إلى الكتاب
 المذكور .

فمن ذلك إنكاره الإجماع بأن لا إجماع بدون إمام من أئمة
 أهل البيت كما هو مذهب الرافضة حيث قال فى " الدراسة السابعة " ،
 فى مسألة الجمع بين الصلاتين فى الحضر -

" ومن لم يحمل جواز الجمع فى الحضر على أدنى حاجة
 واتخذ مذهباً رأساً من غير عذر الإمام الحق الصديق الصديق
 الصادق عليه السلام ؛ ومذهب واحد منهم مذهب باقىهم
 كما قال أبوه باقر حقائق الوجود كله ، لا يصدر عن أهل بيت
 على إلا عن رأيه ، ولو فرضنا وجود الإجماع على خلاف هذا
 الحديث ؛ وقد عرفت بطلانه فلا إجماع بمخالفة أهل
 البيت ، (ص ٢٧٥)

ومنها الجمع بين الصلاتين بأنه يجوز الجمع بين صلاتى
 المغرب والعشاء والظهر والعصر فى وقت احدهما مستمراً على

ذلك بطريق العادة من غير عذر ولا حاجة كما مر آنفاً من مذهب أهل البيت .

ومنها عصمة الأئمة الإثني عشر وفاطمة بأنهم معصومون عن الخطأ ويستحيل . ويمتنع صدور ذلك عنهم حيث قال في " الدراسة الخامسة ، ، في بحث عصمة المهدي -

، فلا وجه لأن يمتري من له أدنى إصاف أن الأئمة الإثني عشر من أهل البيت وفاطمة الزهراء عليهم السلام معصومون كالمهدي عليه السلام ، ، (ص ٢٣٨ ، ٢٣٩) وقال -

، ان من أقر بصحة حديث التمسك ألزم بعصمة الأئمة حتى استحالة صدور الخطأ عنهم كالمهدي عليه السلام ، ، (ص ٢٤٠)

ونها أن المراد بأهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم الخمسة الطاهرة الخمسة دون أزواج النبي صلى الله عليه وسلم كما هو معتقد الروافض خلافاً لأهل السنة والجماعة ، حيث قال في " الدراسة الخامسة ، ، -

، يعين المراد منهم في آية التطهير مع نصوص كثيرة من الأحاديث الصحاح على أن المراد منهم الخمسة الطاهرة ، ، (ص ٢٣٧)

ومنها اعتقاده الرجعة وقد مر نصه في هذا الباب آنفاً نقلاً عن " الاستفسار عن صاحب المعيار ، ، -

ومنها إنكاره عن حجية القياس حيث قال في "الدراسة الأولى" ، ، -

"وقال جماهير أصحاب الظواهر ومشائخ الحديث وداؤد الظاهري لم يرد الشرع بالتعبد به بل منع العمل بالقياس فكان باطلاً ، ولذلك قدوة حسنة في ذلك بالأئمة الإثني عشر من أهل البيت حيث كانوا لا يرون القياس ، روى عن الإمام جعفر الصادق عليه السلام أنه قال لأي حنيفة بلغني أنك تقيس لا تقس فإن أول من قاس إبليس ومذهب بعضهم مذهب الكل . كما لا يخفى على من أحاط ببعض خصائص أحوالهم ، فإذا كان مذهب أئمة أهل البيت ومشائخ الحديث تحريم القياس فعدم الاعتناء بهذا الجانب اجترأ ، ، ثم قال في آخر هذه الدراسة -

"هذه الأبحاث في نصرة نفاة القياس ، ، (ص ٦٨)

وقال في "الدراسة الثانية عشرة" ، ، -

"فاعلم أن الأئمة الطاهرين عليهم السلام يحرمون القياس ولهذا لما دخل أبو حنيفة على جعفر بن محمد عليه السلام قال ، له ، بلغني أنك تقيس لا تقس فإن أول من قاس إبليس ، ، اه (ص ٤٣٧ و ٤٣٩)

فأثبت أن الأئمة الإثني عشر معصومون عن الخطأ وصدوره عنهم مستحيل وممتنع ، ثم أثبت أن مذهب الأئمة الإثني عشر حرمة القياس ، فحرم القياس قطعاً كما هو معتقد الروافض

خلافاً لأهل السنة والجماعة فإن القياس عندهم حجة شرعية
بالاتفاق ودلائله مذكورة في كتبهم ،

ومنها أن الإلهام حجة شرعية حيث قال في " الدراسة
الثانية عشرة . . -

" فاعلم أن الأئمة الطاهرين محرمون القياس
وإنما عملهم على النصوص والكشف والإلهام . . اه (ص ٤٢٩)
ومنها أن الكشف حجة شرعية أقوى من الاجتهاد .
حيث قال في " الدراسة الأولى ، ، في بحث القياس .

فمن قلده مجتهداً يقلده لقوة دليله عنده أو لحسن اعتقاده
إليه فكذلك من يقلد صاحب الكشف يقلده لظهور صدق
كشفه أو لحسن ظنه ، فإن الكشف أقوى من كل أسباب
العلوم بعد الوحي . . اه (ص ٥٢ و ٥٣)

وقال في أواخر " الدراسة الحادية عشرة ، ، -

" والكشف ولا يطلق إلا على المطابق للواقع حجة على
الكاشف وغير الكاشف ممن اعتقده والتزم اتباعه ، وتقليده
كالاجتهاد على المجتهد وغير المجتهد ممن يعتقده والتزم تقليده بل
العلم الحاصل بالكشف أقوى من العلم الحاصل بالاجتهاد
وهذا في عموم ما يكشف به العارفون كشف يقظة أرواحهم
اه (ص ٣٧٢)

ولم يقل إمام من أئمة أهل السنة أن الكشف
حجة شرعية .

ومنها أن أهل الكشف حاضرون في كل حين عند
النبي صلى الله عليه وسلم فإذا احتاجوا إلى مسألة سأله صلى الله
عليه وسلم مشافهة حيث قال في "الدراسة الخامسة" ،

"لا يسوغ القياس في موضع يكون فيه الرسول موجوداً ،
وأهل الكشف النبي صلى الله عليه وسلم عندهم موجود فلا
يأخذون الحكم إلا عنه صلى الله عليه وسلم ، ولهذا الفقير
الصادق لا ينتمى إلى مذهب إنما هو مع الرسول الذي هو
مشهود ، كما إن الرسول مع الوحي الذي أنزل عليه
اه (ص ٢٢٦)

وهذا باطل بداهةً لأنه لو كان الأمر كذلك لما
اختلف الأئمة المجتهدون والخلفاء الراشدون والصحابة الكبار في مسألة
لأن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم موجود عندهم على زعمه فإذا
احتاجوا سألوه ،

ومنها أن العارفين يسألونه صلى الله عليه وسلم عن صحة
الحديث واختلاقه والنبي صلى الله عليه وسلم يخبرهم بصحته وإن كان
الحديث عند الحفاظ موضوعاً وصرحوا بوضعه وكذلك بوضعه وإن
كان الحديث عند الحفاظ صحيحاً وحكموا عليه بالصحة وليس عليهم
اتباع إمام من أئمة الدين في الأحكام حيث قال في "الدراسة
الخامسة" ، -

"بل حرم بعض المحققين على جميع أهل الله القياس
لكون رسول الله صلى الله عليه وسلم مشهوداً لهم فإذا شكوا في

صححة حديث أو حكم رجعوا إليه في ذلك فأخبرهم بالأمر الحق
 بقظة ، ومشافهة ، وصاحب هذا المشهد لا يحتاج إلى تقليد
 أحد من الأئمة غير رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ،
 (ص ٢٢٥)

وقال قبيل ذلك -

” وذلك لما قرع سمعك فيما مضى أن العارفين ربما
 يصححون حديثاً حكم فيه الحفاظ بالوضع ، وربما يحكمون
 بوضع ما حكموا بصحته ، ، اه (ص ١٨٩)

وهذه العقيدة هي أصل فساد الدين ، فإنه لو كان
 الأمر على ما قال لادعى من شاء ما شاء ، ولو صح ذلك لما
 اختلفت الصحابة فيما بينهم ولسألت فاطمة عن النبي صلى الله عليه
 وسلم في مسألة الميراث ، ولما خالفت أبابكر في هذه المسئلة
 وكذلك ما خالف ابن عباس علياً في بعض المسائل -

ومنها تخطئة الصحابة عليهم الرضوان بأن من خالف منهم
 علياً وفاطمة على الخطأ لأن أهل البيت معصومون دون الصحابة
 حيث قال في ” الدراسة الخامسة ، ، -

” فإن قلت إذا كانوا معصومين في الحكم بدلالة الحديث
 المذكور فلم اختلف أهل القرن الأول من الصحابة مع علي
 مع أنه أفضل العصبة الكريمة حتى خالفه ابن عباس في
 بعض المسائل ، وخالفه لما توقف عن البيعة أكثر
 الصحابة وخالفه طلحة والزبير وعائشة ومن كان مع معاوية ،

وخالف أبو بكر سيدة نساء العالمين في دعويها الإرث ،
 وشهد بإصابة أبي بكر في اجتهاده الحديث المنصوص في عدم
 إرث الأنبياء عليهم السلام ، ووافقه في ذلك الصحابة
 وشهدوا بسماع الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم مع علمهم
 بهذا الحديث وهذا كله يدل على أن الحديث لا يدل على
 عصمتهم إذ لو كان لما وقع هذا بأسره -

قلنا إن علم الحديث لكل من خالف علياً وغيره
 من العصابة المقدسة ممنوع ، وقول النبي صلى الله عليه وسلم
 في علي خاصة "علي مع القرآن والقرآن مع علي" ، وقوله
 صلى الله عليه وسلم في الحديث الصحيح يوم خم غدير
 "أدر الحق معه حيث دار" ، وأمثال ذلك هو أصل تمسك
 الصحابة ولمن بعدهم في الإجماع على أن من خالفه فهو
 مخطئ وشهادة حديث عدم الإرث لإصابة أبي بكر ممنوع ،
 كيف ويلزم على ذلك خطأ الزهراء قطعاً ، وشهادة الصحابة
 بصحة الحديث غير شهادتهم بخطأها في تلك المسئلة إذ
 الحديث ليس نصاً في مطلوب أبي بكر إذ لها عن هذا
 الحديث أجوبة أفردناها في الوريقات ولم تكن في ذلك
 وحدها بل وافقها على ذلك كبار الصحابة على والحسن
 والحسين عليهم السلام فقد استبان أن ثبوت الخلاف لا ينافي

القول بعصمتهم ، ، اهـ (ص ٢٤١ حتى ٢٤٥)

ثم قال الشيخ محمد شاه -

فتلخص مما ذكر أن مرام "صاحب الدراسات"، أنه
يجب تقليد الأئمة الإثني عشر وتبأ عنهم دون تقليد الأئمة
الأربعة لأنهم أصحاب قياس والقياس في دين الله حرام، ودون تقليد
الصحابة لأنهم ليسوا بمعصومين وأهل البيت يعني الأئمة
الإثني عشر وفاطمة معصومون، ولذا أخذ يظهر التفجع على
مذاهب الأئمة الأربعة من أهل السنة حيث قال في
"الدراسة الثانية عشرة"، -

"فالفجيرة كل الفجيرة على الأمة أن خلت كتب
المذاهب الأربعة عن مذهب أئمة أهل البيت
اه (ص ٤٢٨) (١)

وربما وقع في النسخة المطبوعة بـ"لاهور لفظة (صلعم)
بدل صلى الله عليه وسلم، وكذا (رض) بدل (رضي الله عنه)
فلم تطب نفسي بذلك، وكتبت الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم
والرضوان على الصحابة كاملة، وكذلك قد وقع السقط فيها في
بعض المواضع كما يظهر من مطالعة "ذب الذبابات"، وقد
نبهنا على بعضها في الهوامش فالرجاء من كل من له اطلاع على
نسخة خطية من هذا الكتاب، أن يتفضل علينا باخباره لكي
يستدرك في الطبعة الثانية ما وقع فيه من السقط،

(١) مدار الحق رد معيار الحق ص ٤٧٤ حتى ٤٨٠ طبع . طبع

شعر

قال علی شیر قانع فی "تحفة الکرام" ، -

"وکان یجید الشعر ، وتخلصه فی الفارسیة "تسلیم" ،

وفی الهندیة "بیراکی" ،

وقال فی "مقالات الشعراء" ، -

"وربما توجه إلى النظم وکان تخلصه فی الهندیة فی

"دوهره" ، و "کبت" ، و "بیراکی" ، (۱)

والشعر وإن کان أدون بالنسبة إلى کمالاته ، لکن

استجماعه لفنون الکمال وأيضاً اقتضاء المقام يقتضی أن یثبت

هنا بعض ما جادت به قريحته الفائقة ، فهذا الغزل (۲)

مما أنشده فی جواب غزل السید محمد المعروف بمیر

پهتو الرضوی (۳)

علی ولی چو امام مبین ما شده بود

برون ز تو سن أفلاك زین ما شده بود

(۲) نوعان من الشعر الهندی

(۲) صنف مشهور من الشعر الفارسی ،

(۳) هو من احفاد السید محمد یوسف الرضوی ، والیه انتهت

مشيخته جده المذکور فی الطریقة والارشاد وکان رئیس السادات ذا برکه

صاحب فقر وایقان تعتقده عامه اهل "تته" ، کذا فی "مقالات الشعراء" ،

وذكر له هذين البيتين من غزله الذي انشد الشيخ محمد معين فی جوابه

زخود نمایها طرفه دین ما شده بود منی ومانی نقش نگین ما شده بود

هزار شکر که مارا زما نشان دادند وگر نه پوچ گمانی یقین ما شده بود

که گمت بادف و نه درس اینها امروز
 که شکل سجده مهر سو جبین ما شده بود
 به بزم میکده راز ازل عیان دیدم
 که چشم ساقی ما دور بین ما شده بود
 جهان هوش بخود برده آن پری زادی
 سحر که یک دمگی هم نشین ما شده بود
 بزور بازوی مستی چو هستیم بشکست
 کرشمه ات کمکی در کمین ما شده بود
 بشهر عشق ز فتوای بربط و طنبور
 سجود کبریٰ محرابات دین ما شده بود
 برای آتش فروش دین جعفری "تسلیم"،
 زجوهر یمن دل نگین ما شده بود
 وقال علی طراز القاضی عطاءالله البغدادی المتخلص بالتاجر (۱)

(۱) کان شاعرا مقلقا صوفیا، ذاحظ من البلاغه، ترجمه علی
 شیر قانع فی "مقالات الشعراء"، و ذکر من شعرد.

زاسباب جهان حاصل همین جنس غمی دارم
 خدا افزون کند این جنس را تا من دمی دارم
 برخسار زرینم اشک گلگونی همی ریزد
 برزنگ لاله اصفی چه احمر شبنمی دارم
 شو درهم اگر برهم زده بینی کلام من
 که احوال پریشان همچو زلف درهمی دارم

چواھونا فہ ریزی اژدم مردان دی دارم
 درین بید ای و ہشت تاکہ قلاج رمی دارم
 خزان کثرت موہوم نتواند خواش من
 کہ رخسار گلہم کز بحر وحدت شبندی دارم
 ز پیچ و تاب کفر زلف ترسا بچہ شوخی
 پریشان قبلہ گا ہم کیش درہم برہمی دارم
 ز فریاد نہان وفاش دست غمزہ پردازی
 رباب اضطرابم نغمہ زیر ریمی دارم
 بیادر یوزہ کن "تسلیم" زان تاجر کہ می گوید
 زاسبات جهان حاصل ہمین جنس غمی دارم
 والمصراع الاخیر من التاجر المذكور، وهذا التضمین طریف
 جداً

مذکر لہ فی روز روش -

مباد هیچ کسی خستہ دل زما ، تسلیم
 کہ زیب خر قہ ما شیوہ کما نداری ست
 و ذکر لہ أيضاً -

کیست روباہ کہ از شیر ژبازد صرفہ برد
 عقل از جیقلس عشق زبون می گردد

و ذکر عبید اللہ السندی من شعرہ -

ز قاسورم چہ منتہاست لاز بہر علاج من
 نہ امید دوا از کس نہ چشم مرہمی دارم

سگت را خون دل دادم که بامن آشنا گردد

ندانستم زبخت بد که او دیوانه خواهد شد

و ذکر فی "مقالات الشعراء"، فی ترجمه الشیخ الإمام محمد هاشم السندی، أن الشیخ محمد معین کتب فی تعزیه الحسین رضی الله عنه

ای و اعظ خوش کلام شیرین پیغام

منبر به سواد قیصره گون بتمام

باروی سیه خاک بسر فاش بگو

در تعزیت حسین صبر است حرام

وقال علی کرم الله وجهه الصبر جمیل إلا علیک یا رسول الله اه

فکتب فی جوابه الشیخ محمد هاشم -

ای عاشق صادق محب خوش نام

در تعزیت حسین کن حزن مدام

باسوز دلت اشک همی ریزد چشم

لیکن ندهی راز محبت به عوام

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "الصبر نصف الايمان"، رواه أبو نعیم

فی "الحذیة"، "والبیهقی"، فی "شعب الايمان"، وعن قیس بن

عاصم أنه قال لا تنوحوا علی فإن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم ینح

علیه رواه النسائی فی سننه. اه

ومما کتب الشیخ محمد معین فی تعزیه الحسین رضی الله عنه إلى السید

عبد القدوس شیرازی (۱)

”نعزيكم يا أهل بيت النبوة في هذه المصيبة الفادحة التي يتقصم دونها ظهور الرجال الأبطال الفاتحين على اعتراف القصور في حقوق العزاء ، وأنتم أيها الصفوة في غناء عن تعزيتنا البتراء بتعزية الحق سبحانه إياكم وتسليته لكم في أزل الآزال عند قضاء المقادير والآجال بقوله (إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس) الآية ثم عزاكم بذلك جدكم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم (١) حيث روى أنه بعد نزول هذه الآية لم يزل ستة أشهر كلما خرج إلى المسجد ويمر بباب فاطمة عليها السلام نظر إلى بيتها ويقول إنما (يريد الله) الآية (٢) والسلام

بن السيد شرف الدين بن السيد حسين بن السيد منصور الشيرازي ترجمه على شير قانع و ”تحفه الكرام“ ، فقال كان عالماً كاملاً نهري بالعصر جليل الشأن مبرزاً على الاقران توفي سنة ست واربعين ومائة والف ، زاد في ، المقالات ، وتولى الافتاء والحسبة ، ولها ورد ابن ملك ، ، ايران ، ، بتنه في ايام سيف الله خان لم يرتض لمصاحبه من سائر اهلها سواه ، وقد جرى كثيراً بينه وبين الشيخ محمد معين مراسلات علميه ، اه

(١) كان في الاصل ”صلعم“ ، بدل صلى الله عليه وسلم

(٢) قال ابو عيسى في تفسير سورة ”الاحزاب“ ، من ”جامعه“ ،

حدثنا عبد بن حميدنا عفان بن مسلم ناحياد بن سلمة نا على بن زيد عن انس بن مالك رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة منته اشهر اذا خرج الى صلوة الفجر يقول الصلوة انايت اهل البيت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم

رباعی (۱)

در تعزیت حسین زد جامه به نیل
در سـمـدره منتهی بشیون جبریل
تا کرد رسول شیشه پر خون برکف
خون است دل عیسی و موسی و خلیل

رباعی

ای سبط نبی ترا بشر سنجیدند
رخساره شریعت نادیدند
خاک قدمت فرشته درچشم کند
ای آه سرت بخاک و خون بریدند



رباعی

در پای حسین خاک راهش دو جهان
از عشق سپند مجمرش عالم جان
امروز بما تمش سیه روز شدم
باد زن الی (۲) یا بخات الاکوان اه (۳)

تطهیراً ، هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه انما نعرفه من حدیث
حماد بن سلمه ، وفي انبأ عن ابی الحمراء ومقل بن یسار واهل سلمه ، اه

(۱) ویقال له فی العربیه دویبتی

(۲) کذا فیه -

(۳) وجواب هذه الرقعة من السيد عبد القدوس مذکور فی ترجمته

من مقالات الشعراء ، فمن شاء الاطلاع علیه فليراجعه ،

كملت المقدمة والحمد لله رب العالمين . وقد ذكرنا من ذم المصنف
والثناء عليه ما يقف به الناظر فيه على حاله ، وهذا كتاب ” الدراسات “
بين أيدي أهل العلم من يمعن النظر فيه يكون على بصيرة في حقه إن
شاء الله تعالى عصمنا الله تعالى وكفانا شر الحاسدين .

هذا وإني أشكر فضيلة الأستاذ البحاث الفقيه العالم المفتي مولانا
أبي محمود ولي حسن خان التونكي فإنه قد رافقني في تصحيح هذا
الكتاب ومعارضته على النسخة المطبوعة القديمة ، وتفضل بعمل الفهارس
كلها ، فجزاه الله تعالى أحسن الجزاء ، والله تعالى سبحانه يغفر لنا
وللمصنف ويبلغنا ما نؤمله ونرتجيه إنه على كل شئ قدير ، وبالإجابة
جدير . وقد وقع الفراغ من جمع هذه المقدمة قبيل العصر في يوم الأحد
الثلاثين من رجب الحرام سنة ست وسبعين وثلاث مائة بعد الألف .

كتبه الفقير إلى الله ، محمد عبد الرشيد النعماني

نزيل السند (كراتشي)